اسلام، الحاد اور سائنس

مُصنّف : محمد سلیم

ختم نبوت ﷺ زندہ باد **عظمت صحابہ زندہ باد**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117
محمد سلمان سلیم

0343-7008883
پاکستان زندہ باد

0333-8033313
راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

"جملہ حقوق محفوظ ہیں"

نام کتاب : اسلام، الحاد اور سائنس

مصنف : محمد سلیم

قیمت : 600 روپے

ناشر : محمد سلیم

محمد سلیم نے بھٹو پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
الفرقان پبلشرز لاہور سے شائع کی۔

فہرست

Writer’s facebook id

https://www.facebook.com/mohammad.saleem.568847

ابتدائیہ

جب ہم اس کائنات کا نظام دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دنیا کسی ایک خالق کی تخلیق کردہ ہے۔ نہ اس میں کہیں کوئی سقم ہے نہ جھول۔ ہر تخلیق بامقصد اور منظم نظر آتی ہے۔ سورج کا نظام، چاند کا نظام، سمندروں کے نظام، ان تمام فلکیات سے کامل انسانی زندگی اور پھر زندگی کا نظام۔

ہم انسان ایک عقل رکھنے والی باشعور مخلوق ہیں۔ جب ہم اس کائنات کو ایک منظم طریقے سے رواں دواں دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ کائنات خود بخود تخلیق ہوئی یا اس کے پیچھے کوئی خدا کارفرما ہے؟

ہمارا وجود کیوں ہے؟

کیا ہمیں کسی خدا نے پیدا کیا ہے یا ہم محض حادثاتی طور پر وجود میں آ گئے ہیں؟

ہمارا خالق کون ہے؟

اگر ہمیں کسی خالق نے پیدا کیا تو ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جو ہمیشہ سے انسان کی جستجو کا مرکز رہے ہیں۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہم اس دنیا میں محض حادثاتی طور پر پیدا ہو گئے ہیں تو ہماری زندگی بہت آسان ہے۔ ایک عیاشی بھری زندگی جس کا کوئی مقصد نہیں، کوئی ضابطہ نہیں، کوئی اصول نہیں۔ یہ طرز زندگی بظاہر ہماری زندگی کو آسان مگر حقیقتاً بہت مشکل بنا دیتا ہے۔ ہم اپنی زندگی کو آسان بنانے کی جستجو میں دوسروں کی زندگی مشکل بنا دیتے ہیں۔

بھول کر خود ہمیں بھی اسی معاشرے میں رہنا ہے۔ جتنا یہ معاشرہ خوبصورت اور پرامن ہو گا اتنا ہی یہاں سکون سے رہنا آسان ہوگا۔

لیکن اگر ہم ایک خالق کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمارا سامنا ایک بظاہر مشکل ترین زندگی سے ہوتا ہے۔ وہ زندگی جس میں اپنے خالق کی مکمل فرماں برداری شامل ہوتی ہے۔ انبیاء کی تعلیمات شامل ہوتی ہیں۔ ایک خوف ہوتا ہے کہ یہ کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے۔ روز آخرت میں وہ خدا ہم سے پوچھے گا۔ ہمارے ہر عمل کے بارے میں۔ یہ خوف یہ ڈر ہمیں ایک باضابطہ زندگی گزارنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ ہمیں صلہ رحمی سکھاتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اس امید پہ جیتے ہیں کہ ہمارا رب ہم سے خوش ہوگا۔

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اس کا کام اس دنیا کے لوگوں کو دین سے پھیر کر اس دنیا میں فساد برپا کرنا ہے۔

خیر و شر کی یہ جنگ ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ یہی اس دنیا کا نظام ہے۔ یہاں ہدایت کا نور بھی ہے اور شیطان کا شر بھی۔ انسان کو ان تمام معاملات سے گزرتے ہوئے اپنی زندگی تمام کرنی ہے۔ شیطان وقتی فائدے کا لالچ دے کر اسے ہدایت کے راستے سے پھیرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اسی لیے آتے ہیں۔ وہ صبر کی تلقین کرتے اور اس دنیا سے بے رغبتی دلاتے ہیں۔ ہمیشہ کی جنت کی نوید سناتے ہیں۔

مگر انسان بڑا ہی بے صبرا ہے۔

اس آزمائش کے سبب وہ خود بھٹک جاتا ہے تو بہت سے لوگوں کو بھی بہکا دیتا ہے۔
مگر انہی میں ایسے مومن بھی ہوتے ہیں جو اس آزمائش اور چند روزہ زندگی کی حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں۔

وہی فلاح پانے والے ہیں۔

○

الحاد کیا ہے؟

الحاد کا لفظ لحد سے نکلا ہے جس کے معنی ایسی قبر جس میں دراز بنائی جاتی ہے۔ عربی زبان میں بھی اس کا مطلب اپنی جگہ سے ہٹا ہوا ہونا، راہ راست سے ہٹا ہوا ہونا اور انحراف تھا۔

ملحد سے مراد وہ لوگ جو کسی بھی خدا کسی بھی مذہب کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک یہ پوری کائنات اور اس میں موجود یہ زندگی محض ایک حادثے کا شاخسانہ ہے۔

انھیں دہریے بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں دہر زمانے کو کہتے ہیں۔ قرآن میں جہاں یہود، نصاریٰ، کفار، مشرکین اور منافقین کو عذاب کی وعید دی گئی ہے وہاں دہریت کا پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ قرآن مجید کی اگر سورہ الجاثیہ اور سورہ الفرقان کو پڑھا جائے تو زیادہ تر آیات ایسے لوگوں کا ذکر کرتی ہیں جو اس دنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ اللہ کے کلام کا مذاق بناتے ہیں۔ روز جزا ان کے نزدیک ایک مذاق سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ سورہ الفرقان میں وہ اعتراضات مومنوں کو بتائے گئے ہیں جو الحاد کا مخصوص وطیرہ ہے۔ مثلاً قرآن ایک شخص نے خود گھڑ لیا یا خدا ہمارے سامنے آئے تو ہم اسے مانیں۔ سورہ الجاثیہ ان لوگوں کی بات کرتی ہے جو روز آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

سورہ الجاثیہ آیت نمبر 24

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (۲۴)

"تو اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے (دراصل) انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قیاس اور) اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں۔"

دہریت یا الحاد دراصل دنیاوی زندگی میں مبتلا ہو جانے کا نام ہے۔ قوانین سے بغاوت، تعلیمات اور قدروں سے فرار میں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دینا کہ اس زندگی کے بعد کچھ نہیں۔ انسان کا پیدا ہونا ایک حادثہ ہے اور مرنے کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

الحاد کے اسباب بے شمار ہیں۔ مگر بنیادی سبب خواہش نفس کی غلامی ہے۔

سورۃ الجاثیہ۔ آیت 23

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (23)

"کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔"

سورۃ الفرقان۔ آیت 43،44

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (43)
أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (44)

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے، پھر کیا تم اس کا ذمہ دار ہو سکتے ہو۔ یا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

اس آیت میں ایسے لوگوں کو واضح طور پر جانوروں سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ ایک جانور کی زندگی کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ کوئی ضابطہ کوئی قاعدہ نہیں ہوتا۔ ہر وہ کام کرنا جس کی خواہش نفس میں ہو۔ بغیر اس خوف کے کہ کوئی حساب ہوگا۔ دراصل جانوروں کا ہی وطیرہ ہے۔

آپ کسی جانور سے صلہ رحمی کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ ایک دوسرے کی عزت کرنا، احترام کرنا، ایک دوسرے کی مدد کرنا، اپنے کمائے ہوئے مال سے خریدی گئی روٹی میں اپنے بھائی کو شریک کرنا، صدقہ، خیرات، زکات، انصاف، یہ سب جانوروں کی فطرت میں نہیں ہوتا۔

انسان کی سوچ اور خواہش آخرکار اسے اسی نتیجے تک پہنچا دیتی ہے جس کی طرف اس کی تگ و دو ہوتی ہے۔ جانوروں کی طرح زندگی گزارنے کے خواہاں آخرکار اس بات پر یقین کر لیتے ہیں کہ ہم درحقیقت جانور ہی تھے، جانور ہی ہیں اور جانور ہی رہیں گے۔

مذکورہ آیت میں محض جانور نہیں کہا گیا۔ بلکہ بعض معاملات میں یہ جانوروں سے زیادہ گئے گزرے ہیں۔

مقدس آیات و شخصیات کی بے وجہ تضحیک و توہین جانوروں کا خاصہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ عمل ہے جو کہ انسان کو جانور سے بھی بدتر بنا دیتا ہے۔

سورہ التین۔ آیت 5،4

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (4)
ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (5)

"بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔"
"پھر اسے الٹا پھیر کر سب نیچوں سے نیچ کر دیا۔"

○

الحاد اور اسلام

الحاد کا فتنہ اس وقت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ عیسائیت، یہودیت اور ہندوازم اس فتنے سے بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔

ان بڑی کامیابیوں نے ملحدین کو اس زعم میں مبتلا کر دیا کہ اسلام بھی ایک تر نوالہ ثابت ہوگا۔ لہٰذا الحاد اپنی تمام تر قوت سے اسلام سے ٹکر لینے کی کوشش کرنے لگا۔ فیس بک، ٹوئٹر اور ویب سائٹس بلاگز سے مسلمانوں خصوصاً پاکستان کے خلاف اس فتنے کا آغاز کیا گیا اور اسی سوشل میڈیا پر اللہ کے فضل و کرم سے الحاد کی قبر بن گئی۔

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس انٹرنیٹ کے دور میں ہمارے کالجز اور یونیورسٹیز میں پڑھنے والے بچوں کے دلوں میں سائنس کو بنیاد بنا کر غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں کہ قرآن یا اسلام آج کی سائنس سے موافقت نہیں رکھتا۔ حالانکہ یہ بات جھوٹ پر مبنی ہے۔ سوشل میڈیا پر جہاں جہالت سر چڑھ کر بولتی ہے وہاں پڑھے لکھے مسلمانوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ ملحدین کی طرف سے اسلام اور اس کے عقائد کے خلاف جتنے بھی اعتراضات اٹھائے گئے ان کے جوابات انہیں انہی کی زبان میں دیے گئے۔

اس دنیا میں کوئی ایسا علم ایسا کوئی وجود ہی نہیں رکھتا جس کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض اٹھایا جا سکے۔ قرآن کی زبان پر اعتراض ہو یا وحی کے اعتبار پر۔ اعتراض فلسفیانہ ہو یا سائنسی۔ ہر قسم کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے گئے۔

ان شاء اللہ ہم اس کتاب میں وہ تمام اعتراضات جو ملحدین نے اسلام پر اٹھائے اور ان کے جوابات جمع کریں گے۔

○

نے اخلاقی اقدار کو پہلے ہی تیست کر رکھا تھا۔ رہی سہی کسر الحاد کی ہرزہ سرائیوں نے پوری کر دی۔

یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، انڈیا اور چین جیسے ممالک میں فحاشی، عریانی، نفسانی خواہشات، شراب و شباب کی عادتوں میں جکڑا لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ مذہب ہی تو تھا۔ چاہے نام کا ہی سہی مگر شرم و حیا کے تقاضے قائم تھے۔ گناہ تھا تو ساتھ ندامت چپکی ہوئی تھی۔

الحاد نے وار گناہ پر نہیں کیا، سیدھا ندامت پر کیا۔

یعنی گناہ تو تم نے کرنا ہی کرنا ہے۔ بحیثیت انسان تم گناہ سے بچ تو نہیں سکتے۔ پھر ندامت سے کیا حاصل؟ ضمیر جھنجھوڑتا ہے تو شرم آتی ہے۔ شرم آتی ہے تو رونا آتا ہے۔ رونا آتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔ تکلیف ہوتی ہے تو خدا یاد آ جاتا ہے۔

انسان تائب ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ حل الحاد نے یہ بتایا کہ اپنے ضمیر کو قتل کر دو۔

گناہ کرو، مگر نادم ہونے کی ضرورت نہیں۔

کوئی خدا نہیں جو تمہیں تمہارے گناہ پہ پکڑے اور سزا دے۔

جب وہ تمہیں گناہ سے روک نہیں پاتا تو وہ تمہیں سزا بھی نہ دے پائے گا۔

شرم و حیا کے احساس کو ختم کر ڈالو۔ اپنے کپڑے اتار دو اور اس میں ذرا بھی شرم محسوس نہ کرو۔

مگر شرم و حیا تو انسان کا خاصا ہے۔ بے شرموں کی طرح ننگے گھومنا تو جانوروں کی صفت ہے؟

تو ہم جانور ہی تو ہیں۔

ہمارا ارتقاء جانوروں سے ہی تو ہوا۔

یہ سب طریقے گمراہی کے رستے پر چلانے کا۔

شرم کیا ہوتی ہے؟

شرم کیوں آتی ہے؟

یہ ایک مسئلہ ہے۔

آپ ایک بہترین اعلیٰ کلاس کی پارٹی میں چلے جائیں۔ جہاں سب نے بہترین لباس زیب تن کیا ہو۔ مگر آپ کا لباس تھوڑا حقیر ہو۔

تو آپ کو شرم آ جائے گی۔

آپ کسی اعلیٰ کلاس کی تقریب میں جائیں۔ جہاں ہر شخص کار سے اترے۔ مگر آپ رکشے سے۔ تو آپ کو شرم آ جائے گی۔

شرم کا تعلق ہوتا آپ کی ماحول سے ہوتا ہے۔

آپ چار سگریٹ نوشوں کے درمیان بیٹھ جائیے۔ اب سگریٹ سلگائیے۔

آپ کو ذرا شرم نہیں آئے گی۔

مگر آپ کسی تبلیغی اجتماع میں چلے جائیے۔ جہاں ہر طرف ذکر الٰہی میں مصروف لوگوں کا ہجوم ہو۔ خواہ وہ تمام سگریٹ کو حرام یا گناہ نہ سمجھتے ہوں۔ محض ایک برائی ہی سمجھتے ہوں۔ آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے ہوں۔ مگر وہاں آپ کو سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکالتے ہوئے بھی شرم آ جائے گی۔ یا تو آپ اپنی عادت پر کنٹرول کریں گے۔ یا پھر ان سے دور کوئی ایسی جگہ ڈھونڈیں گے جہاں کوئی آپ کو سگریٹ پیتا نہ دیکھے۔

شراب کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ہمارے ہاں بعض لوگ بڑے فخر سے گناہ کی تشہیر یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ ہم میں منافقت نہیں۔ جو کرتے ہیں سب کے سامنے کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں منافقت اور شیطانیت کی تشہیر کا فرق تک نہ پتہ ہو۔ کھلے عام شیطان کی تشہیری مہم چلاتے ہیں اور اپنے منافق نہ ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

گناہ کرنا اور گناہ کی تشہیر کرنا دو مختلف معاملات ہیں۔

لباس شرکت کی شرط عائد ہوتی ہے۔ اس کا آغاز طویل عرصہ قبل مشترکہ حماموں سے ہوا تھا۔ ایک جنس کے تمام افراد ایک حمام میں ننگے ہو جاتے تھے۔

جب سارے ہی ننگے ہوں تو شرم کو بھی وہاں جاتے ہوئے شرم آ جاتی ہے۔
اس آغاز کے بعد اس قسم کی مخلوط محافل کا بھی انعقاد کیا گیا۔

سمندر کنارے جانے والوں نے نہانے اور سن باتھ کے بہانے اپنے کافی سے زیادہ کپڑے اتارنے شروع کیے۔ پھر رفتہ رفتہ اس زمین نے وہ مناظر بھی دیکھے جب سمندر کنارے ایسی مخلوط محافل کا انعقاد کیا گیا جہاں شرکت کے لیے مکمل بے لباسی شرط قرار پائی۔ ایک کی بیوی ہزاروں کے سامنے مادر زاد برہنہ اور ہزاروں کی بیویاں ایک دوسرے کے سامنے مادرزاد برہنہ۔ بے غیرتی نے غیرت کو چاروں شانے چت کر دیا۔ آج بھی اگر آپ الحاد کی تبلیغ کا طریقہ کار دیکھیں تو وہاں سب سے پہلے آپ کی شرم، حیا اور غیرت پر حملہ کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث کے مطابق ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں۔ حیا ان میں سے ایک ہے۔

بے حیائی کفر کا سب سے بڑا ہتھیار بنی۔ ندامت ختم ہوگی تو گناہ کا احساس بھی ختم۔

رد الحاد کا کام کرنے والوں کے لیے سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ کے پاس اپنے دین کا علم کتنا ہے؟ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت کا معیار کیا ہے؟ آپ کا اپنا کردار کتنا مضبوط ہے؟ شرم، حیا اور غیرت کے معاملات میں آپ خود کس مقام پر کھڑے ہیں؟ یاد رکھیں۔ آپ دین اسلام کا دفاع کرنے میدان میں نہیں آئے۔ دین اسلام کو دفاع کے لئے آپ کی ضرورت نہیں۔

آپ دفاع کر رہے ہیں اپنا اور اپنے معاشرے کا۔

ورنہ بقول اقبال:

مومن اس دنیا میں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے ادھر نکلے

دین اسلام کا یہ سورج اگر آپ کے خطے میں ڈوب بھی گیا تو اللہ کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ یہی سورج کسی اور خطے سے اپنی پوری آب و تاب اور چمک دمک کے ساتھ نکلے گا۔

مگر آپ اس خطے کے باسی نہیں ہوں گے۔

○

کائنات کی پیدائش۔ معجزہ یا حادثہ؟

قرآن۔ سورہ الملک۔ آیت 3 اور 4

الذی خلق سبع سموت طباقا ما تری فی خلق الرحمن من تفوت فارجع البصر هل تری من فطور ﴿۳﴾ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وهو حسیر ﴿۴﴾

"اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (اے دیکھنے والے) کیا تو (خدا) رحمٰن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ ۳ پھر دو بارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی ۴"

قارئین! ہم آج اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں۔ ترقی کے میدان میں ہم جتنی سیڑھیاں اوپر چڑھتے ہیں اتنے ہی خدا کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم خدا کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہماری ترقی ہمارے اس انکار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

فلکیات کے میدان میں جتنے بڑے بڑے نام ہیں ان کی کائنات کا تذکرہ خدا کے تذکرے کے بغیر ادھورا ہے۔ چاہے وہ مذہبی سائنسدان ہوں یا آئن اسٹائن اور اسٹیفن ہاکنگ جیسے ناستک۔

سوال یہ ہے کہ کیا سائنس نے خدا کو تسلیم کر لیا ہے؟

مگر نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا سائنس بغیر خدا کے کائنات کی وضاحت کر سکتی ہے؟

اس صدی میں ایجاد ہونے والی جدید دوربینوں نے انسان پر ایسے رازوں کو افشا کیے ہیں جنہیں وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ اب بہت سے سائنسدانوں نے یہ اعتراف کرنا شروع کر دیا ہے کہ یہ کائنات اور اس میں موجود زندگی کسی "اعلیٰ ذہانت" کا مظہر بھی ہے۔ بہت سے سائنسدان جو کبھی کسی خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے اب خدا کو نظر انداز بھی نہیں کر پاتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ سائنسدان اچانک خدا سے متعلق گفتگو کرنے لگے ہیں اور اس کائنات اور زندگی کی پیدائش کو خدا کے بغیر ادھورا سمجھتے ہیں؟

تین انقلابی دریافتیں ہیں جنہوں نے سائنسدانوں کو خدا سے متعلق سوچنے پر مجبور کیا۔

۱۔ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی ابتدا ہے۔
۲۔ کائنات زندگی کی نمو کے لیے بہت موزوں ہے۔
۳۔ ڈی این اے کوڈنگ بغیر کسی ذہین دماغ کے تشکیل ہو ہی نہیں سکتی۔

ان تین دریافتوں کے بارے میں اعلیٰ پائے کے سائنسدانوں کے خیالات آپ کو چونکا دیں گے۔

بیسویں صدی سے پہلے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور اس کا کوئی آغاز نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مادہ، خلا اور توانائی جن سے کائنات بنی وہ ہمیشہ سے موجود تھے۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز میں ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے بتایا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ اس نے حساب لگایا کہ جو کچھ بھی کائنات میں ہے جس میں مادہ، خلا، توانائی بلکہ خود وقت بھی شامل ہے اپنا ایک آغاز رکھتا ہے۔ بہت سے سائنسدان جن میں آئن اسٹائن بھی شامل تھے نے اس نظریے کا انکار کیا مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی نے اس کائنات کا آغاز ضرور کیا ہے۔ بغیر کسی خالق کے اس کائنات کے

آغاز کی توضیح آئن اسٹائن بھی کرنے سے قاصر ہے۔

1992 میں COBE سیٹلائٹ کے تجربے نے بالآخر اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہ کائنات ہمیشہ سے نہیں بلکہ ایک عظیم دھماکے سے اس کا آغاز ہوا۔ جسے بگ بینگ کا نام دیا گیا۔ سائنس آج ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہے کہ کائنات کے اس آغاز کی وجہ کیا تھی اور کون اس کو آغاز بخشنے کا سبب بنا۔ مگر کچھ کو یقین ہے کہ یہ کسی خالق کی طرف ایک بالکل واضح اشارہ ہے۔

برطانوی تھیوریسٹ ایڈورڈ ملنی ریلیٹیویٹی سے متعلق اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"کائنات کے آغاز کی اصلی وجہ کیا تھی۔ یہ بات ابھی پڑھنے والوں کے لیے باقی ہے۔ مگر ہماری تصویر "اس ہستی" کے بغیر ادھوری ہے۔"

ایک اور برطانوی سائنسدان ایڈمنڈ وائیکر نے کائنات کے آغاز کو خدا سے منسلک کرتے ہوئے کہا کہ:

"خدا کی ایما پر کائنات عدم سے وجود میں آئی۔"

بیشتر سائنسدان اب یقین کرنے لگے ہیں کہ الہامی کتابوں میں جو کائنات کے عدم سے وجود میں لانے کی بات کی گئی ہے وہی ٹھیک ہے۔

کاسمولوجی کے ماہرین اب اس بات پر یقین کرنے لگے ہیں کہ یہ عظیم دھماکہ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی زندگی وجود میں آ ہی نہیں سکتی تھی اگر اس کا کوئی ڈیزائنر نہ ہوتا۔ انہوں نے اب اس ڈیزائنر کے لئے "عظیم دماغ" "خالق" اور "زبردست ہستی" جیسے الفاظ کا استعمال شروع کر دیا ہے۔

سائنسدانوں کے اس تغیر کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات کے آغاز میں جتنی حیران کن باتیں ہیں اس سے زیادہ حیران کن اس کا زندگی کے آغاز کے لئے موزوں ترین ہونا ہے۔

فزکس کے ماہرین ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں زندگی کا ہونا گریویٹی اور دوسرے تمام قوانین جو کہ گو ہیں ان کا پیچیدگی کے انتہائی اعلیٰ معیار تک درست ہونا ضروری تھا ورنہ یہ کائنات بن ہی نہیں سکتی تھی۔

مثال کے طور پر کیا آپ جانتے ہیں کہ کائنات کا کھلنا پھیلاؤ معمولی سا کم ہوتا تو کیا ہوتا؟

گریویٹی سارے مادے کو دوبارہ کھینچ کر اسی مقام تک پہنچا دیتی جہاں سے اس کا آغاز ہوا۔

ہم یہاں کائنات کے پھیلاؤ کو ایک یا دو فیصد کم کرنے کی بات نہیں کر رہے۔

سنیے اگناسٹک سائنسدان اسٹیفن ہاکنگ کیا کہتے ہیں اس بابت:

"اگر کائنات کے کھلنے پھیلاؤ میں بگ بینگ کے صرف ایک لمحے بعد سو ہزار ملین ملین کا صرف ایک حصہ کمی واقع ہو جاتی تو کائنات اس حجم کو پہنچنے سے کافی پہلے تباہ ہو جاتی جس پر آج قائم ہے۔"

دوسری طرف کائنات کا کھلنا پھیلاؤ اگر ذرا سا بھی بڑھ جاتا تو ستارے چاند سیارے یا کہکشاں کبھی وجود میں نہ آتیں اور ہم یہاں نہ ہوتے۔

پھر مزید یہ کہ زندگی کو وجود میں آنے کے لئے ہمارے سولر سسٹم کی کنڈیشنز کا خصوصاً ہمارے سیارے کے حالات کا سازگار، یا موزوں ترین ہونا انتہائی ضروری تھا۔

مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ اگر اس سیارے پر آکسیجن نہ ہوتی تو ہم سانس لینے کے قابل نہ ہوتے۔ آکسیجن نہ ہوتی تو پانی بھی نہ ہوتا۔ پانی نہ ہوتا تو نہ بارش نہ خوراک۔ کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسرے مرکبات جیسے ہائیڈروجن۔ نائٹروجن۔ سوڈیم۔ کاربن۔ کیلشیم اور فاسفورس بھی زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔

مگر بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔

زندگی کے لئے ہمارے سیارے کا حجم۔ درجہ حرارت۔ دوسرے سیاروں سے

تعلق اور فاصلہ۔ کیمیائی مرکبات۔ سورج اور چاند کا بالکل اسی ترتیب سے ہونا ضروری تھا جس ترتیب سے یہ قائم کیئے گئے۔

ایسے نہ جانے کتنے معاملات ہیں جن کا انتہائی موزوں ترین ہونا ضروری تھا ورنہ یہ سب کچھ سوچنے کے لئے ہمارا وجود ہی نہ ہوتا۔

جو سائنسدان خدا کو مانتے ہیں وہ اس انتہائی پیچیدہ مگر ایکوریٹ کیلکولیشن کو مان سکتے ہیں مگر ملحد اور اگناسٹک سائنسدان بھی اسے اتفاق قرار دینے سے قاصر ہیں۔

اگناسٹک سائنسدان اسٹیفن ہاکنگ لکھتے ہیں:

''قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ ان اعداد و شمار کا یقین کی حد تک ایکوریٹ ہونا زندگی کے وجود کے لیئے انتہائی ضروری تھا۔''

سوال یہ ہے کہ اعداد و شمار کی اس انتہائی پیچیدہ ایکوریسی کو اتفاق قرار دیا جا سکتا ہے؟

نظریہ امکانات کے مطابق ہماری زندگی کے محض حادثاتی طور پر یا اتفاقیہ وجود میں آ جانے کا امکان کتنا تھا؟

سائنسدانوں کے مطابق یہ ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین باریوں میں صرف ایک بار تھا۔

- اس سے کہیں زیادہ ممکن ہے کہ ایک ریت کے ذرے کو مارک کر کے کسی ساحل کی ریت میں ملا دیا جائے اور ایک اندھے کو دنیا کے تمام ساحلوں کی تمام ریت میں سے اس ایک مخصوص ذرے کو ڈھونڈنے کا ٹاسک دیا جائے اور وہ صرف ایک کوشش میں کامیاب ہو جائے۔

یا پھر کوئی شخص لاکھوں ملین ڈالر کی لاٹری محض ایک ٹکٹ خرید کر ہر مرتبہ جیت لے اور ایسا مسلسل ہزاروں بار ہو۔

یہ ممکن نہیں جب تک کہ اس کے پیچھے کسی کا پلان نہ ہو۔

یہی وہ بات ہے جسے اب سائنسدان سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا کائنات محض ایک حادثہ یا اتفاق نہیں بلکہ "کسی نے" اسے تخلیق کیا ہے۔

یہ جاننے کے بعد کہ کائنات میں ہماری پیدائش کتنی معجزانہ ہے ایک اگناسٹک ماہر فلکیات جارج گرین اسٹین یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"کیا یہ ممکن ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بغیر نیت کیئے ہم کائنات کی تخلیق کی بابت کسی تخلیق کار کے سائنسی شواہد کی طرف دھکیل دیئے جائیں؟"

اس بیان کا کیا مطلب ہے؟

یعنی جس خالق نے اس انتہائی پیچیدہ میکنزم سے یہ کائنات تخلیق کی ہے اس نے انسان کے پاس ایسی کوئی جائے فرار بھی نہیں چھوڑی کہ وہ اس کائنات کے خالق کا اقرار کیئے بغیر کائنات کی توضیح کر سکے۔

بالفاظ دیگر سائنس اب انتہائی ترقی کے بعد معجزوں سے ٹکرانے کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔

بدقسمتی سے جارج گرین یہ سب کچھ سمجھتے اور جانتے بوجھتے خدا پر یقین کرنے کے بجائے اس کائنات کی بغیر خدا کے سائنسی وضاحت کی کوشش کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

رابرٹ جیسٹرو واضح کرتے ہیں:

"سائنس بھی ایک قسم کے مذہب کی طرح ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کا مذہب ہے جو کائنات میں قوانین و ہم آہنگی کی جبلّی پہ یقین رکھتا ہے۔ سائنسدان کے اس مذہبی نظریے کی خلاف ورزی اس وقت سے ہو جاتی ہے جب اسے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے آغاز میں وہ تمام طبیعاتی قوانین جن پر اس کا یقین ہے پس پشت ڈال دیئے گئے اور ہم ان کی وجوہات سمجھنے سے قاصر تھے۔ یہ جان کر وہ شدید صدمے کا شکار ہو جاتا ہے۔"

اس بات کو سمجھنا مشکل نہیں کہ گرین اسٹین اور ہاکنگ جیسے سائنسدان باوجود اس

تمام باتوں کے کیوں کائنات کی اتفاقیہ پیدائش کو مانتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اسے خدا کی تخلیق تسلیم کریں۔

ہاکنگ سمجھتے ہیں کہ ہماری کائنات جیسی دوسری کائناتیں بھی موجود ہو سکتی ہیں جہاں ہماری طرح کی زندگی کے بھی امکانات موجود ہوں۔

البتہ ان کا یہ بیان غیر مستند اور ناقابلِ تصدیق ہے لہٰذا اسے کسی صورت سائنسی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایک اور برطانوی ماہر فلکیات پال ڈیوس، ہاکنگ کے اس خیال کو محض ان کی قیاس آرائی قرار دیتے ہوئے مسترد کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ:

''یہ محض ان کا ایک عقیدہ ہے جس کے پیچھے کوئی مشاہدہ نہیں۔''

گو ہاکنگ زندگی کی توجیہ خالصتاً سائنسی بنیادوں پر ثابت کرنے کا کام مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں مگر دوسرے سائنسدان جن میں اگنا سٹکس بھی شامل ہیں کائنات کی پیدائش میں کسی خالق کے ہونے کے زبردست شواہد پر یقین رکھتے ہیں۔

ماہر فلکیات فریڈرک ہائل لکھتے ہیں:

''شواہد کی بنیاد پر انسانی عقل اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ طبیعات، کیمسٹری اور بائیلوجی کے نام پر کسی کا ایک نادیدہ اور زبردست قوت کا انکار درحقیقت حماقت پر مبنی ہے۔''

ایک ملحد کرسٹوفر ہچنز جن کی زندگی کا بیشتر حصہ خدا کے وجود کے خلاف لکھنے اور مباحثوں میں گزرا۔ اس بات سے متفق تھے کہ زندگی وجود میں نہیں آسکتی تھی اگر معاملات اس سے صرف بال برابر مختلف ہوتے جیسے کہ ہیں۔

ڈاؤکنس تسلیم کرتے ہیں کہ:

''میرے لئے اس بات کے ثبوت بہت قوی ہیں کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی

کارفرما ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی نے تمام اعداد و شمار کا حساب لگا کر ہی ایک زبردست کائنات تشکیل دی ہے کہ اسے سمجھا جائے۔"

مگر فلکیات واحد میدان نہیں ہے جہاں سے سائنس کو خدا کی موجودگی کے شواہد ملے۔

بات کرتے ہیں ایک انتہائی پیچیدہ کوڈنگ کی۔

ڈی این اے۔

1953 کے اوائل میں حیاتیاتی سائنسدانوں نے ہر زندہ جسم میں موجود ایک انتہائی پیچیدہ خلیئے ڈی این اے کی موجودگی کی تصدیق کی۔

یہ چھوٹا سا مالکیول جو نہ صرف ہمارے جسم کے بلکہ ہر حیات کے ہر سیل میں پایا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ سائنسدان اس ڈی این اے کو سمجھتے جاتے ہیں اتنا ہی زیادہ یہ ان کو اس ذہانت پر حیران کرتا جاتا ہے جو اس کے پیچھے استعمال ہوئی ہے۔

سائنسدان جو اس مادی دنیا کی بغیر خدا کے تشریح پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ ڈی این اے بغیر خدا کے قدرتی انتخاب کے تحت ہمارے ساتھ ارتقاء پزیر ہوتا گیا۔ مگر پھر بھی کافی ارتقاء کے حامی سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ ڈی این اے کی انتہائی پیچیدہ ترین کوڈنگ ناقابل وضاحت ہے۔

ڈی این اے کی اس پیچیدہ ترین کوڈنگ نے ڈی این اے دریافت کرنے والے سائنسدانوں میں سے ایک فرانسس کرک کو یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ یہ کوڈنگ کسی بھی طور پر خود بخود اس زمین پر وجود میں نہیں آسکتی۔ ان کا خیال ہے کہ حیات کا یہ پہلو اتنا پیچیدہ ہے کہ اس بارے میں گمان گزرتا ہے کہ یہ کسی اور سیارے سے شروع ہوئی۔

وہ لکھتے ہیں:

"ایک ایماندار انسان دنیا کا تمام دستیاب علم اپنے پاس جمع کر لے تب بھی اس ڈی این اے کی وضاحت اسی طرح کر سکتا ہے کہ یہ ایک معجزہ ہے۔ اس معاملے میں بہت

زیادہ معاملات ایسے ہیں جن کی تشکیل کے بغیر بڑھنا محال ہے۔"

ڈی این اے میں موجود کوڈنگ ایک ایسی ذہانت کا ثبوت دیتی ہے جس پر یقین کرنا ناممکن ہے۔

ڈی این اے کی کوڈنگ کا صرف سوئی کی نوک برابر سرا اتنی معلومات کے برابر ہے کہ جتنی اگر کتابوں میں رقم کر دی جائیں، تو ان کتابوں سے اس زمین جیسی پانچ ہزار زمینوں کو ڈھکا جا سکتا ہے۔

جس طرح ایک کمپیوٹر پروگرام کی کوڈنگ ہوتی ہے ویسے ہی ڈی این اے کوڈنگ کی اپنی ایک پیچیدہ زبان ہے۔

مائکروسافٹ کے بانی بل گیٹس کہتے ہیں کہ ڈی این اے کی کوڈنگ کسی بھی کمپیوٹر لینگویج سے بہت بہت بہت زیادہ پیچیدہ ہے جو ہم نے آج تک بنائی ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز اور دوسرے ارتقاء کے حامی اسے اس کی تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود قدرتی انتخاب کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔

مگر کرک جو نوبل پرائز ونر بھی ہیں کہتے ہیں:

"قدرتی انتخاب سے پہلا مالیکول بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیادہ تر سائنسدان یقین رکھتے ہیں کہ ڈی این اے کے پیچھے جو ذہانت بھری بیش بہا معلومات ہیں وہ اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہیں کہ انہیں قدرتی ماحول سے اخذ کیا جا سکتا۔"

اکیسویں صدی کے اوائل میں ایک ملحد سائنسدان انٹونی فلیو ڈی این اے کے پیچھے چھپی انتہا درجے کی ذہانت کا مطالعہ کرنے کے بعد الحاد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

فلیو اپنے الحادی نظریات کو بدلنے کی وجہ بتاتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ ڈی این اے کی بناوٹ ہمیں اپنے اطراف میں موجود تمام مرکبات میں استعمال کی گئی کمال ذہانت کا یقین دلاتی ہے۔ ایک انتہائی پیچیدہ کوڈنگ اور پھر اس کوڈنگ کے نتیجے میں وقوع پزیر ہونے والے کامل نتائج میرے لئے انتہائی ذہانت

کے استعمال کا ثبوت ہے۔ مجھے اب لگتا ہے جیسے ڈی این اے کی دریافت کے پچاس سال اور اس پر ہونے والے کام نے ایک ڈیزائن کی بحث کو انتہائی طاقتور مواد فراہم کر دیا ہے۔"

فلیو نے یہ بات تسلیم کی کہ ڈی این اے کی کوڈنگ اس حد تک پیچیدہ ہے کہ بغیر ڈیزائنر کے اس کے خود بخود بن جانے کو ماننا ناممکن ہے۔

یہ تمام شواہد ثابت کرتے ہیں کہ کائنات اور زندگی پر کسی تخلیق کار کے نشان موجود ہیں۔

آکناسنک سائنسدان رابرٹ جوسٹر وا یسے سائنسدانوں کی نا امیدی اور صدمے کا قصہ بیان کرتے ہیں جنہیں یہ لگتا تھا کہ انہوں نے خدا کو اپنی دنیا سے نکال باہر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

''ان سائنسدانوں کے لئے جو اس عقیدے پر قائم ہیں کہ ہر چیز کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہانی ایک برے خواب پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ وہ جہالت کے پہاڑ کو پھلانگتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے۔ بس وہ علم کے میدان میں سب سے زیادہ اونچائی سر کرنے کو ہے۔ جیسے ہی وہ آخری چٹان پر پیر رکھ کر اوپر چڑھتا ہے اسے عالموں کی ایک جماعت کی طرف سے خوش آمدید کہا جاتا ہے جو وہاں صدیوں سے بیٹھی ہے۔"

بہت سے سائنسدان جن میں فزکس کے میدان میں نوبل پرائز جیتنے والے آرتھر شالو بھی ہیں مانتے ہیں کہ ان نئی دریافتوں نے خدا کی موجودگی کے زبردست شواہد پیش کیے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''مجھے لگتا ہے کہ جب زندگی اور کائنات سے متعلق ان عجائبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو سوال یہ نہیں ہوتا کہ یہ کیسے ہوا۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ یہ کیوں ہوا۔ ان سوالوں کے ممکن جوابات صرف مذاہب دیتے ہیں۔ میں نے کائنات میں اور خود اپنی زندگی میں خدا کی

ضرورت کو محسوس کیا ہے۔"

آخر میں مایہ ناز سائنسدان آئن اسٹائن کا مشہور بیان ہے کہ:

"سائنس بغیر مذہب کے لنگڑی ہے اور مذہب بغیر سائنس کے اندھا ہے۔"

یہ بات واقعی بہت زبردست ہے کہ سائنس کے میدان میں ترقی انسان کے خدا پر یقین کو پختہ کرتی ہے۔

اور سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آج کا سائنسدان ان دریافتوں کے بعد پہنچ چکا ہے۔ اب اس سے آگے جانے کے لئے خدا کو ماننا ضروری ہے۔ سائنس یقینی طور پر اب معجزات کو ماننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔

انسان جب کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے تو فخر و غرور سے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے جیسے کہ وہ اپنے خالق پر سبقت لے گیا۔ کمپیوٹر کی ایجاد بلاشبہ انسان کی آج تک کی سب سے انقلابی ایجاد ہے۔ جس کے بعد دنیا میں معلومات کا سیلاب آ گیا۔ مگر ڈی این اے میں موجود معلومات کے سیلاب کی صرف ہلکی سی جھلک انسان کے تمام کمپیوٹرز کو شرمندہ کرتی نظر آتی ہے۔ آسمان کی طرف سر اٹھائے انسان کو یہ اشارہ ہے کہ تیرے سر کی جگہ آسمان پر نہیں بلکہ خدا کے قدموں میں ہے۔

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾

"تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا (۲۹) اور میری بہشت میں داخل ہو جا (۳۰)"

○

انٹیلی جنٹ ڈیزائن اور ڈیزائنر

اللہ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے مسلمان ہمیشہ سے اللہ کی تخلیقات کو بطور ثبوت پیش کرتے رہے ہیں اور یہ وطیرہ مسلمانوں کا خودساختہ نہیں بلکہ خود رب کائنات بھی انسان کی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن۔سورہ البقرہ آیت 118

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ○

''اور جو لاعلم تھے وہ بولے اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ یا ہمیں کوئی نشانی ملے۔ ان سے پہلے کے لوگ بھی انہی کی مثل ایسا ہی کہتے تھے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بے شک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لیے۔''

قرآن۔سورہ الملک۔آیت 3۔4

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (3) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (4)

''جس نے سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا۔ تو رحمان کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے؟ تو نگاہ اٹھا کر دیکھ۔ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھ۔

تیری نظر نا کام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۔"

قرآن۔ سورہ الواقعہ۔ آیت 58 تا 67

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ (58) أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ (59) نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (60) عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ (61) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ (62) أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ (63) أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (64) لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ (65) إِنَّا لَمُغْرَمُونَ (66) بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (67)

"کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو۔ کیا تم اسے (آدمی بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی تمہارے درمیان موت (کا نظام) مقرر کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔ کہ ہم تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں (یا ایسے عالم میں) پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تم (اپنی) پہلی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو پھر نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تم جو کچھ (بیج) بوتے ہو۔ کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو (خشک کر کے) چورا چورا کر دیں تو تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ کہ ہم پر تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہم بالکل محروم ہو گئے۔"

ملحدوں کا اعتراض یہ ہے کہ جب ہر چیز ڈیزائن کی گئی اور ڈیزائنر خدا ہے تو اس خدا کا بھی تو ڈیزائنر کوئی نہ کوئی ہونا چاہیے؟

یعنی منطق یہ ہے کہ یا تو خدا کے بھی ڈیزائنر کا اعتراف کر لیا جائے یا پھر مان لیا جائے کہ ہر چیز خود بخود وجود میں آتی چلی جا رہی ہے۔ یعنی کائنات اتفاقی حادثے کے نتیجے میں خود بخود تخلیق ہو گئی۔ انسان خود ہی پیدا ہو گیا۔ ہر جاندار۔ اور ہر چیز جو ہم دیکھتے ہیں وہ از خود تخلیق ہو گئی۔

پہلے خدا کی اس تعریف کو سمجھ لیتے ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہے اور وہ تعریف یہ ہے۔

کوئی ایسی ہستی جس نے ہر شے کو تخلیق کیا۔ جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ یعنی نہ اس کا کوئی آغاز ہو نہ کوئی انجام۔ نہ وہ کسی سے جنا گیا ہو نہ ہی اس نے کسی سے جنم لیا ہو اور اس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔

یہ ہے مسلمانوں کے نزدیک خدا کی مختصر سی تعریف۔

اب آجاتے ہیں ملحدوں کے اعتراض پہ۔

کائنات ایک انتہائی پیچیدہ یا انٹیلی جنٹ ڈیزائن ہے اور اس کے لئے ایک ڈیزائنر کا ہونا ناگزیر ہے۔ یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ملحدوں کا اعتراض یہ ہے کہ اس انٹیلی جنٹ ڈیزائن کا ڈیزائنر خود کتنا پیچیدہ ڈیزائن ہوگا اور اس کے لئے ڈیزائنر کا ہونا کیوں ضروری نہیں؟

اس کا بڑا سادہ سا جواب ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ کائنات کے بنانے والے کا بھی کوئی بنانے والا ہے۔ تو کیا کائنات کا بنانے والا خدا کی اس تعریف پر پورا اترے گا جو میں نے اوپر پیش کی؟

جی نہیں۔

مگر پھر خدا کی تعریف پر وہ پورا اترے گا جو کائنات کے بنانے والے کا بھی بنانے والا ہو۔ پھر اسے خدا سمجھا جائے گا۔

مگر رکیے۔

ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ کیوں کہ شیطانی دماغ پھر کیا یہ نہ پوچھے گا کہ کائنات کے بنانے والے کا بنانے والا تو موجود ہے تو کیا اس کا بنانے والا نہ ہوگا؟ وہ تو پھر اس سے بھی زیادہ عظیم ڈیزائن ہوا۔ پھر ہمیں ایک قدم اور پیچھے جانا پڑے گا۔

یہ ایک مسلسل اور لا حاصل سلسلہ رہے گا اس وقت تک جب تک انسان کسی مقام

پر اپنے آپ کو روک کر کسی ایک ڈیزائنر کو خدا تسلیم نہ کر لے۔ ورنہ تو جس بنانے والے کو بنانے والا موجود ہے تو پہلا بنانے والا تو خدائی منصب کی تعریف پر پورا اتر ہی نہیں سکتا۔ المختصر یہ کہ جس مقام پہ ہم اس بحث کو ختم کریں گے اس مقام کی آخری ذات کو بہر حال ہمیں خدا تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

اس مسئلے کے صرف دو ہی حل ہیں۔ پہلا یہ کہ کائنات کی تخلیق سے متعلق جو واحد خدائی دعویٰ موجود ہے اسے اسی کے دعووں پر پرکھ لیا جائے۔ جس تھیوری آف پروبیبلٹی کا فائدہ سائنس کو دیا جاتا ہے اسی تھیوری آف پروبیبلٹی پر خدا کو بھی پرکھ لیا جائے۔ میں نے تو آج تک سائنس کو ہی قرآن کی تصدیق کرتے پایا ہے۔ بلاشبہ اس تصدیق سے پہلے سائنس ہر دیوار پہ اپنا سر ضرور ٹکراتی ہے کہ حرام ہو جائے قرآن کو نہ ماننا پڑے مگر آخر آنا وہیں پڑتا ہے جس راستے کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔ اسی کو زیرِ نظر رکھ کر تخلیقات کا جائزہ لیا جائے۔

اور دوسرا یہ کہ ہر تخلیق کے خالق کا سرے سے انکار کر دیا جائے چاہے وہ انٹیلی جنٹ ڈیزائن ہو یا نان انٹیلی جنٹ۔

اگر ہم دوسرے حل پر چلتے ہیں تو ہمارے پاس ناقابلِ حل سوالات کی ایک لمبی قطار ہے۔

ہمیں ارتقاء کا نظریہ یہ بتاتا ہے کہ انسان جانور سے ارتقاء پذیر ہوا۔ جانور پودوں سے اور پودے ایک یک خلوی جرثومے سے۔ مگر سائنس کی گاڑی بھی یہاں آکر اٹک جاتی ہے کہ پہلی زندگی یعنی وہ یک خلوی جرثومہ کہاں سے آیا؟ پھر ارتقاء کی تھیوری بذاتِ خود ایک انتہائی متنازعہ تھیوری ہے۔ محض اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے جوابات گھڑ لئے گئے۔ مثلاً ارتقائی نظریے کے مطابق آبی جاندار خشکی کے جانداروں میں ارتقاء پذیر ہوئے مگر جب ان سے پوچھا جائے کہ آبی جاندار خشکی پہ سانس لینے کے قابل کیسے ہوئے تو جواب ملتا ہے کہ آبی جانداروں اور خشکی کے جانداروں کے آباء مشترک تھے

اور وہ گلپھڑوں اور پھیپھڑوں دونوں نعمتوں سے بہرہ مند تھے پھر جب خشکی کے جاندار خشکی پر آ گئے اور پانی کے پانی میں رہ گئے تو خشکی کے جانداروں کے گلپھڑے بجائے اصلاح کے تحت غائب ہو گئے اور اسی طرح پانی کے جانداروں کے پھیپھڑے بھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کے جو مشترک آباء تھے ان کے پھیپھڑے ارتقاء سے پہلے ہی بجائے اصلاح کی بھینٹ کیوں نہ چڑھ گئے۔ وہ اس وقت بھی تو غیر ضروری تھے؟ پھر مزید یہ کہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کی وضاحت نظریہ ارتقاء کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً پھولوں کی مختلف خوشبوئیں۔ پھلوں کے مختلف ذائقے۔ دنیا میں پھیلی خوبصورتیاں۔ تتلیوں میں بھرے دیدہ زیب رنگ۔ ان تمام چیزوں کی وضاحت ارتقائی نظریہ میں اس طرح کی جاتی ہے کہ جس چیز کو ہم خوبصورت سمجھیں وہ ہمیں خوبصورت لگتی ہے۔ یہ سوال سے جان چھڑانے والی بات ہے۔ انسان جب عورت سے ہم بستری کرتا ہے تو اس عمل سے حاصل ہونے والی آخری لذت کیا ہمارے دماغ کا فتور ہے؟ کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان بچے پیدا کرے ورنہ ضرورت تو محض ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں اس لذت کا کیا کام تھا؟ کیا خود بخود پیدا ہو جانے والے انسان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ بغیر لذت کے بچے پیدا کر لیا کرتا؟ یا بغیر ذائقے کے آم، انار اور کھجور کھا کر طاقت حاصل کر لیا کرتا؟

پھر ارتقائی نظریہ پر مجھے جو سب سے بڑا اختلاف ہے وہ یہ کہ بندر کو انسان میں ارتقاء پذیر ہونے کے لئے لاکھوں برس درکار ہیں مگر ایک قطرہ مادہ منویہ محض نو مہینے میں ارتقاء پذیر ہو کر جیتے جاگتے انسان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیا اس ارتقاء کی کوئی عقلی یا سائنسی توجیہ پیش کی جا سکتی ہے؟ زمین میں ایک چھوٹا سا بیج بوتے ہیں اور وہ درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں لکڑی بھی ہے چھال بھی پتے بھی اور شاخیں بھی۔ کیا اس ننھے سے بیج میں یہ سب موجود تھا؟

خدا کے انکار کا منکرین کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے۔ کوئی ایسا عمل جو اوپر بیان کی گئی خدائی تعریف کے خلاف ہو۔ اب وہ عمل کیا ہو؟ ظاہر عموماً خدا کے تخلیق کردہ

سوال اٹھاتے ہیں۔ مگر خدا کا آغاز ثابت کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جو آغاز بخشے گا وہ خود خدا کہلائے گا۔ یعنی خدا ختم نہیں ہوگا بدل جائے گا۔ دوسری صورت یہ کہ خدا کا فنا ثابت کیا جائے۔ مگر یہاں ملحد اعتراض کریں گے کہ ہم جس کا وجود ہی نہیں مانتے اس کا فنا کیسے ثابت کریں؟ تو سنیں۔ خدا تو خدا کے نام لیواؤں کے دلوں میں بستا ہے۔ دنیا کی جو دو تہائی آبادی خدا کی نام لیوا ہے اس کا مکمل خاتمہ۔ اب چاہے یہ خاتمہ طاقت سے کیا جائے یا الحاد کی تبلیغ سے۔ جیسے بھی ممکن ہو۔ بڑا حوصلہ درکار ہے تپتی ریت پہ ننگی پیٹھ لیٹ کر الحاد پہ قائم رہنے کے لئے۔ طائف میں پتھر کھانے کے لئے۔ جہاد کرنے کے لئے۔ جو ملحد خوف کے مارے فیس بک پہ اپنا اصلی نام نہ بتا سکیں ان کے بس کا روگ نہیں۔

خدا کے نام لیواؤں کو ختم کرنے کا اختیار انسان کے پاس نہیں۔ یہ کام خدا خود کرے گا جب دنیا ختم کرنی ہوگی۔ مگر اس دن تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔ قیامت آ جائے گی۔

○

دین، لادینیت اور ہم جنس پرستی

اس دنیا کی ۹۰ فیصد آبادی ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو کسی نہ کسی مذہب کو مانتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ ہمیشہ سے انسان کی ضرورت رہا ہے۔ انسان کے اندر موجود تجسس کا مادہ اسے ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ رکھنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مکمل علم کے حصول تک انسان محدود علم سے بھی لاتعلقی کا اعلان کر دے۔

مثال کے طور پر آج ہم یہ جانتے ہیں کہ دنیا بیضوی شکل کی ہے۔ مگر جب انسان یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بیضوی ہے اس وقت وہ اسے گول کہتا تھا اور اس سے بھی پہلے چپٹی۔

انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ کسی کے مضبوط دلائل سن کر اپنے کمتر نظریے یا عقیدے سے دستبردار ہو کر اس کے بہتر نظریے یا عقیدے کو اپنا لے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی بہتر عقیدے یا نظریے کے وہ اپنے پرانے نظریے یا عقیدے سے بھی دستبردار ہو جائے۔

مثال کے طور پر اگر میں یہ کہتا ہوں کہ زمین گول ہے۔ تو کوئی شخص اپنے بہتر دلائل سے مجھ پر یہ ثابت کر سکتا ہے کہ یہ زمین بیضوی شکل پر ہے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ بغیر نیا نظریہ دیے وہ مجھے میرے پرانے نظریے سے دستبردار کروا لے۔ یعنی نہ زمین گول ہے نہ بیضوی یا ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کہ زمین کیسی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ہم کسی نظریے پر پوری طرح مطمئن نہ ہوں اور مزید تحقیق کر رہے ہوں مگر پھر بھی دوران تحقیق ہمیں اپنے پچھلے نظریے کو قائم رکھنا پڑے گا۔ انسان کا یہ

رو یہ اس کی تحقیق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

میں نے شروع میں عرض کیا کہ اس دنیا کی زیادہ تر آبادی کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اس دنیا میں کچھ تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو کسی بھی مذہب کو نہیں مانتے۔ انہیں ہم طور پر دہریے کہتے ہیں۔

یہ لوگ دنیا کی پیدائش سے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں آ گئی ہے۔ یہ قدرتی نظام لاکھوں یا اتفاقی حادثہ۔ مگر اس دنیا کا پیدا ہونا، اس میں انسان کا پیدا ہونا، جانوروں کا وجود، کیڑے مکوڑے، پیڑ پودے سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ یعنی نہ کوئی خدا نہ کسی خدا کا وجود۔ یہ سارا نظام بغیر کسی خدا کے چلائے چل رہا ہے۔

چند فیصد لوگوں کے اس رویے کو دنیا کی باقی ماندہ آبادی نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ کیوں کہ خدا کے وجود سے متعلق سوال بہت کم ہیں۔ خدا کہاں سے آیا؟ کس نے پیدا کیا؟ ایسے چند سوال ہیں جو ذہن میں گردش کرتے ہیں۔ اگر خدا واقعی خدا ہے تو اسے اس بات پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی مخلوق کی فرمائش پر اس کے ہر سوال کا جواب دیتا پھرے۔ اور اگر اسے خدا نہ سمجھا جائے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا؟ مگر خدا کے انکار کی صورت میں جو سوال کھڑے ہو جاتے ہیں ان کی تعداد نا قابل بیان حد تک زیادہ ہے۔

مثال کے طور پر مجھ سے دو پینٹ کے ڈبے زمین پر گر جائیں اور ایک عجیب و غریب ڈیزائن بن جائے تو اسے اتفاقی حادثہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر کسی تتلی کے پروں پہ حرکین رنگ، مچھلی کے جسم پہ بنے انتہائی خوبصورت نقش و نگار، زیبرا، سانپ اور چیتے کے جسم پہ بنے نقوش کو میں اتفاقی حادثہ کیسے مان لوں؟

انسان پانی اور آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسان کا پیدا ہونا اتفاقی حادثہ اور اسی سیارے پہ پانی اور آکسیجن کی مکمل فراوانی بھی محض اتفاق؟ خوراک کی موجودگی بھی اتفاق؟ جانوروں کی موجودگی بھی اتفاق؟ جانوروں کا خوراک کے بڑھنے نے سائیکل سے

تعلق بھی اتفاق؟ سورج کی موجودگی اتفاق؟ چاند کی موجودگی اتفاق؟ سورج سے بادل بنی کا ابر سائیکل محض ایک اتفاق؟ خوراک کا منہ میں جانا؟ چبانے کے لیئے دانتوں کی موجودگی؟ نرم کرنے کے لیئے لعاب دہن؟ ہضم کرنے کے لیئے نظام انہضام؟ ہضم شدہ خوراک کا جسم سے خارج ہو جانا سب اتفاقی حادثات ہیں؟

پھر خوراک کے مختلف ذائقے۔ گندم کا ذائقہ اور ہے جو کا اور۔ سیب کا ذائقہ اور ہے آم کا اور۔ کیا یہ سب محض اتفاق ہے؟

آم کی ضرورت گرمیوں میں ہے تو وہ گرمیوں میں ہی آتا ہے۔ اونٹ صحرا کا جانور ہے اور حیرت انگیز طور پر صحرا میں پیش آنے والی ہر مصیبت سے بچنے کے لیے اس کے جسم میں قدرتی صلاحیتیں موجود ہیں۔ پانی اور خوراک ذخیرہ کرنے کا نظام۔ ریت پہ بھاگنا جہاں کسی دوسرے جانور کا چلنا محال ہو اور ریت کا طوفان برداشت کرنے کے لیے مخصوص کمال۔ کیا یہ سب اتفاق ہے؟

گرگٹ کا اپنے دشمن سے بچنے کے لیے رنگ بدلنا اور اس قسم کے تمام جانوروں کے دفاعی نظام کیا ان کے اندر حادثاتی طور پر آ گئے ہیں؟ پھولوں کے مختلف رنگ ان کی خوشبو کیا سب اتفاق ہے؟

انسان کے گردوں کا نظام، پھیپھڑوں کا نظام، بالیدگی کا نظام، بچے کی پیدائش کے بعد ماں کے سینے میں دودھ کا اتر آنا، یہ سب ایک اتفاق ہونے کے سبب ہے؟ مرد اور عورت کے باہمی تعلق میں انتہا درجے کی لذت جو آبادی بڑھانے کی ترغیب دلاتی ہے محض ایک اتفاق ہے؟

ہم نے چند مثالیں دی ہیں آپ کی سوچ کو آغاز بخشنے کی خاطر ورنہ سوالوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جن کا جواب انسان کو تلاش کرنا ہے خدا کا انکار کرنے کے بعد۔

ہاں اگر کوئی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو ضرور کرے مگر دوران تحقیق اس کا کیا عقیدہ ہو

گا؟ اس وقت انسانوں کی زیادہ تر تعداد کا عقیدہ یہی ہے کہ خدا موجود ہے اور یہ سارا نظام خدا ہی چلا رہا ہے۔ مگر جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس متبادل کیا ہے؟ یا ان تمام سوالوں کے جواب میں اپنے دماغ کو جھوٹی تسلیاں دیتے رہیں کہ جلد ہی انسان جواب تلاش کر لے گا؟

پھر ایک ستم یہ بھی ہے کہ جو لوگ خدا کا انکار کر بیٹھتے ہیں وہ ایسی برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا فطرت سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ کو شاذ و نادر ہی کوئی ملحد ایسا ملے گا جو ہم جنس پرست نہ ہو۔ یہ معاملہ بھی بحث طلب ہے کہ دین سے دوری اس اخلاقی گراوٹ کی وجہ بنتی ہے یا پھر اس اخلاقی بیماری میں مبتلا ہونے والے کو مجبوراً دین چھوڑنا پڑتا ہے کیوں کہ کوئی بھی دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔

کسی بھی دوسرے گنہگار کی طرح ہم جنس پرست بھی اپنے دفاع میں دلائل رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ عمل چوں کہ جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے لہٰذا اسے مین فطرت سمجھا جائے گا۔

اس بات سے قطع نظر کے جانور ہم جنس پرست ہوتے ہیں یا نہیں، یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ جو فطرت کسی بھی جانور میں موجود ہو اسے انسان بھی اپنا سکتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں ایک بکرا پایا جاتا ہے جو اپنا پیشاب پیتا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ خنزیر اپنی غلاظت کھاتا ہے یہ اس کی فطرت ہے۔ غلاظت کے گڑھے میں ایک بار انسان پھسلنا شروع ہو جائے تو حدود و قیود ختم ہو جاتی ہیں۔

ایک اور تاویل یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ ایک پیدائشی نقص ہے جیسے خدا نے خواجہ سراؤں کو ایک نقص کے ساتھ پیدا کیا ویسے ہی ہم جنس پرست اس نقص کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ملحد کم از کم اس حد تک تو خدا کو مانتے ہیں کہ انہیں بے شک خدا نے پیدا نہیں کیا مگر جو نقائص ان کے اندر موجود ہیں وہ خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ بہر حال یہ تاویل بھی قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ خواجہ سرا معذوری کے زمرے میں آتے ہیں مگر ہم جنس پرست

دو قوموں پہ عذاب کا قصہ

حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے بڑے برگزیدہ نبی تھے۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر جب لوگ دنیاداری میں مبتلا اور اللہ کے خوف سے بے نیاز ہو جاتے ہیں تو انہیں حق بات کی تلقین کرنے والے بھی برے لگنے لگتے ہیں۔ بدصورتی کو چھپانے کے دو ہی طریقے ہوا کرتے ہیں کہ یا تو آئینے سے دور رہا جائے یا چہرے پہ جھوٹ کا میک اپ سجا کر اپنے دل کو تسلی دے لی جائے۔ نبی قوموں کو آئینہ دکھانے کے سزاوار ہوا کرتے ہیں جب کہ شیطان کی ذمہ داری ہے برے اعمال پہ خوشنمائی کا میک اپ کرنا۔ کسی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا آسان نہیں ہوتا، سخت تنقید اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہی تکلیفوں کا سامنا حضرت یونس علیہ السلام کو بھی کرنا پڑا۔ وہ اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور قوم ڈھٹائی سے عذاب کو خود دعوت دیتی تھی۔ مذاق اڑاتی تھی کہ اے یونس! تم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے کیوں نہیں آتے؟ ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد آخرکار انہوں نے اپنی قوم کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا اور خود بستی چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بستی چھوڑ دینے کے بعد اس قوم کو سمجھانے والا کوئی نہ بچا تھا لہذا اللہ کی حجت ان پر تمام ہوئی اور ان پر عذاب نازل کرنے کی تیاری ہونے لگی۔ ابتدائی علامات کے طور پر اندھیرا چھا گیا اور آسمان سرخ ہو گیا۔ بستی کے لوگ حضرت یونس علیہ السلام کی غیر موجودگی کو محسوس کر چکے تھے اور ان کے جانے کے بعد آسمان کا سرخ ہو جانا ان کا ماتھا ٹھنکانے کے لئے کافی تھا۔

سب لوگ ممکنہ آفت کے پیش نظر ایک میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ خیال آرائیاں جاری تھیں، بھٹکانے والے آج بھی بھٹکانے میں مصروف تھے کہ یہ معمولی طوفان ہے ٹل جائے گا مگر ان میں دانا بھی تھے جو اللہ کے عذاب کو آتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ "یہ کوئی معمولی طوفان نہیں ہے بلکہ وہی اللہ کا عذاب ہے جس کی یونس خبر دیا کرتے تھے۔" مختلف صدائیں تھیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ ہمیں یونس کو ڈھونڈ لانا چاہیے۔ ہر گذرتے لمحے عذاب قریب آتا محسوس ہو رہا تھا ایسے میں کسی دانا نے صدا لگائی کہ اے لوگو! یہ اللہ کا عذاب ہے ہم نہیں بچیں گے، بہتر ہے کہ توبہ کر لو۔ اور پھر پوری کی پوری قوم اس میدان میں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گئی۔ توبہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل ہے۔ یہ وہ عمل ہے کہ جس نے آدم کی تخلیق کے وقت آدم اور ابلیس میں انسان اور شیطان کی تمیز قائم کی۔ خطا کار دونوں تھے مگر ایک کو احساس ندامت ہوا، دوسرے نے تکبر کیا۔ اتنی بڑی اجتماعی توبہ کے بعد کوئی وجہ نہ تھی کہ ان پر عذاب نازل کیا جاتا سو غفور الرحیم نے ان کی توبہ قبول کی اور عذاب کو ان پر سے ہٹا لیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی ایک طویل عرصے تک اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر قوم نے نہ ماننا تھا نہ مانی۔ ان پر بھی حجت تمام ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے معمور کیے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے۔ مگر ان چار فرشتوں کو ایک اضافی ذمہ داری یہ سونپی گئی کہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر جانا اور انہیں ایک بیٹے کی بشارت دینا۔ اللہ کی فرماں بردار مخلوق کے یہ چار نمائندے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پہنچے تو انسانی شکل میں تھے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں پہچان نہ سکے اور انہیں اندر بلا کے کھانا پیش کیا۔ مگر جب ان فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا تو سمجھ گئے کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور چونکہ تعداد میں چار تھے لہٰذا یہ سمجھنے میں بھی دیر نہ لگی کہ یہ رحمت کے نہیں بلکہ عذاب کے فرشتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف نے

علامات دیکھ کر فرشتوں نے وضاحت کی کہ آپ بے فکر رہیں ہم آپ کی قوم پر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کے لئے تو ہم اللہ کی طرف سے ایک بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے ہیں، ہمیں درحقیقت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، ان کی قوم کی طرف عذاب کی خبر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے پریشان کن تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ کو منانے اور عذاب کے لئے مزید مہلت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان کا موقف تھا کہ وہ خود بھی وہاں جائیں گے اور لوط علیہ السلام کے ساتھ مل کر کام کریں گے جس سے شاید بہتری کی امید پیدا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ دوٹوک تھا کہ اللہ کے ہاں فیصلہ کر کے پلٹایا نہیں جاتا۔ وہ چاروں فرشتے جب لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے تو خوبصورت نوجوان لڑکوں کے روپ میں تھے لہٰذا حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے باہر گمراہ لوگوں رش لگ گیا۔ ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اپنے ان خوبصورت مہمانوں کو ہمارے حوالے کردو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی منتیں کیں کہ تمہارے لئے میری بیٹیاں ہیں تم کیوں اس قبیح فعل میں پڑتے ہو مگر اس بگڑی ہوئی قوم کی دلچسپی ہم جنس پرستی میں تھی، فطرت سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ تب ان فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ کا حکم سنایا اور انہیں بیٹیوں سمیت بستی چھوڑ دینے کو کہا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی گمراہوں میں سے تھی لہٰذا اسے ساتھ لیجانے کی اجازت نہ ملی۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کے بستی سے نکل جانے کے بعد ان فرشتوں نے عذاب کا آغاز کیا اور آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ اس سزا کو اگر آسمانی رجم کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ راقم کے تجزیے کے مطابق موت کی سزاؤں میں سب سے زیادہ تکلیف دہ موت یہی ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کنکر اور پتھر جسم کے مختلف حصوں سے ٹکراتے ہیں اور ہر بار نئی اذیت سے دوچار کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان سزاؤں کے دوران موت واقع ہونے سے پہلے انسانی جسم کی پوری کھال اتر جاتی ہے۔ اس سزا میں موت کا سبب پتھر کا لگنا نہیں ہوتا بلکہ ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بات یقینی تھی کہ پتھروں کے اس

عذاب کے بعد اس قوم کا کوئی فرد زندہ نہ بچا مگر اللہ کی طرف سے ابھی اس قوم کو رہتی دنیا کے لئے عبرت کی مثال بنایا جانا باقی تھا لہٰذا ایک فرشتے نے اللہ کے حکم پر اس بستی کو اپنی ہتھیلی پر اٹھایا، انتہائی بلندی پر لے کر گیا اور پھر پلٹا کر زمین پر دے مارا۔ پاکستان میں ہم جنس پرستی کے حق میں دلائل دینے والوں کے لئے اس قصے میں عبرت کا کافی سامان موجود ہے اگر وہ سمجھیں۔

قارئین! قرآن میں جو پچھلی قوموں کے قصے بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد ہے ان سے سبق حاصل کرنا۔ آپ کے سامنے ایک ایسی قوم کا قصہ بھی موجود ہے جس کو ان کے نبی چھوڑ کر چلے گئے مگر چونکہ وہ خود سدھرنے پر آمادہ ہو گئی لہٰذا اللہ نے اس قوم کو مہلت دے دی۔ اور دوسری طرف ایک ایسی قوم جن کی سفارش اللہ کے خلیل کر رہے تھے اور مہلت مانگ رہے تھے مگر چونکہ وہ قوم خود سدھرنے پر آمادہ نہیں تھی لہٰذا کوئی سفارش ان کے کام نہ آئی۔ ان قصوں سے ہمیں اور بھی کئی سبق ملتے ہیں۔ اللہ کے نبی گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں مگر چونکہ انسانوں ہی میں سے چنے جاتے ہیں لہٰذا انسانی غلطی کا ارتکاب ممکن ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اللہ کا حکم آنے سے پہلے بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ عام انسان کی اتنی معمولی خطائیں عموماً قابل معافی ہوتی ہیں مگر انبیاء علیہ السلام کی ذمہ داری بہت حساس ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر لمحے ان کی تربیت کرتے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی بستی کو چھوڑ کر گئے تو انہیں مچھلی نے نگل لیا۔ یہ بھی ایک لمبا قصہ ہے ان شاء اللہ اگر موقع ملا تو اس پر پھر کبھی بات ہو گی۔ تین دن تک انہوں نے مچھلی کے پیٹ سے دعائیں مانگیں اور توبہ کی پھر انہیں مچھلی نے اللہ کے حکم پر ایک ساحل پر اگل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں اسی قوم کی طرف واپس بھیجا۔ ہمارے معاشرے میں بھی آجکل لوگ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں، جن کا کام سمجھانا ہے وہ اپنے پاکستانی بھائیوں کے خلاف کفر کے فیصلے دینے لگے۔ حالانکہ اللہ کے ہاں انسان کی آخری سانس تک سدھرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ اس سے آگے جا کر ہم بعض لوگوں پہ کفر کا فتویٰ بھی لگا دیتے ہیں، یہ جا...

بغیر کہ کیا پتہ کب اس پر اللہ کی رحمت ہو جائے۔ ایسی صورت میں لوٹے کا کیا ہوگا؟ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو قوم لوط کی طرف بھیجا انہی کو ایک اضافی ذمہ داری یہ بھی دی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سناتے ہوئے جائیں۔ اللہ کے پاس نہ تو فرشتوں کی کوئی کمی ہے نہ ہی وقت کا کوئی مسئلہ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوشش اور اپنے فیصلے کو ایک مثال کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو قوم خود راہ راست پہ آنے پر آمادہ نہ ہو اسے اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ شفاعت بھی صرف اسی کی ممکن ہے جو گناہ گار تو ہو مگر اپنے کئے پر شرمندہ بھی ہو۔ فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کے روپ میں بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس قوم کی ڈھٹائی واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

اللہ تعالیٰ ظلم کے معاشرے کو بہت زیادہ مہلت نہیں دیتا۔ ایک دوسرے پر رحم کا معاملہ رکھیں اور انتہائی مخدوش حالات میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، ایک دوسرے کو سمجھانے کا عمل مسلسل جاری رکھیں۔ مدد کی امید صرف اور صرف اللہ سے رکھیں۔

○

نقص۔ عمدی یا خطائی

دوائیاں بنانے والی کمپنیاں جب انجکشن بناتی ہیں تو اس کی دوائی کو ایک کور شیشے کی ٹیوب میں رکھا جاتا ہے۔ پھر اس ٹیوب کی گردن اس انداز کی بنائی جاتی ہے کہ دو انگلیوں کے معمولی دباؤ پر ٹوٹ جائے تا کہ سرنج میں ڈال کر اسے انسانی جسم میں داخل کیا جا سکے۔ یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اتنی نازک شیشے کی ٹیوب کیوں بنائی گئی۔ لوہے کی ٹیوب بنا دیتے تا کہ دوائی محفوظ رہتی؟

اس قسم کے اعتراضات یا تو جاہل کرے یا وہ جسے منصوبہ ساز کے منصوبے سے ذرا واقفیت نہیں۔ اس کو بس اتنا پتہ ہے کہ دوائی کو محفوظ حالت میں رکھنے کے لیے شیشے کی ٹیوب بنائی گئی ہے۔ ٹیوب لوہے کی ہوتی تو دوائی اور محفوظ ہو جاتی۔

جو لوگ عمومی زندگی میں اس قسم کے اعتراضات کرتے ہیں انہیں جاہل دیہاتی کہا جاتا ہے۔ سوشل میڈیا کی دنیا میں ایسے اعتراضات کرنے والوں کو ہم ملحد کہتے ہیں۔

ملحد اکثر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہر شے پر قادر ہے تو بعض دفعہ اس کی تخلیق میں نقص کیوں آ جاتا ہے؟

اکثر انسان اندھے پیدا ہوتے ہیں لولے لنگڑے ہیں ذہنی معذور؟

کیا یہ خالق کے نقص نہیں ہیں؟

پھر انسان میں ایسے اور بھی نقائص موجود ہیں مثلاً انسان تکلیف سہتا ہے۔ بیمار ہوتا ہے بوڑھا ہوتا ہے مرتا بھی ہے۔

اسی طرح پوری کائنات میں ایک بے شمار چیزیں ہیں جو بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ مثلاً ستاروں کا بننا پھر ختم ہو جانا۔ یعنی ہر شے اپنا باقاعدہ ایک آغاز، اپنا زندگی کا دورانیہ اور پھر اپنا اختتام رکھتی ہے۔

ملحدین کے نزدیک یہ نقائص ہیں جن کے اگر خالق کو مانا جائے تو اسے قادر مطلق نہیں ہونا چاہئے۔ قادر مطلق کو تو پرفیکٹ چیزیں بنانی چاہئیں۔

انسان کو تلوار کا وار لگتا ہے تو وہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ پھر اس قدرتی نقص کو دور کرنے کی خاطر اس بیچارے کو زرہ بکتر ایجاد کرنی پڑتی ہے۔ وہ بلٹ پروف جیکٹ ایجاد کرتا ہے۔ اپنی کار کو بم پروف بناتا ہے۔

یعنی بنیادی اعتراض یہ ہے کہ خدا نے ہمیں (معاذ اللہ) ناقص بنایا اور ہمیں حل دے کر بیٹھا ہوا ہے یا کہ اون جیسوی کسر بیچی اسے لاوا آپ کی پوری کردے رہتا۔ اب ہم اپنی عقل کی مدد سے اپنے آپ کو مکمل کرنے میں مصروف ہیں۔ ہماری ایک اوسط عمر متعین کی ہے جسے ہم سائنس کی مدد سے بڑھانے میں مصروف ہیں۔ ہمارے اندر بیماری رکھی ہے جسے ہم دوائیاں ایجاد کر کر کے شفا حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

تو پھر احسان ہم پر کس کا ہے؟

خدا کا یا سائنس کا؟

اس پر آج بات کرتے ہیں۔

اس پورے موضوع کو میں ایک مثال سے شروع کرتا ہوں۔

فرض کیجئے آپ ایک سائنسدان ہیں اور ایک روبوٹ تخلیق کرتے ہیں۔ یقیناً آپ چاہیں گے کہ یہ روبوٹ ہر خامی سے پاک ہو۔ اس کا جسم ظاہر ہے آپ مضبوط سے مضبوط میٹیریل سے بنائیں گے۔ لوہا، فولاد استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وزن ہلکا رکھنا مقصود ہو تو ذرا مضبوط قسم کا فائبر یا پلاسٹک بھی استعمال کریں گے۔

اب آپ نے ایک مضبوط ترین روبوٹ تیار کر لیا؟

اب آپ یہ کریں کہ اس روبوٹ کے منہ پر ایک زوردار مکہ رسید کریں۔

کیا ہوگا؟

ہوگا یہ کہ روبوٹ تو ٹس سے مس نہیں ہوگا۔ الٹا آپ کا ہاتھ نہ صرف سوجھ جائے گا بلکہ اس میں درد اور تکلیف شروع ہو جائے گی۔

واہ جی واہ! یہ تو کمال ہو گیا۔

خدا کی بنائی مخلوق درد محسوس کر رہی ہے اور آپ کا پہلے ہی ہاتھ ایسا لگا کہ گویا آپ کی بنائی ہوئی مخلوق کو تکلیف محسوس ہی نہیں ہوئی۔

اب فی الحال ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

یعنی ہم نے روبوٹ بنا تو لیا مگر اس کی تکلیف محسوس کرنے کی خامی ہم نے کیسے دور کی یہ ہم ابھی نہیں جانتے۔ کیوں کہ یہ اتفاقاً ہو گیا ہے۔

اب ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم نے حادثاتی طور پر روبوٹ میں وہ کون سا پرزہ فٹ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ درد محسوس نہیں کرتا اور ہر قسم کے درد تکلیف سے پاک بن گیا؟

ظاہر ہے یہ بخوبی معلوم ہو جائے تو ہم اسے اپنے جسم پر آزما کر اپنا نقص بھی دور کر سکتے ہیں۔ نہ بکتر زرہ بکتر کی ضرورت نہ بلٹ پروف جیکٹ کی۔

اس بات کا پتہ لگانے کے لیے آپ کو کئی تجربے کرنے پڑیں گے۔

پہلے اس روبوٹ کا ایک پرزہ نکالیں اور اسے ایک زوردار مکہ ماریں۔

کیا اب اس نے درد محسوس کرنا شروع کیا؟

جی نہیں۔

اب وہ پرزہ واپس لگا دیں اور دوسرا نکال لیں۔ اب پھر مکہ ماریں۔

کیا اب وہ بلبلایا؟

نہیں؟

ایک ایک کر کے سارے پرزے بدل کر دیکھیں۔

آپ کے سارے تجربے ناکام ہو جائیں گے اور آپ پر یہ انکشاف ہوگا کہ آپ کا روبوٹ کسی صورت درد محسوس نہیں کرے گا۔ چاہے آپ اس کے سارے پرزے نکال دیں۔

تو پھر آپ کیوں درد محسوس کرتے ہیں؟ آپ کے اندر یہ خامی یہ نقص کیسے رہ گیا؟

اس کے لیئے آپ کو روبوٹ کے بجائے اپنا جسم ٹٹولنا پڑے گا۔ آپ کو خود پر تحقیق کرنی پڑے گی۔ اس تحقیق کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کے جسم میں درد محسوس کرنے کا عمل کسی نقص کے سبب رہ نہیں گیا بلکہ پورا ایک درد محسوس کرنے والا نظام باقاعدہ تخلیق کر کے آپ کے جسم میں ڈالا گیا ہے۔ وہی نظام آپ اپنے روبوٹ میں کسی طرح تخلیق کر کے ڈال دیں۔ آپ کا روبوٹ بھی درد محسوس کرے گا۔

مگر اب اس سے بھی بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ اپنے روبوٹ میں ایسا نظام کیوں ڈالیں گے؟ آپ کو وجہ بھی تو چاہیئے؟

ایک اچھا بھلا روبوٹ ہے۔ اس کے سر پر ڈنڈا مار دو اسے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی تو آپ چاہتے تھے۔ اس کو درد نہیں ہوتا۔ تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ رنج میں بھی مبتلا نہیں ہوتا۔ اور تو اور اسے بھوک بھی نہیں لگتی۔ ہور کی چاہیدا اے؟

میری والدہ کا انتقال ہوا تو میں تین دن تک روتا رہا۔ پھر ایک سال تک راتوں کو اٹھ اٹھ کر رو دیا۔ اس کے بعد جا کر قرار آیا۔ روبوٹ کے سامنے آپ دوسرے روبوٹ کو تباہ کر دیں۔ اس کی روتی ہے جوتی۔

احساسات، جذبات، تکالیف، رنج والم۔ یہ سب ہمارے پاس کہاں سے آیا؟

اس سے بھی بڑا سوال کہ کیوں آیا؟

کیا یہ ارتقاء کے نتائج ہیں؟

کیا ہمارے ڈی این اے نے یہ خامی یا خوبی ماحول سے اخذ کرلی؟

ہمارے ماحول میں ہم سے پہلے وہ کون سی مخلوق موجود تھی جو اپنے مرنے والوں کو دفنایا کرتی تھی؟

یا وہ کون سی مخلوق تھی جس کے سر میں ڈنڈا مارو تو درد ہوتا تھا؟

کیا یک خلوی جرثومے میں یہ خوبی یا خامی موجود تھی؟

ڈی این اے سے کاپی کرنے میں غلطی ہو گئی تو کوئی پرزہ گم ہو جانا چاہیے تھا اور ایک پورا بنا بنایا نظام فٹ ہو جاتا۔ پھر اس کی وجہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہمیں اس کی کیوں ضرورت ہے؟

ہماری ماں مر جاتی ہے تو ہم روتے ہیں۔ اس رونے سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

اگر ہم زندگی کو حادثاتی تصور کریں تو ان تمام سوالوں کے جوابات حاصل کرنا ناممکن ہے۔ چیلنج ہے میرا ارتقائیوں کو کہ ان سوالات کے جواب دے کر دکھائیں۔ ان سوالات کے جوابات صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہیں کہ ہم اس زندگی کو کسی منصوبہ ساز کا منصوبہ تسلیم کریں۔ جس نے جان بوجھ کر ہمارے اندر یہ نظام ڈالے ہیں۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی منصوبہ ساز ایسا کیوں چاہے گا کہ اس کی مخلوق درد محسوس کرے؟ تکلیف محسوس کرے؟ غم میں مبتلا ہو؟ رنج و الم میں اس کے آنسو نکلیں؟

اس کا جواب بھی روبوٹ سے لے لیتے ہیں۔

آپ اپنے روبوٹ کو حکم دیں کہ وہ آپ کی مکمل فرماں برداری کرے ورنہ آپ اس کو مرنے کے بعد آگ میں جلائیں گے۔

وہ روبوٹ آپ کو جواب دے گا کہ پائن تسی میتوں ہونے ای اگ اچ پا کے شوق پورا کرلو۔ ایویں سے تسی سیانے او۔

آگ میں جلنے کی تکلیف کا نظام اس کے اندر انسٹال کیے بغیر اسے احتق

دھمکیاں دیں گے تو وہ بھی جواب دے گا۔

اگر آپ اس زندگی کو ایک حادثہ مان لیں تو آپ اس قسم کے کسی سوال کا جواب ساری زندگی نہیں دے سکتے۔

آپ کو ہر حال میں اس زندگی کو ایک منصوبہ ساز کا منصوبہ اور آزمائش نظام ماننا پڑے گا۔

انسان کو بھوک کیوں لگتی ہے؟ کسی کو بھوک سے مرتا دیکھ کر دل بے چین کیوں ہو جاتا ہے؟ اس کی تکلیف کو کیسے محسوس کرتا ہے؟ کیوں اس کی مدد کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے؟

دوسری طرف لالچ کا جذبہ بھی بھوک سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

اپنا پیٹ بھرنے کے لیئے کسی دوسرے کا گلا کیسے کاٹا جاتا ہے؟ کسی کو بھوکا مار کر اپنا پیٹ کیسے بھرا جاتا ہے؟

کن جذبات کو دبانا ہے اور کن کو ابھارنا ہے اس کا اختیار آپ کو دیا گیا ہے۔ عقل وشعور موجود ہے۔ علم موجود ہے۔ ہدایت کا بے بہا ہے آ رہی ہے۔

یہ جذبات و احساسات کا نظام آپ کی آزمائش کے لیئے آپ کے اندر ڈالا گیا ہے۔ ورنہ حادثاتی زندگی اور ارتقاء میں تو اس کی کوئی توجیہ بنتی ہی نہیں۔

سوال یہ بھی ہے کہ جو درد کسی بھوکے بچے کو دیکھ کر میرے یا آپ کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ خدا کے دل میں کیوں پیدا نہیں ہوتا؟

لو دسو۔

اسی نے تو یہ نظام ہمیں آزمانے کے لیئے تخلیق کیا ہے۔

معدے کا پورا نظام انسانی جسم میں تخلیق کر کے ڈالنے والا وہی خدا تو ہے۔ اگر وہ انسانوں کو آزمائے بغیر کسی بھوکے بچے کا پیٹ بھرنا چاہے تو اس کے لیئے اسے دو تندوری روٹیاں اور ایک پلیٹ چکن نہاری اس بچے کو بھجوانے کی ضرورت ہی نہیں۔

وہ قادر مطلق ہے۔ وہ اس بچے کے معدے کے نظام کی جگہ کوئی دوسرا نظام لگا دے جس میں کھانا کھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ آخر خدا ہے۔

خیر منصوبہ ساز کے منصوبے کو سمجھے جب ہم اعتراض اٹھاتے ہیں تو وہ کم عقلی اور جہالت سے لبریز ہوتے ہیں۔

ایک مومن کے گھر میں ایک بچہ بغیر ہاتھ پاؤں کے پیدا ہو جائے۔ اس مومن کو پتہ ہے یہ میری آزمائش ہے۔ جب وہ اس کو اپنے ہاتھوں کھلائے گا۔ پلائے گا۔ اس کی ہر ضرورت کو تا حیات پورا کرے گا تو آزمائش میں پورا اترے گا۔ وہ روئے گا۔ گڑگڑائے گا مگر اپنے رب کی رضا پر راضی رہے گا۔ شکوہ نہیں کرے گا۔

ملحد سوال کرتے ہیں کہ ایک کی آزمائش کے لیئے دوسرے کو تکلیف میں مبتلا کرنا کون سی عقلمندی ہے؟

اللہ کو پتہ ہے یہ زندگی کتنی قلیل ہے اور اس کے بعد آنے والی زندگی ہمیشگی پر مبنی۔ ایک بچہ معذور پیدا ہوا اور پچاس ساٹھ سال اس دنیا میں تھوڑی تکلیف میں گزارے۔ آخرت میں جنت میں اپنے تمام اعضاء کے ساتھ داخل ہوا۔ اسے اور کیا چاہیئے؟

اللہ کا مطمع نظر آخرت کی زندگی ہے جب کہ شیطان ملحدوں کو دنیا کی زندگی کا لالچ دلاتا ہے۔ وہ اس دنیا کے پیمانے پر ہر چیز پرکھتے رہتے ہیں اور رد کرتے جاتے ہیں۔ ان ملحدوں کی سطحی سوچ میں ان کا اپنا قصور کم ان کے ماں باپ کا زیادہ ہوتا ہے۔ بچے نے تنگ کیا اسے سپرمین اور سپائڈرمین ٹائپ کے کارٹون لگا کر دے دیئے۔ خدا کا حقیقی تصور اس کو کبھی بتایا ہی نہیں گیا۔ اس کو بس یہ معلوم ہے کہ کہیں آگ لگ جاتی ہے تو ایک نیلی وردی کے اوپر لال چڈی پہنا شخص اڑتا ہوا آتا ہے اور پھونک مار کر آگ بجھا دیتا ہے۔ چونکہ وہ انسانوں سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے لہذا وہ فوراً مدد کے لیئے اڑتا ہوا آ جاتا ہے اگر خدا کو ہمدردی ہوتی تو خدا بھی اڑتا ہوا آتا۔ اس کا معصوم ذہن یہ نہیں سوچ پاتا کہ اس دنیا میں حادثات کا رونما ہونا بھی خدا کے اس آزمائشی نظام کا حصہ ہے اور وہ خدا خود بہتر

بننے کے بجائے اپنی اس انسان نما مخلوق کو سپرمین کی طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر آگ خدا نے ہی سپرمین کی طرح پھونکیں مار کر بجھانی ہے تو آگ لگی کس کی مرضی سے؟

جو خدا آگ کو پھونکوں سے بجھانے آ جائے گا وہ بذات خود اس بات کا اعتراف کرے گا کہ یہ آگ اس کی مرضی کے بغیر لگی تھی تبھی بجھانے کے لیے آنا پڑا۔ معذرت کے ساتھ یہ تصوراتی خدا، خدائی کے منصب پر پورا نہیں اترتا۔ بہتر یہی ہے کہ خدا کو کھوجنے سے پہلے اس کے منصوبے کو سمجھ لیا جائے۔ پھر سب کچھ سمجھ آ جائے گا۔

○

اسلام کا بدل

اگر میں آپ سے کہوں کہ مجھے پانچ تولے سونا دے دیں اور بدلے میں مجھ سے دو من مٹی لے لیں۔ تو کیا آپ یہ سودا کر لیں گے؟

اگر میں کہوں کہ اپنا دس مرلے کا گھر میرے نام لگا دیں۔ بدلے میں مجھ سے ایک سائیکل لے لیں۔ تو آپ مان جائیں گے؟

اگر میں کہوں کہ جس بستی میں آپ رہتے ہیں وہاں سیلاب آنے والا ہے۔ سب کچھ ڈوب جائے گا۔ لہٰذا آپ دریا میں چھلانگ مار کر خودکشی کر لیں تا کہ سیلاب سے بچ سکیں۔ تو کیا آپ میری بات مان جائیں گے؟

ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ یہ احمقانہ سودے کوئی عقلمند نہیں کر سکتا مگر بے فکر رہیے۔ دنیا میں ایسے بہت سے نفسیاتی مریض پائے جاتے ہیں جو ایسے سودے کر لیتے ہیں۔

اسلام چھوڑ کر الحاد اپنانے کا سودا بھی ایسا ہی ہے۔

میرے تمام تر تجربے کا نچوڑ یہ ہے کہ اسلام کی جن معجزانہ باتوں کی وجہ سے لوگ اسلام کو چھوڑتے ہیں۔ وہی بات جب سائنس کرتی ہے تو اسے من و عن قبول کر لیتے ہیں۔ اسلام کے معجزے اور سائنس کے معجزے میں بس ایک ہی فرق ہے۔ اسلام میں معجزہ دکھانے کے لیے ایک خدا کا تصور موجود ہے۔ مگر سائنس میں وہی معجزہ بغیر خدا کے ہی رونما ہو جاتا ہے۔

ہم عموماً ملحدوں کے اسلام کے خلاف اعتراضات سن کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ ان اعتراضات کی حقیقت کیا ہے؟

جوابات بھی دے دیے جاتے ہیں مگر آج کا میرا موضوع کچھ اور ہے۔ آج ہم یہ جائزہ لیں گے کہ جن معاملات میں اسلام پہ انگلی اٹھائی جاتی ہے ان میں الحاد خود کہاں کھڑا ہے؟

اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ نے پہلے مٹی سے آدم اور حوا کو پیدا کیا اور پھر ان سے نسل انسانی کا آغاز کیا۔

الحاد کو اس عقیدے پر اعتراض ہے کہ بے جان سے جاندار کے تصور کو سائنس نہیں مانتی۔

اس کے بدلے میں ان کے پاس جو نظریہ ہے وہ کچھ یوں ہے۔

ابتدائی نظریہ جو چارلس ڈارون نے متعارف کروایا اس کے مطابق تمام انسان بندر کی اولاد ہیں۔ ایک سست رفتار ارتقائی عمل متعارف کروایا گیا جس کے مطابق اس زمین پر زندگی کا آغاز ایک خلوی جرثومے سے ہوا۔ یہ یک خلوی جرثومہ بھی بے جان سے ہی وجود میں آیا۔ مگر خود بخود وجود میں آیا اس لیے یہ سائنس ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا پہلے آبی پودے میں پھر آبی جانور میں پھر خشکی کے جانور میں اور آخرکار انسان میں تبدیل ہو گیا۔

یہ نظریہ شروع سے ہی تنقید کا نشانہ بننا شروع ہو گیا جب انسانوں کی ایک کثیر تعداد نے خود کو بندر کی اولاد ماننے سے انکار کر دیا۔ دور جدید کے سائنس دانوں نے پھر اس نظریے میں کچھ خوش نما تبدیلیاں کیں جن کے مطابق اب انسان بندر کی نہیں بلکہ بندر کے بھی باپ کی اولاد ہے۔ بندر انسان کے کزن ہوتے ہیں۔ انسان عموماً آگہی کے عذاب کو برداشت نہیں کر پاتا۔ اپنے آپ کو بندر کی اولاد تسلیم کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ خاص طور پر جب آپ چڑیا گھر میں بندر کو عجیب بیہودہ حرکتیں کرتے دیکھ لیں۔ اپنے بچوں کے آگے بندر بنتا ہوا بھی شرمندہ ہوتا ہے کہ چترا ہے پچا سا ڈاڈا ہے۔ اب معاملہ کسی حد تک بہتر ہے۔

بندر سب نے دیکھا ہے مگر بندر کے اور انسان کے مشترکہ آباؤ کس نے دیکھے ہیں۔ ہوسکتا ہے خوبصورت ہوتے ہوں اور بندروں جیسی حرکتیں نہ کرتے ہوں۔ اس تبدیلی کے حساب سے یہ نظریہ کسی حد تک انسانوں کے لئے تسلی بخش ہو چکا ہے۔

اسلام کے مطابق یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ نے چھ ایام میں بنائی۔ یہ چھ ایام کتنے عرصے پر محیط تھے اس کی وضاحت نہیں مگر اللہ کا ہر کام محض ایک لفظ "کن" کا محتاج ہے۔ جس کو جب بنانا چاہا بنا دیا۔

الحاد کے مطابق یہ پوری کائنات چھ دن میں کسی صورت نہیں بن سکتی۔ پھر بنانے کے لئے جو مٹیریل درکار ہوگا وہ کہاں سے آیا؟ لہٰذا یہ کائنات خدا نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود بن گئی۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک دھماکہ ہوا جسے بگ بینگ کہتے ہیں اور کائنات وجود میں آگئی۔ کائنات سے پہلے چونکہ کچھ نہیں تھا لہٰذا عدم سے ہی وجود میں آئی ہوگی۔ یا پھر انرجی موجود تھی۔ اب انرجی کب سے موجود تھی اور کیوں موجود تھی؟ یہ کوئی نہ پوچھے۔ انرجی کی تعریف میں بتا رہا ہوں۔

انرجی کی تعریف وہی ہے جو مذاہب میں جنات کی تعریف ہے۔ یعنی آپ ایک ویران جگہ کھڑے ہیں جہاں آپ کے سوا کوئی نہیں۔ اچانک آپ کو کوئی زور سے دھکا دیتا ہے۔ آپ ادھر ادھر دیکھتے ہیں مگر کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر تو آپ مومن ہیں تو کہہ دیجئے مجھے کسی جن نے دھکا دیا ہوگا۔ کسی کو کیا پتہ چلتا ہے۔ اور اگر آپ ملحد ہیں تو یہی الزام انرجی پہ ٹھوک دیجئے۔ ثابت دونوں میں سے کسی کو نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ دونوں ہی نادیدہ قوتیں ہیں۔

الحاد کے مطابق اتنی وسیع و عریض کائنات صرف چھ دن میں کسی صورت وجود میں نہیں آ سکتی۔ چھ دن بہت کم ہوتے ہیں۔ مگر بگ بینگ کے دھماکے کے ذریعے وجود میں آ گئی۔ اب دھماکے میں چھ دن لگے یا چھ لمحے یہ سوچنا بھی منع ہے۔

اسلام میں خواتین کے حقوق پر ملحدوں کے شدید اعتراضات ہیں۔

اسلام خواتین کو پردے کا حکم دیتا ہے۔ جو کہ خواتین کے ساتھ زیادتی ہے۔ مگر کیا ملحدوں میں پردہ نہیں کیا جاتا؟

آئیے دیکھتے ہیں۔

پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ پردہ ہے کیا۔

اپنے جسم کے کچھ حصوں کو اس طرح ڈھکنا کہ دوسرے انسانوں کی نظر اس پر نہ پڑے پردہ کہلاتا ہے۔

اس تعریف کے پیش نظر اس دنیا کا کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو پردہ نہیں کرتا۔ اگر اعتراض پردے کی شرح پر ہے تو اس کا تعین کون کرے گا؟

الحاد میں بھی پردہ ہے اور پردے پر اعتراض بھی ہے۔ ملحد خواتین بھی معاشرے میں کپڑے پہن کر گھومتی ہیں اور مرد بھی۔ جس طرح ملحد مسلمان خواتین کے چہرے کے پردے پر اعتراض کر سکتے ہیں تو کیا ہم مسلمان بھی ملحد خواتین و حضرات کی شرمگاہوں کے پردے پر اعتراض کر سکتے ہیں؟ انہیں یہ اعتراض ہے کہ انہیں ہماری خواتین کا چہرہ نظر نہیں آتا تو کیا ان پر بھی یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ہمیں آپ کی خواتین و حضرات کی شرمگاہیں نظر نہیں آتیں؟

اب اگر اعتراض یہ ہو کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے پردے کی شرح میں فرق ہے تو وہ تو الحاد میں بھی ہے۔ الحاد میں اگر ایک مرد کو گرمی لگے تو وہ محض چڈی پہن کر باہر گھوم سکتا ہے۔ مگر خاتون چڈی میں گھر سے باہر نہیں آ سکتی۔ اسے سینہ بھی چھپانا پڑے گا۔ مگر کیوں؟ مرد اگر محض چڈی میں باہر آ سکتا ہے تو عورت کو الحاد کیوں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ بھی محض چڈی پہن کر باہر آ جائے۔ اب یہاں یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جناب اس کی مرضی اگر وہ چڈی کے ساتھ ایک سینہ بند زیادہ پہننا چاہتی ہے تو اس کا حق ہے۔

تو پھر جواب یہ ہے کہ ہماری عورتوں کی بھی مرضی۔ ان کو بھی حق ہے وہ سر سے پاؤں تک رضائی اوڑھ کر گھومیں۔ آپ کون اعتراض کرنے والے؟

○

سمندر کے نظام

جب ہم ارتقائی سائنس دانوں سے پوچھتے ہیں کہ پانی جو زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہے وہ صرف ہماری ہی زمین پر کیوں ہے؟

تو جواب ملتا ہے کہ یہ ایک اتفاق ہے۔

کیا واقعی یہ ایک اتفاق ہے؟

ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ "ایک" اتفاق ہے یا اتفاقات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ختم ہی نہیں ہو رہا۔

صرف پانی کے معاملے کا تجزیہ کریں تو اتفاقات کی لائن لگ جاتی ہے۔

کیسے؟

آیئے دیکھتے ہیں۔

اگر آپ سائنس سے سوال پوچھیں کہ زمین پر پانی کیوں ہے؟

تو جواب ہوگا۔ چونکہ زندہ رہنے کے لئے پانی درکار تھا لہذا پانی آ گیا۔

کہاں سے؟

پتہ نہیں۔

کیا یہ جواب تسلی بخش ہے؟ کیا اس میں ایک واضح امر کا اعتراف نہیں آتا کہ گویا پتہ تھا کہ جس مخلوق کو وجود میں لایا جا رہا ہے اس کا پانی کے بغیر گزارا نہیں؟

پانی کیوں ضروری ہے؟

پانی اگر نہ ہوتا تو زمین پر زندگی وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ آج بھی اگر پانی کسی وجہ سے ختم ہو جائے تو زندگی شاید چند ہی گھنٹوں میں دم توڑ دے۔ اس میں انسان جانور پودے کیڑے یا جرثومے کی کوئی قید نہیں۔ ہر وہ چیز جسے آپ زندہ کہیں وہ پانی کے بغیر مردہ ہو جائے گی۔ مگر پانی کا خاتمہ ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پانی کا ایک قطرہ بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے بس اپنے جسموں میں سے گزارتے ہیں۔ جس طرح بیرونی جسم کو پانی سے دھونے کو ہم نہانا کہتے ہیں۔ بالکل وہی کام اندرونی جسم کے لیے ہم پانی پینے کی صورت میں کرتے ہیں۔ پانی کا ایک چھوٹا واٹر سائیکل ہے جسے سب جانتے ہیں۔ سورج کا سمندر پر آگ برسانا۔ پانی کا بخارات بن کر اڑنا۔ بادل بننا۔ ہوا کا بادلوں کو چلانا اور پھر بارش کی شکل میں برس جانا۔ یہ ایک چھوٹا سا واٹر سائیکل ہے۔ مگر پانی کا ایک بہت بڑا واٹر سائیکل بھی ہے۔ اس واٹر سائیکل میں تمام زندہ اجسام آ جاتے ہیں۔ تمام اجسام اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پانی جذب کرتے ہیں۔ جب تک یہ اجسام زندہ رہتے ہیں ان کے جسموں میں پانی کی ایک مخصوص مقدار ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ پھر جب وہ جسم مردہ ہو جاتا ہے تو وہ پانی اس جسم سے الگ ہو کر دوبارہ زمین کا حصہ بن جاتا ہے۔ یعنی ضائع کسی بھی صورت نہیں ہوتا۔

اب اگلا سوال

سمندر کا پانی نمکین کیوں ہے؟

جواب: نمک پہاڑوں سے بارش کے پانی کے ساتھ بہتا ہوا آتا رہا اور سمندر میں ملتا رہا حتیٰ کہ سمندر نمکین ہو گیا۔

تو کیا یہ جواب تسلی بخش ہے؟

یہ تو کیسے کا جواب ہے۔ میرا سوال تو کیوں پر مبنی تھا۔ اس سوال کو تھوڑا سا گھما دیتے ہیں۔ ہم سائنس سے اس سوال سے پہلے ایک اور سوال پوچھ لیتے ہیں۔

اگر سمندر میں نمک نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟

سائنس ایک آہ بھر کر جواب دے گی کہ پھر اس زمین پر کسی حیات کا کوئی وجود
ہوتا۔ نہ ہم ہوتے نہ تم ہوتے۔ کوئی زندہ نہ ہوتا۔

وجہ؟

وجہ یہ کہ میٹھے پانی کا اتنا بڑا ذخیرہ بہت زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رکھا جا سکتا
ورنہ اس میں تعفن پھیل جائے گا جو پوری حیات کے لئے بذات خود ایک خطرہ بن جائے گا۔
اس دنیا میں 38 کروڑ مربع کلومیٹر پر سمندر ہے۔ یعنی زمین پر ایک حصہ خشکی ہے اور تین
حصے پانی۔ اور اگر یہ سارا پانی تعفن زدہ ہو جائے تو پوری زمین کو لپیٹ میں لے لے گا۔

اس جواب کے بعد اب آپ پہلے والا سوال دوبارہ دہرائیں۔

سمندر کا پانی نمکین کیوں ہے؟

اور جواب ہو کہ نمک پہاڑوں سے بارش کے پانی کے ساتھ بہتا ہوا آتا رہا اور
سمندر میں ملتا رہا حتیٰ کہ سمندر نمکین ہو گیا۔

کیا اب یہ جواب تسلی بخش ہے؟

مجھے لگتا ہے کہ اب یہ جواب اس سے کروڑھا گنا زیادہ غیر تسلی بخش ہو چکا ہے جتنا
پہلے تھا۔ یعنی اگر تو معاملہ یہ ہے کہ سمندر کے نمکین ہونے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر
ہماری بلا سے نمک جہاں سے مرضی آ کر سمندر میں شامل ہو جائے۔ مگر اگر ہمیں یہ پتہ چل
جائے کہ سمندر میں ملا نمک ہماری زندگی اور موت سے جڑا ہے تو پھر اگلا سوال یقیناً ذہن میں
اٹھے گا۔

وہ کون ہے جو یہ جانتا تھا کہ سمندر لازمی طور پر نمکین ہونا چاہئے؟

اگلا سوال۔

سمندر میں لہریں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟

جواب یہ ہے کہ ہوا کے دباؤ اور چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر میں لہریں پیدا
ہوتی ہیں۔

کیوں؟

کیوں کہ نمک ملے پانی کو اول معدہ قبول ہی نہیں کرتا اور اگر قبول کر بھی لے تو وہ ڈی ہائیڈریشن کا سبب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیچ سمندر میں لوگ میٹھا پانی نہ ملنے کے سبب پیاس سے تو مر سکتے ہیں مگر سمندری پانی پی نہیں سکتے۔

اب یہاں اتفاقات کا ایک طویل سلسلہ دیکھیے۔

زمین پر پانی کی موجودگی؟

اتفاق۔

پانی کا نمکین ہونا؟

اتفاق۔

پانی میں لہروں کا پیدا ہونا؟

اتفاق۔

پھر اس نمکین پانی کو نمک سے علیحدہ کر کے بادلوں کے راستے شفاف کر کے انسان پر برسا کر اسے پینے کا پانی فراہم کرنا؟

اتفاق۔

کیا آپ ان تمام اتفاقات سے اتفاق کرتے ہیں؟

○

بھوک کا سبب انسان یا خدا؟

اس سے پہلے میں "سمندر کے نظام" کے نام سے ایک تحریر لکھ چکا ہوں جس میں بیان کیا گیا تھا کہ دنیا کے 71 فیصد حصے پر پانی ہے اور 29 فیصد حصے پر خشکی ہے۔ جو باتیں غور طلب ہیں وہ یہ ہیں کہ جو پانی سمندروں میں موجود ہے وہ قابل استعمال حالت میں نہیں رکھا گیا۔ مگر ایسا بھی نہیں کیا گیا کہ اسے قابل استعمال حالت میں لانے کی ذمہ داری انسان پر ڈال دی گئی ہو۔

اللہ کا تخلیق کردہ ایک نظام ہے جس کے تحت انسان کی ضرورت کے مطابق پانی کو سورج کی تپش کے ذریعے نمکیات سے الگ کر کے اٹھا لیا جاتا ہے جس سے بادل تشکیل پاتے ہیں۔ پھر وہ بادل ہوا کے ذریعے چلائے جاتے ہیں اور کسی اور خطے میں جا کر برسا دیئے جاتے ہیں۔ دریا بنتے ہیں۔ نہریں بنتی ہیں۔ ہم وہ پانی پینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ استعمال شدہ پانی انہی ندی نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا دوبارہ سمندری نظاموں کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ ایک واٹر سائیکل ہے جو زمین کی ابتدا سے چل رہا ہے اور انتہا تک رہے گا۔ اس پورے چکر میں پانی کا ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوتا۔ جتنا پانی پہلے دن زمین پر موجود تھا اتنا آج بھی موجود ہے۔

یہ ہم نے پانی کے متعلق بات کی تھی۔ آج ہم ہوا کے متعلق بات کرتے ہیں۔
ایک چیز واضح کرتا چلوں کہ اب تک انسان کوئی ایک بھی ایسا سیارہ دریافت نہیں کر پایا جہاں زندگی کے موزوں ہونے کے لیے اتنے سارے اتفاقات برپا ہو گئے ہوں۔

کائنات میں بلاشبہ سب کچھ موجود ہے اور یہ سب کچھ زمین پر کائنات سے ہی آیا ہے۔ مگر اس سب کچھ میں سے جو کچھ بھی زندگی کے لیے ضروری تھا وہ سب جمع کر کے زمین پر آ گیا یا رکھ دیا گیا۔ ہمارے اور ملحدین کے درمیان اس "آ گیا" اور "رکھ دیا گیا" کا ہی جھگڑا ہے یہاں جھگڑا سائنس کا نہیں ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک آدمی چھت سے گر کر مر گیا۔ آپ سائنس سے پوچھیں وہ کیسے مرا تو سائنس یہی بتا سکتی ہے کہ وہ گریویٹی کی وجہ سے زمین کی طرف کھنچا چلا آیا۔ زمین کے ساتھ اس کا سر ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور چونکہ دماغ کی تباہی کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا اس کا مرنا یقینی تھا سو وہ مر گیا۔ یہ انتہائی سائنسی جواب ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے کسی بھی طور قابل اعتراض بھی نہیں۔

ہم تو یہ پوچھ رہے ہیں کہ اسے دھکا کس نے دیا؟ بعد میں جو کچھ ہوا وہ عین سائنسی ہے۔ کون انکار کرتا ہے سائنس کا۔ مگر آغاز کیسے ہوا یہ کون بتائے گا؟

زمین پر اللہ کی فراہم کردہ نعمتوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو لگتا ہے کہ پوری کائنات میں سے چن چن کر تمام وہ چیزیں اکٹھی کی گئیں جو زندگی کے لیے ناگزیر تھیں اور انہیں صرف ایک سیارے پر مکمل حالت میں جمع کیا گیا۔ اتنی وسیع و عریض کائنات جس میں اربوں کہکشاؤں کا دعویٰ ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں سورج۔ پتہ نہیں کتنے ارب سیارے اور ستارے۔ کتنے چاند۔ کسی کو کچھ نہیں پتہ۔ مگر ایک حقیقت ایسی ہے جو سب کو پتہ ہے اور وہ یہ کہ اتنی بڑی کائنات کے کسی ایک سیارے پر اگر زندگی کی تمام ضروریات اکٹھی ہوئی ہیں تو وہ صرف یہ زمین ہے۔ باقیوں پر تلاش جاری ہے۔ کہیں کچھ مقدار میں پانی دریافت کرنے کا دعویٰ۔ کہیں پانی نہیں ہے مگر کسی حد تک آکسیجن ہے۔ کہیں نہ پانی نہ آکسیجن مگر ہوا موجود ہے جو ہائیڈروجن گیس پر مبنی ہے۔ جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ لے دے کر یہ زمین ہی ہے۔ جہاں نہ ختم ہونے والا پانی۔ نہ ختم ہونے والی آکسیجن۔ نہ ختم ہونے والی ہوا۔ اور اسی ہوا میں نہ ختم ہونے والی نائٹروجن۔

جی ہاں نائٹروجن۔

اب یہ نائٹروجن کیا ہے؟ اس کا زندگی سے کیا تعلق ہے اور یہ ختم کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا سرکل کس طرح چلتا ہے؟

اس پر مختصر نظر ڈالتے ہیں۔

ہوا کے متعلق ہم یہ جانتے ہیں کہ زمینی فضا میں جہاں کچھ نہ ہو وہاں ہوا ہوتی ہے۔

مگر اس ہوا میں کیا ہوتا ہے؟ ہوا کن مرکبات سے مل کر بنی ہے؟

سائنس کے مطابق ہوا 78 فیصد نائٹروجن اور 21 فیصد آکسیجن پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک فیصد حصہ دیگر مرکبات پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی زمین پر جس تناسب سے پانی موجود ہے تقریباً اسی تناسب میں ہوا میں نائٹروجن بھی ہے۔

پانی کے چکر اور نائٹروجن کے چکر میں کئی قدریں مشترک ہیں۔

پانی زمین کا 71 فیصد ہے جبکہ نائٹروجن ہوا کا 78 فیصد۔

پانی اور نائٹروجن دونوں انسانی حیات کے لیئے از حد ضروری ہیں۔

پانی اور نائٹروجن دونوں جس حالت میں اسٹور کی گئی ہیں اس حالت میں قابلِ استعمال نہیں۔

پانی اور نائٹروجن دونوں کا قدرتی سائیکل موجود ہے جس سے گزر کر یہ انسان اور دوسری حیات کے لیئے قابلِ استعمال حالت میں بدلتے ہیں اور پھر واپس اپنی جگہ یعنی اپنے اسٹور میں پہنچ جاتے ہیں۔ یعنی پانی اور نائٹروجن دونوں ہی ضروری ہیں مگر دونوں ہی کے زمین سے ختم ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔

یہی معاملہ ہوا میں موجود بقیہ 21 فیصد آکسیجن کا بھی ہے کہ جسے ہم کشید کر کے کاربن ڈائی آکسائیڈ چھوڑتے ہیں تو پودے اس کاربن ڈائی آکسائیڈ کو کشید کر کے واپس آکسیجن میں بدل دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح پانی کا ختم ہونا ممکن نہیں بالکل اسی طرح ہوا

بڑی بددیانتی ہے جو انسان اپنے خدا کے ساتھ کرتا ہے۔

کیا ہوتا جو فضا میں نائٹروجن نہ ہوتی ؟ یا نائٹروجن ہوتی مگر اسے قابل استعمال حالت میں بدلنے والے بیکٹیریا پودوں کی جڑوں میں موجود نہ ہوتے ؟ یا یہ والے بیکٹیریا بھی موجود ہوتے مگر اسے دوبارہ نائٹروجن گیس میں تبدیل کرنے والے بیکٹیریا نہ ہوتے ؟

اس پورے چکر میں ہر چیز اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے اور ہمیں خدا کے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے وسائل کم ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے غربت عام ہے۔ یعنی جب ہم ایک خربوزہ کھا لیتے ہیں تو زمین سے ایک خربوزہ کم ہو جاتا ہے۔ مگر اسی خربوزے کے اندر سے نکلتے سیکڑوں بیج دیکھ کر ہم آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں منافقت۔ اس زمین پر جب تک انسان ہے اس کے لیے نہ پینے کا پانی کم پڑ سکتا ہے نہ کھانے کے لیے غذا۔ مگر کیا کیجیے انسان کے کہ گندم اور دوسری خوراک کے بھاؤ بڑھانے اور اپنی تجارت بڑھانے کی غرض سے انسان ہزاروں ٹن گندم سمندر برد کر دیتا ہے۔

پھر جب وہی انسان ایک بچے کو بھوک سے مرتا دیکھتا ہے تو پوچھتا ہے خدا کہاں ہے؟

کیا خدا کا کوئی وجود ہے؟ کیا خدا کسی بھوکے کو کھانا فراہم نہیں کر سکتا؟

جس نے نہ صرف انسانوں بلکہ جرثوموں تک کے زندہ رہنے کے لیے اتنے زبردست اور جدید نظام مرتب کر رکھے ہیں وہ کون ہے؟

بند ذہن اور گھٹیا سوچ کے مالک اپنی غلطیوں سے لوگوں کو بھوک سے مرتا دیکھتے ہیں اور خدا کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ کھلی سوچ اور بہترین ذہانت رکھنے والے انسان اپنے اطراف میں اتنے بڑے بڑے زندگی کے نظام دیکھتے ہیں اور خدا کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

اس دنیا سے ختم ہونے والے وسائل کو فانی قرار دے کر اپنی تجارت چمکانے

والے تاجروں کو علم ہونا چاہیے کہ جس خدا نے انسان کے ایک گلاس پانی کے لیے سمندروں کا پورا نظام ترتیب دیا۔ جس خدا نے انسان کی خوراک کے لیے ہوا میں نائٹروجن کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ رکھ دیا۔ اس خدا نے اس دنیا میں انسانوں کو اختیار دے کر آزمایا ہے اور اس آزمائش کے بعد اس کے پاس جزاء و سزا کا بھی یقیناً ایک بہترین نظام موجود ہے۔

سورہ لقمان ۔ آیت 20

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔"

○

آسمانی بارش اور اولوں کے پہاڑ

ملحدوں نے قرآن پر دو اعتراضات اٹھائے ہیں۔

۱۔قرآن میں لکھا ہے کہ بارش آسمان سے برستی ہے جبکہ سائنس کے مطابق بارش بادلوں سے برستی ہے۔کیا خالق کو واٹر سائیکل کا نہیں پتہ؟

۲۔قرآن کی سورہ النور آیت نمبر 43 کے مطابق آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے اولے برستے ہیں؟

جواب

اللہ تعالی نے اس دنیا کی تمام تخلیقات میں دو طرح کے معاملات رکھے ہیں۔

ایک خصوصی معاملہ اور ایک عمومی معاملہ۔

عمومی معاملات کو انسان کے سمجھنے کے لئے آسان بنایا گیا ہے۔ہم تھوڑی سی عقل استعمال کرتے ہیں اور اس معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔عرف عام میں اس کو سائنس کا علم کہتے ہیں۔

خصوصی معاملات انسان کے سمجھنے کو آسان نہیں ہوتے۔لیکن اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ انسان ان خصوصی معاملات کا مشاہدہ نہیں کر سکتا یا ان کا انکار کر سکتا ہے۔ان خصوصی معاملات کو بھی ماننا انسان کی مجبوری ہے۔مگر ان کو سمجھنا انسان کے لئے مشکل۔

انسان کیسے پیدا ہوتا ہے؟

ایک مرد اور ایک عورت ایک مخصوص طریقے سے ملتے ہیں تو ایک تیسرا انسان جنم

لیتا ہے۔ یہ ایک عمومی معاملہ ہے۔ انسان اس پورے عمل کو سمجھ سکتا ہے۔

مگر اس دنیا کے پہلے انسان نے کیسے جنم لیا؟

یہ ایک خصوصی معاملہ ہے۔ کیوں کہ جس سائنسی طریقے کا میں نے اوپر ذکر کیا اس کے بنیادی ارکان یعنی ایک مرد اور ایک عورت یہاں دستیاب نہیں۔ لہٰذا وہ سائنسی طریقہ یہاں اپنائی ہی نہیں ہو سکتا۔ عقل کوشش ضرور کرتی ہے اس گتھی کو سلجھانے کی۔ مگر کوئی ایسا تسلی بخش جواب سامنے نہیں آتا جس سے تمام انسانوں کی تشفی ہو جائے۔ جواب کی طلب اتنی شدید ہوتی ہے کہ انسان اپنا موازنہ جانوروں سے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر جانور کے آغاز پر اٹکتا ہے تو اور پیچھے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو ایک حقیر اور غلیظ جرثومہ قرار دے بیٹھتا ہے۔ اس سے پیچھے جانا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ اس سے زیادہ غلیظ ترین کسی شے کا انسان کے پاس کوئی تصور ہی نہیں۔ خدا کے انکار کی یہی سزا ہے۔ دو ہی راستے بچتے ہیں۔ یا تو ایمان لے آؤ کہ مجھے خدا نے پیدا کیا۔ یا پھر اس غلیظ ترین سطح تک گر جاؤ جہاں تک تمہاری سوچ ہے۔ اور اگر پھر بھی جواب نہ ملے تو لعنت تمہاری زندگی پہ۔

بارش کیسے ہوتی ہے؟

سورج اپنی تپش سمندر پہ برساتا ہے۔ پانی آبی بخارات میں تبدیل ہو کر بادلوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہوا ان بادلوں کو چلاتی ہے اور کسی اور علاقے میں جا کر یہ پانی زمین کے باسیوں کے استعمال کے لئے ان پر برسا دیا جاتا ہے۔ استعمال شدہ پانی چونکہ دوبارہ فلٹر کیے بغیر استعمال نہیں کیا جا سکتا لہٰذا دوبارہ سورج کی تپش اس کو اٹھا لیتی ہے۔ دوبارہ بادل بنتے ہیں۔ پھر ہوا ان کو چلاتی ہے اور پھر وہ برس جاتا ہے۔ اس کو سائنسی زبان میں واٹر سائیکل کہتے ہیں۔ یہ عمومی معاملہ ہے۔

مگر جب یہ دنیا تخلیق ہوئی تو پہلی بار دنیا میں پانی کہاں سے آیا؟

اب یہ خصوصی معاملہ ہے۔ کیوں کہ اب بارش بادلوں سے نہیں برس سکتی۔ اب کہاں سے ہوئی بارش؟

یہ ہے اس اعتراض کی اصل جو ملحدوں نے کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ اس نے قرآن میں واٹر سائیکل والی آیات نہ دیکھیں۔ مگر منافقت۔ بس منافقت۔ کہتے ہیں خدا کو نہیں پتہ کہ بارش بادلوں سے برستی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر خدا کو نہیں پتہ تو قرآن میں واٹر سائیکل سے متعلق آیات کیوں ہیں؟ قرآن میں تو دونوں معاملات بیان ہوئے ہیں۔ عمومی بھی اور خصوصی بھی۔ قرآن میں بچہ پیدا ہونے کے تمام مراحل اسی ترتیب سے بیان کر دیے گئے ہیں جس ترتیب سے آج سائنس ہمیں بتاتی ہے۔ وہ بھی اس دور میں جب خود سائنس دانوں کو ان باتوں کا نہیں پتہ تھا۔ مگر قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے آدم کو کھنکھناتی مٹی سے تخلیق کیا۔ کیا خدا کو نہیں پتہ کہ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ قرآن کے بیان کردہ خصوصی معاملات کو عمومی سطح پر پرکھیں گے تو وہی حال ہوگا جو ملحدوں کا ہوا۔

قرآن کی جتنی بھی آیات میں ابتدائی بارش کا ذکر آیا ہے ان میں بادلوں کی جگہ آسمان سے بارش برسنے کا ذکر ہے۔ جس پر ملحدوں نے بغیر یہ دیکھے کہ یہاں زمین کی تخلیق کے بعد ہونے والی بارش کا ذکر ہو رہا ہے اعتراض جڑ دیا کہ خالق کو نہیں پتہ کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے؟ خالق کو تو پتہ ہے مگر زمین پر جب سرے سے پانی ہی نہیں تھا تو بادل کس چیز سے بنیں گے یہ آپ بتا دیں۔ ذرا ملاحظہ کیجیے:

سورہ البقرہ آیت 22

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

"جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے۔ پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ۔ اور تم جانتے تو ہو ۲۲"

سورہ البقرہ آیت 164

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ﴿۱۶۴﴾

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ عقلمندوں کے لئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ۱۶۴"

سورہ الانعام آیت 99

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذٰلِكُمْ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۹۹﴾

"اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں۔ پھر اس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔ اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار، جو ایک دوسرے

سے ملتے جلتے بھی ہیں۔ اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں ۹۹"

سورہ المومنون آیت نمبر 18

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿۱۸﴾

"اور ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا۔ پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کے نابود کر دینے پر بھی قادر ہیں ۱۸"

اس آخری آیت کو پھر دوبارہ پڑھیں۔ بالکل واضح بیان ہے کہ پہلی بار زمین پہ پانی ایک حساب سے ذخیرہ کرنے کی بات کی جاری ہے۔

یہ تمام وہ آیات ہیں جن میں زمین کی تخلیق کے مراحل کا ذکر ہو رہا ہے۔ جن میں پہلی بار پانی کے آسمان سے اتارے جانے کا ذکر ہے۔ اور ان پہ اعتراض کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے اللہ کہے کہ اس نے آدم کو بغیر باپ کے مٹی سے تخلیق کیا اور سائنسدان بغیر سوچے سمجھے منہ اٹھا کر اعتراض کر دے کہ جناب بچہ تو ایک مرد اور ایک عورت کی مباشرت سے پیدا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔

جب زمین پر پانی تھا ہی نہیں تو کون سا سورج؟ کون سا سمندر؟ کون سے آبی بخارات؟ کون سے بادل؟ اور کون سی بارش؟

آپ کبھی کسی سائنسدان سے پوچھ کر تو دیکھیے کہ زمین کی تخلیق کے بعد پہلی بار یہاں پانی کہاں سے آیا۔ ایک ہزار سائنسدانوں سے پوچھیے اور ایک ہزار مختلف جواب لے لیجئے۔ تمام کے تمام مفروضے جن کو بیان کرتے وقت خود سائنسدان آپ سے آنکھیں نہیں ملاتا۔ کیوں کہ ثبوت کسی کے پاس نہیں محض انکل پچو لڑاتے ہیں۔

کسی کو لگتا ہے یہ زمین پانی سمیت ہی پیدا ہوئی تھی۔

کسی کا خیال ہے کہ یہ پانی دوسرے سیاروں سے آیا تھا۔
کوئی کہتا ہے کہ کچھ پانی یہاں موجود تھا کچھ دوسرے سیاروں سے آیا تھا۔
کچھ کہتے ہیں کہ واٹر کرسٹلز کی شکل میں پانی موجود تھا جو بعد میں پانی کی شکل اختیار کر گیا۔

غرض جتنے منہ اتنے نظریے۔ حماقت در حماقت۔

سائنسدان کوئی بھی ہو وہ اس وقت تک عقلمند لگتا ہے جب تک آپ اس سے دنیا میں موجود چلتے ہوئے نظاموں کی توجیہ پوچھتے رہیں۔ وہ انتہائی ذہانت سے آپ کو بتائے گا کہ سورج اپنی گرمی سمندر پر برساتا ہے۔ پھر آبی بخارات بنتے ہیں۔ بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ پھر بارش ہوتی ہے۔ فخر و غرور سے سینہ تنا ہوا ہوتا ہے یہ جوابات دیتے ہوئے۔

پھر آپ اس سے پوچھیے کہ ان چلتے ہوئے نظاموں کا آغاز کہاں سے ہوا؟ دنیا میں آغاز میں پانی کہاں سے آیا جبکہ سمندر ہی نہیں تھے؟

اس کے بعد اس کا منہ دیکھیے۔ غرور کافور ہو جائے گا۔ پھولا ہوا سینہ اچانک پچک جائے گا۔ آنکھیں جھک جائیں گی اور ایک احمقانہ سی من گھڑت کہانی جو زبان بیان کرنا شروع کر دے گی جس کو سنانے والے کو خود اس پر یقین نہیں ہوتا۔ یہ تمام بیغیر سر کہانیاں "ہو سکتا ہے" سے شروع ہو کر "ہو سکتا ہے" پر ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

اللہ کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صرف ابتدا میں ہی یہ معجزات انسان کو دکھائے۔ اس دنیا کو سائنسی طریقے سے چلانا محض انسان کو سمجھانے کے لیے ہے۔ ورنہ خدا کی ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ روزانہ جتنے بچے مرد اور عورت کی مباشرت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اتنے ہی بچے معجزاتی طریقے سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے لیے یہ مشکل نہیں کہ تمام انسانوں کو مثل آدم پیدا کرتا چلا جائے یا مثل عیسیٰ پیدا کرنا شروع کر دے۔ مگر پھر انسان دیوتاؤں پر یقین نہ کر سکے گا۔ جب اس کو اپنی ہی پیدائش سمجھ نہیں آسکے۔

آسمانی بارش کی ابتدا کے بعد بھی ہمیں کئی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ پچھلی امتوں پر نازل ہونے والے عذاب۔ طوفانِ نوح یا کسی امت پر اپنی رحمت کی بارش آسمانوں سے گاہے بگاہے ہوتی رہی ہیں۔ جن آیات میں پچھلی امتوں پہ نازل کیے جانے والے عذاب کا ذکر ہے اس میں بھی بادلوں کی جگہ آسمانی بارش کا ہی ذکر آیا ہے۔ وجہ اس کی بڑی سادہ ہے کہ جب زمین میں اس کے استعمال کے لئے ایک اندازے سے پانی ٹھہرا دیا گیا تو اسے عذاب کے لئے کیوں استعمال کیا جائے گا جبکہ عذاب بھیجنے والا سائنس کا پابند نہیں۔ اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ بغیر کسی سائنسی توجیہ کے آسمان سے بارش برسا دے اور پھر اضافی پانی کو دنیا سے غائب بھی کر دے۔

اب بات کرتے ہیں عموی بارش کی جس سے حضرت انسان واقف ہے اور دعویٰ یہ کہ خدا اس سے واقف نہیں تو لیجئے یہ آیات بھی پڑھ لیجئے۔

سورہ الاعراف آیت 57

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

"اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں۔ پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو (زمین سے) زندہ کرکے باہر نکالیں گے۔ (یہ آیات اس لیے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو ۵۷"

سورہ الروم آیت 48

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن

يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

"خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں۔ پھر خدا اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہ بتہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اُسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ۴۸"

اب سوال یہ ہے کہ اگر خدا یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بادل سے تو پھر ان آیات میں واٹر سائیکل کا بیان کہاں سے آ گیا؟

میں فرض کر لیتا ہوں بعد میں پتہ چل گیا ہو گا۔ تو پھر پچھلی آسمانی بارش والی آیات کو منسوخ کیوں نہ کر دیا گیا؟ کیا قباحت تھی اس میں؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان کے ملحد ہو جانے میں سب سے بڑا کردار اس کی جہالت کا ہوتا ہے۔

ایمان بالغیب کی اللہ نے شرط اسی لئے عائد کی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن میں انتہائی جدید ترین سائنس کی معلومات دی گئی ہے جبکہ انسان کی ترقی کی رفتار اتنی تیز نہیں۔ محدود علم۔ محدود عقل اور محدود ذہانت کے ساتھ جب آپ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو آپ کا منشاء یہ ہوگا کہ پورا قرآن میرے آج تک کے حاصل کیئے گئے علم کے معیار پر پورا اتر جائے۔ یقیناً اترنا چاہیے اگر آپ کا علم صحیح ہو۔ مگر اگر آپ ہی کا علم غلط ہو تب کیا ہوگا؟ بہت زیادہ ماضی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف پچاس سال پہلے سائنس کا سورج ساکن تھا۔ آج حرکت میں ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ سورج اپنے حساب میں تیر رہا ہے۔ یعنی اگر معیار سائنس کو بنایا جائے تو پچاس سال پہلے قرآن غلط تھا پھر جونہی سائنس نے پلٹا کھایا پتہ چلا کہ درحقیقت قرآن نہیں بلکہ ہم ہی غلط ہیں۔ اور جو لوگ اس وقت سائنس پر مکمل بھروسہ کر کے قرآن کا انکار کر بیٹھے اور سورج کے حرکت میں آنے سے پہلے مر گئے ان کو اب جہنم کی آگ سے کون بچائے گا؟

اب بات کرتے ہیں دوسرے اعتراض کی۔

سورہ النور کی آیت نمبر 43 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی بادلوں کو چلاتا ہے۔ اور ان کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ پھر ان کو تہہ بہتہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل میں سے مینہ نکل کر برس رہا ہے۔ اور آسمان میں جو پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر چاہتا ہے ان کو برسا دیتا ہے۔"

اس آیت پر ملحدوں کا اعتراض یہ ہے کہ پہاڑ تو زمین پر ہوتے ہیں آسمان پر کہاں سے چلے گئے؟ پھر ان پہاڑوں سے اولے بھی نازل ہوتے ہیں؟

جواب: "اولوں کے پہاڑ" کی اصطلاح غلط استعمال کی گئی ہے چاہے وہ کسی مسلمان ترجمان نے کی یا ملحد کریں۔ قرآن میں کہیں بھی نہیں لکھا کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے اولے نازل ہوتے ہیں بلکہ جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ آسمان میں پہاڑ ہیں جن سے اولے نازل ہوتے ہیں۔ یہاں خود کو دیہ نتیجہ نہ اخذ کیا جائے کہ چونکہ ان پہاڑوں سے اولے نازل ہوتے ہیں لہٰذا وہ پہاڑ ہی اولوں کے ہوں گے۔ وہ کون سے پہاڑوں کا ذکر ہے اور ان کے متعلق سائنس کیا کہتی ہے یہ میں آپ کو بتاؤں گا۔

سب سے پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ اولے برسنے کی سائنسی وضاحت کیا ہے۔

آسمان میں بادل اپنے ماحول اور ٹمپریچر کے حساب سے کئی طرح کے بنتے ہیں۔

جن بادلوں سے طوفان آنے کا خدشہ ہوتا ہے ان کو سائنسی اصطلاح میں cumulonimbus clouds کہتے ہیں۔ یہ وہ بادل ہیں جن سے گولے جنم لیتے ہیں

طوفان آتے ہیں۔ بجلی کے ماخذ سب سے زیادہ یہی بادل ہوتے ہیں اور اولے بھی زیادہ تر انہیں سے برستے ہیں۔ یہ ہوتے بھی تہہ بہ تہہ ہیں جیسا کہ قرآن نے بتایا۔ سائنس بھی بتاتی ہے کہ ایک بادل دوسرے سے ملتا ہے دوسرا تیسرے سے اور یہ لیئرز کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اولوں کی سائنسی وضاحت یہ ہے کہ جب ان بادلوں سے بارش کے قطرے برسنے کے لئے نیچے گرنے لگتے ہیں تو نیچے سے اوپر کی طرف چلنے والی تیز ہوا جسے سائنسی اصطلاح میں updraft کہتے ہیں وہ انہیں واپس اوپر انہیں بادلوں کے اندر اچھال دیتی ہے جس سے یہ نکلتے ہیں۔ پھر یہ اس حد تک اوپر جاتے ہیں جہاں تک ہوا انہیں اچھالتی ہے۔ ٹھنڈک کے اثرات اور ٹھنڈی ہوا کے دباؤ کی بناء پر یہ قطرے سے برف کے ذرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ذرہ جب بادلوں میں سے دوبارہ عمودی صورت گزرتا ہے تو اس میں مزید پانی کے قطرے مل جاتے ہیں جس سے اس کے سائز میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دوبارہ بادلوں میں سے گزرتے ہوئے زمین کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں تو نیچے سے آنے والی updraft انہیں ایک بار پھر واپس عمودی صورت اوپر کی طرف اچھال دیتی ہے۔ یہ دوبارہ بادلوں میں سے گزرتے ہوئے اور مزید قطرے اپنے اندر سموتے ہوئے اوپر چلے جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ سائز اور وزن لے کر دوبارہ زمین کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر چکر میں اولے کا وزن اور سائز بڑھتا رہتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب یہ اتنے بڑے اور وزنی ہو جاتے ہیں کہ updraft ان کو واپس دھکیلنے کے قابل نہیں رہتی اور یہ اس ہوا کے دباؤ کو چیرتے ہوئے زمین پر جا گرتے ہیں۔ اولے کے سائز اور وزن کا دارومدار ہوا کے دباؤ پر ہوتا ہے۔ جتنا ہوا کا دباؤ زیادہ ہوگا اتنا ہی اولہ بڑا ہوگا۔ ایک اوسط اولے کا سائز گالف کی بال جتنا ہو سکتا ہے۔ زمین پر اب تک ریکارڈ کیا جانے والا سب سے بڑا اولہ آٹھ انچ یعنی تقریباً ایک فٹ بال کے برابر تھا۔ اندازہ لگائیے کہ updraft کس نوعیت کی ہوگی جس نے اسے بادلوں سے نیچے نہ آنے دیا جب تک وہ فٹ بال کے برابر نہ ہو گیا۔

اب اس پورے معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ جو updraft ہوا ہے کو بار بار واپس بادلوں میں دھکیل رہی ہے وہ بادلوں پہ کیا اثر کرے گی؟ سائنس کے مطابق وہ updraft بادلوں کو درمیان سے اوپر کی طرف ابھارنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ من و عن وہی بات ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے۔ ذرا دوبارہ دیکھیے۔

سورہ الروم آیت 48

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (۴۸)

"خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں۔ پھر خدا اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہ بتہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ۴۸"

یہ نیچے سے مسلسل چلنے والی updraft بادلوں کو ابھار کر ایک بڑے پہاڑ کی شکل دے دیتی ہے۔ ایسے پہاڑ جن کی اونچائی سائنس کے مطابق چالیس ہزار سے ستر ہزار فٹ یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ یعنی قرآن کے مطابق جن پہاڑوں سے اولے برستے ہیں وہ در حقیقت یہی cumulonimbus clouds ہیں۔

اب یہاں صرف ایک آخری اعتراض بچتا ہے کہ کیا محض ظاہری شکل پہ بادل کو پہاڑ قرار دے دینا سائنسی ہے؟

تو اس کا جواب تو خود NASA نے دے دیا۔ آپ صرف اتنا کیجئے کہ گوگل پہ Hot towers لکھ کر سرچ کیجئے۔ آپ کے سامنے جو ویب سائٹس اور تصاویر آئیں گی وہ کسی ٹاور کی نہیں ہوں گی بلکہ یہی cumulonimbus clouds کی ہوں گی۔

A hot tower is a tropical cumulonimbus cloud that penetrates the tropopause, i.e. it reaches out of the lowest layer of the atmosphere, the troposphere, into the stratosphere. In the tropics, the tropopause typically lies at least 15kilometres(9.3mi(above sea level. These towers are called''hot''because they rise high due to the large amount of latent heat released as water vapor condenses into liquid and freezes into ice.[1]

یعنی اعتراض اگر یہ کیا جائے کہ پہاڑ تو زمین پر ہوتے ہیں آسمان پر کہاں سے آگئے تو ٹاور بھی زمین پر ہی ہوتے ہیں۔ آسمان پر کیسے پہنچ گئے؟ یہاں یہ بھی نہیں کہا گیا کہ ٹاور کی شکل کے بادل یا ٹاور جتنے اونچے بادل۔ بلکہ نام ہی ان کا ہاٹ ٹاورز رکھ دیا۔ تشبیہ کی آخری حد بھی ہوتی ہے۔

اصل مقصد ہے بادلوں کی اونچائی کو اجاگر کرنا جس کے لئے اللہ نے اپنے ایجاد کردہ اونچے پہاڑوں کی طرح ان کو پہاڑ سے تشبیہ دے دی۔ تو سائنس نے اپنے ایجاد کردہ اونچے ٹاورز کی بابت ان کو ٹاورز سے تشبیہ دے دی۔

اس پورے معاملے کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ان عمودی بادلوں کی ظاہری شکل زمین سے نظر نہیں آتی۔ انسان کو ان کے بارے میں اس وقت پتہ چلا جب اس نے ہوا میں اڑنا شروع کیا۔ جہازوں سے۔ سیٹلائٹس سے جب انہیں اوپر سے دیکھا گیا۔ مگر آج سے چودہ سو سال پہلے جب قرآن نازل ہو رہا تھا تب انسان کے پاس کوئی ایسی تکنیک نہیں تھی جس کے ذریعے اوپر جا کر بادلوں کی اس شکل کو دیکھ کر انہیں پہاڑ قرار دیا جاتا۔ اس بات کا اندازہ ہوتا کہ ہوا کے دباؤ سے بادل ابھرتے ہیں۔ یہ آیتیں عقل رکھنے والوں کے لئے کسی آسمانی خدا کا ہی تصور دیتی ہیں۔

○

انسان کی قدیمیت

نظریۂ ارتقاء کے مطابق انسان اس دنیا میں قریب دو لاکھ سال سے موجود ہے۔
ں سے پہلے بھی موجود تھا مگر کسی اور شکل میں۔
کیا واقعی یہ سچ ہے؟
آیئے سائنس ہی کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔
پہلے بات کرتے ہیں آبادی کی۔
دنیا کی آبادی اس وقت یعنی سال 2017 میں تقریباً سات ارب انسانوں پر
شتمل ہے۔ مگر یہ تعداد آج سے سوا تین سو سال پہلے محض 32 کروڑ تھی۔ یہ اس وقت کے
اریاتی ماہرین کا اندازہ ہے۔ آج کے ماہرین کے مطابق 64 کروڑ تھی۔ دونوں میں سے
سے بھی صحیح مان لیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں سائنس ہمیں انسانوں کی کل تعداد اندازاً 5
کروڑ بتاتی ہے۔ 12 ہزار سال پہلے انسانوں کی کل تعداد دس سے پندرہ لاکھ تھی۔ ستر ہزار
سال پہلے سائنس کے اندازے کے مطابق انسانوں کی تعداد ایک ہزار سے دس ہزار
انسانوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ اس سے پچھلے سوا لاکھ سالوں میں کیا ہوتا رہا سائنس کو نہیں
۔

اب دوسری کہانی سنیئے۔
انسان کی اس وقت یعنی 2017ء میں اوسط عمر 79 سال ہے۔ آج سے دو سو سال
پہلے انسان کی اوسط عمر 40 سال تھی۔ دس ہزار سال پہلے یہ پندرہ سے تیس سال کے درمیان

تھی۔ آج سے دو لاکھ سال پہلے جب انسان ارتقاء پزیر ہوا تو اوسط عمر محض 18 سال تھی۔
اب اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔
آج کی آبادی میں اور آج سے تین سو سال پہلے کی آبادی میں تقریباً کیس گنا فرق ہے۔ پھر سترہویں صدی اور چوتھی صدی میں فرق بارہ گنا کا ہے۔ پھر چوتھی صدی اور دس ہزار سال پہلے کی آبادی میں فرق 33 گنا کا ہے۔
اب اگر میں آج سے بیس ہزار سال پیچھے جاؤں تو دنیا میں انسانوں کی تعداد ہزار کے قریب بچتی ہے۔ اور اگر تیس ہزار سال پیچھے جاؤں تو یہ تعداد کم ہو کر 400 انسانوں پر مشتمل ہو گی۔ چالیس ہزار سال پہلے یہ تعداد محض 41 انسانوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ پچاس ہزار سال پہلے صرف ایک آدمی۔
جی ہاں۔
صرف ایک آدمی۔ اب آدمی تھا یا عورت مجھے نہیں پتہ۔ آدمی ہو گا تو عورت ارتقاء کے مراحل سے گزر رہی ہو گی اور عورت ہو گی تو آدمی کہیں ارتقاء کی لائن میں لگا ہوا ہو گا۔
اس حساب کو میں نے احتیاطاً سائنس ہی کے فارمولے سے دس ہزار سال تک اکتیس گنا پر تقسیم کیا ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ اگر ہم اندازوں کو پس پشت ڈال کر صرف علمی بنیاد پر آج اور آج سے تین سو سال پہلے کی آبادی کی مناسبت سے حساب لگائیں تو انسان کے وجود کی یہ کہانی دس سے پندرہ ہزار سال میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر میں انسان کی اوسط عمر کو 18 میں مانع کرتا رہوں تو انسان کے وجود کا آج تک برقرار رہنا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔
یہ اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ دو لاکھ سال پہلے وجود میں آنے والے انسان کی ایک تو شرح پیدائش کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی بلکہ اوسط عمر بھی کم تھی۔ دونوں باتیں بجائے اصلاح اور قدرتی انتخاب میں زبردست خامیاں تسلیم کی جاتی ہیں مگر ہم موجود ہیں۔ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا پر راج کر رہے ہیں۔

یہ معاملہ دو ہی شکلوں میں سمجھ آتا ہے۔

ا۔ انسان کی تاریخ زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار سال پرانی ہو۔ اس سے زیادہ پرانی نہ ہو۔ اور اس کی اوسط عمر ابتدا میں ایک ہزار سے پندرہ سو سال کے درمیان ہو۔

۲۔ اگر انسانی تاریخ دو لاکھ سال پرانی ہے تو ابتدا میں انسان کی اوسط عمر بجائے 18 سال کے پانچ ہزار سال سے دس ہزار سال کے درمیان تسلیم کی جائے۔

یعنی ایک ہی انسان دس سے پندرہ ہزار سال تک زندہ رہے اور اس پورے عرصے میں وہ محض ایک سے دو بچے پیدا کرے۔

کیسے؟

یہ مجھے نہیں پتہ۔ فیملی پلاننگ کرے یا کچھ اور۔

پھر اسی طرح سے یہ سلسلہ آگے چلتا جائے اور آہستہ آہستہ آبادی آگے بڑھے تو بات سمجھ آتی ہے۔ ورنہ اٹھارہ سال کی عمر رکھنے والا انسان جو بچے بھی پیدا نہیں کر رہا اس کا تو وجود سو سال آگے نہیں جا سکتا۔ دو لاکھ سال تو بہت دور کی بات ہے۔

○

انسان کی قدامت (حصہ دوم)

پہلا حصہ ہم نے 2017 سے شروع کیا تھا اور پچاس ہزار سال پیچھے تک (ریورس) چلے گئے تھے۔ یہ حصہ ہم دو لاکھ سال پیچھے سے شروع کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

ارتقائی نظریے کے مطابق انسان اس دنیا میں تقریباً دو لاکھ سال یا اس سے کچھ پہلے سے ہے۔ مزید ارتقائی نظریہ یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کا ارتقاء ایک جگہ یا ایک انسان کی صورت میں نہیں ہوا۔ بلکہ انسانوں کا ایک گروپ تھا جس کا ارتقاء ہوا۔ اب وہ چاہے مختلف علاقوں کے ہوں۔ پھر ارتقائی نظریہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس دور کے انسان یعنی ہومو سیپینز صرف آپس میں جنسی اختلاط نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی طرح کی دوسری مخلوقات جیسے نیانڈرتھال اور ہومو ایریکٹس وغیرہ سے بھی اختلاط ہو جاتے تھے۔ پھر سائنس ہمیں اس دور کے انسان کی اوسط عمر بھی بتاتی ہے اور وہ ہے 18 سال۔

اب اس ساری معلومات کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس آرائی کی کوشش کرتے ہیں اور مفروضے قائم کرتے ہیں۔

پہلے سو سال:

پہلے پہل جب انسانوں کے ایک گروپ کا ارتقاء ہوا تو ان کی کم سے کم تعداد کتنی ہونی چاہیے؟

میرے حساب سے کم از کم پانچ تو ہونی چاہیے۔

انسان پر یہ بات فٹ ہی نہیں بیٹھتی۔ اگر تو انسان آدم اور حوا کی صورت تخلیق کیا گیا تو غیر تربیت یافتہ گردانا جاسکتا ہے۔ مگر جو انسان جرثومے سے سفر شروع کر کے لاکھوں سال کے راستے تمام معلومات اپنے ڈی این اے میں منتقل کر کر کے انسان بن چکا اس کے تربیت یافتہ ہونے میں کیسا شک؟ اگر وہ غیر تربیت یافتہ تھا تو کسی ماں نے کبھی کوئی تربیت دی ہی نہیں۔

لیکن پھر بھی ہم فرض کر لیتے ہیں کہ انسان کی تربیت میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہو گی۔

پھر ایک سال چھوڑ کر سترہویں سال باقی بچے چار جوڑوں کے ہاں ایک ایک بچے کی اور ولادت ہوگی اور آبادی جا پہنچے گی 24 افراد پر۔ جن میں چار جوڑے علاوہ سولہ بچے ہوں گے۔ اب اس کہانی میں ایک افسوس ناک پہلو آئے گا۔ کیوں تمام جوڑے اپنی عمر جو کہ سائنس کے مطابق 18 سال ہے گزار چکے۔ اب انہیں مرنا ہے۔ تو تمام جوڑے مر جائیں گے۔ پیچھے رہ گئے ننھے منے بچے۔ یتیم مسکین بچے۔ ان کو پالنے کے لئے اب کوئی بھی دستیاب نہیں۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بچوں کے بڑے ہونے تک افزائش کا سلسلہ کیسے چلے گا۔ تو فکر مت کیجیے۔ یہ کوئی 2017 نہیں ہے جہاں ارتقاء رک چکا۔ بلکہ اٹھارواں ارتقائی سال ہے جہاں ابھی ارتقاء اپنی پوری آب و تاب سے جاری ہے۔

تو اس کہانی میں ہم دو گروپس کا اور ارتقاء کر کے ان کو شامل کر لیتے ہیں۔ یہ گروپس پچھلے گروپ کے بچوں کو گود لے لیں گے اور اپنے نئے بچے پیدا کرنے شروع کر دیں گے۔

اس بار ہم احتیاطاً نئے ارتقاء پذیر جوڑوں کا ارتقاء بجائے بچپن کے جوانی یعنی بارہ سال کی عمر سے کریں گے۔ کیوں اس بار انہیں اپنے پچھلے بچے بھی پالنے ہیں۔

اگلے چھ ارتقائی سالوں میں ارتقائی عمر جا پہنچے گی چوبیس تک۔ اور انسانوں کی

ہو جائے گی 58۔

اسی طرح اگر ہم آگے چلتے جائیں تو پہلے ہی سو سالوں میں انسانوں کی تعداد [illegible]رہ سو سے تجاوز کر جائے گی۔ یہ وہ اندازہ ہے جس کے بارے میں سائنس کا یہ دعویٰ ہے [illegible] آج سے ستر ہزار سال پہلے وہ اس تعداد کو پہنچا۔ یعنی سوا لاکھ سال میں انسانوں کی تعداد [illegible]رہ سو تک پہنچ رہی ہے جبکہ انتہائی سادہ اور عام فہم حساب سے یہ تعداد صرف سو سالوں [illegible] حاصل ہوتی ہے۔

اس بیچ کئی بار آبادی پر کنٹرول کرنے کے لیے میں نے انسانوں کو شیروں کے آگے بھی ڈالا۔ کھائیوں سے نیچے بھی گرایا۔ قدرتی موت تو انہوں نے مرنا ہی تھا اٹھارہ سال بعد۔ پھر اس بات کا بھی خیال رکھا کہ بچوں کی بریڈنگ ایج بارہ سال سے پہلے شروع نہ ہو۔ اس کا بھی خیال رکھا کہ کوئی ایک جوڑا تین سے زیادہ بچے نہ پیدا کرنے پائے۔ مگر اس کے باوجود یہ تعداد صرف سو سالوں میں پندرہ سو سے تجاوز کر گئی۔

اس سے آگے حساب میں کر نہیں پایا کیوں کہ یہ بہت زیادہ پیچیدہ حساب ہے۔ مگر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس رفتار سے انسان اپنی موجودہ آبادی صرف تین سے چار ہزار سال میں حاصل کر سکتا ہے۔ اس کام کے لئے اسے دو لاکھ سال تک جوتے چٹخانے کی ضرورت نہیں۔

یہ سچ ہے کہ میں نے انسانی ارتقاء کا آغاز ایک جوڑے کے بجائے دس جوڑوں سے کیا۔ پھر کچھ عرصے تک مزید چیمپینزیز کا ارتقاء بھی کرواتا رہا۔ بعد میں آبادی کی بڑھتی شرح دیکھتے ہوئے مجھے ارتقاء روکنا پڑا۔ ورنہ شاید تین ہزار سال بھی نہ لگتے۔ مگر یہ سب کچھ مجھے مجبوری میں کرنا پڑا۔ سائنس یہی سب بتاتی ہے۔ ورنہ عمومی حساب اور تجربات کی رو سے انسان کا دس پندرہ ہزار سال سے زیادہ قدیم ہونا ناممکن ہے۔

○

قرآن کی پیش گوئیاں

میں نے اپنی پچھلی تحریر "کائنات کی پیدائش۔ معجزہ یا حادثہ؟" میں بیان کیا
کہ بیسویں صدی سے پہلے انسان اس کائنات کو دائمی سمجھتا تھا۔ یعنی جس مادے سے
کائنات وجود میں آئی وہ ہمیشہ سے ہے۔

مگر بیسویں صدی کے اوائل میں ایک سائنسدان جارج لیمیٹر نے دعویٰ کیا کہ
یہ کائنات پھیل رہی ہے۔ 1927 میں کیے گئے اس دعوے کے دو سال بعد ایڈون ہبل نامی
سائنسدان نے اس کی تصدیق کر دی جس کو Hubble's law کا نام دیا گیا۔

ہبل نے اس بات کی تصدیق کی کہ کائنات میں موجود تمام اجرام تیزی سے ایک
دوسرے سے دور جا رہے ہیں اور یہ کائنات ایک مخصوص رفتار سے پھیل رہی ہے۔

کائنات کے پھیلاؤ کی تصدیق کے بعد اب اس نظریے کا کوئی جواز نہیں بچا۔
کائنات ہمیشہ سے ہے۔ کیوں کہ اگر تمام اجرام فلکی ایک دوسرے سے دور جا رہے ہیں تو
ایک ایسا پوائنٹ ضرور رہا ہوگا جب یہ تمام آپس میں باہم ملے ہوئے ہوں گے۔ اس پوائنٹ
کو سائنس میں "سنگولیریٹی" کا نام دیا گیا ہے۔ کائنات کے اسی پھیلاؤ کی رفتار سے کائنات
کی ابتدا کا حساب بھی نکالا گیا ہے جو سائنسدانوں کے مطابق چودہ بلین سال بنتے ہیں۔

یعنی اگر آپ چودہ بلین سال پیچھے چلے جائیں تو آپ کو یہ سب اجرام آپس میں
جڑے ہوئے ملیں گے۔ پھر ان کا پھٹنا اور جدا ہو جانا مشاہدے میں آئے گا۔ جسے "بگ
بینگ" کا نام دیا گیا۔ پھر یہ ایک مخصوص رفتار سے ایک دوسرے سے دور جانا شروع ہو

چاہیں گے جسے ہم کائنات کا پھیلاؤ کہتے ہیں۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جو خالق کے کلام میں پچھلے چودہ سو سال سے موجود ہیں۔

The universe is expanding.

قرآن اس کا ذکر یوں کرتا ہے۔

سورہ الذریات۔ آیت 47

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

"اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی اس کی توسیع کر رہے ہیں ۴۷"

لَمُوْسِعُوْنَ کا لفظ توسیع سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وسعت دینا یا پھیلانا۔

اب یہاں اعتراض یہ بنتا ہے کہ یہاں کائنات کی نہیں بلکہ آسمان کی بات ہو رہی ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ اعتراض کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کو نام ہم نے خود دیا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ قرآن جس کو الارض کہتا ہے اسے ہم زمین کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسی کو ارتھ کہا جاتا ہے۔ مگر اس سے بنیادی متن کو فرق نہیں پڑتا۔ اسی مناسبت سے جس کو ہم نے کائنات کا نام دیا اس کے لئے قرآن السماوات کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بگ بینگ کے وقت کائنات کی شکل کیا تھی؟

سائنس کی نئی تحقیق کے مطابق یہ گیسز کا مجموعہ یا بادل کی شکل میں تھی۔

یہ بات قرآن کچھ یوں بیان کرتا ہے۔

سورہ الفصلت۔ آیت 11

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ﴿۱۱﴾

"پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں ۱۱"

دخان کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی میں دھوئیں کو کہا جاتا ہے۔

پھر قرآن بگ بینگ کا بھی وہی نقشہ پیش کرتا ہے جو آج سائنس میں مقبول ہے

سورہ الانبیاء۔آیت 30

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

"کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں جڑے ہوئے تھے ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیا۔ اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ۳۰"

رتق کا مطلب یکجا ہونا اکٹھا ہونا ایک دوسرے سے جڑا ہونا۔ فتق کا مطلب جدا کرنا یا پھاڑ دینا۔

ایک بات اس آیت میں اور بھی قابل غور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا

"کیا کافروں نے نہیں دیکھا"

اس آیت میں کافروں کے دیکھنے کی بات کیوں کی جا رہی ہے؟

یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ

"کیا لوگوں نے نہیں دیکھا"

مگر کفروا کا اضافہ کر کے اللہ تعالیٰ نے بگ بینگ کا پہلا مشاہدہ کرنے والے لوگ بھی بتا دیئے۔

یعنی اگر مسلمان بگ بینگ کی بابت دریافت کرتے تو قرآن پر شک برقرار رہتا کہ اپنے قرآن کی خود ہی تصدیق کر رہے ہیں۔ مگر یہاں دریافت کافر کے اپنے ہاتھوں

ہے کہ رہائی جاری ہے۔ اس کا پہلا مشاہدہ کفار کر رہے ہیں اور تصدیق قرآن کی ہو رہی

سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جب قرآن میں پہلے ہی لکھا ہوا ہے تو مسلمان کیوں
یں دریافت کر لیتے۔ یقیناً یہ آیات قرآن میں 1927 سے پہلے بھی موجود تھیں۔ مگر اس
ت اگر کوئی انہیں پڑھے گا بھی تو تصدیق کیسے کرے گا؟
پڑھ کر یقین کرنا اور بات ہے مگر سائنس کے میدان میں ترقی کر کے اس کی من و
عن تصدیق اور بات۔
یہ وہی بات ہے جو پچھلی تحریر میں میں نے ایک اگنا سٹک سائنسدان رابرٹ
جیسٹرو کی مثال کی تھی۔
وہ لکھتے ہیں:

"For the scientist who has lived by his faith in the power of reason, the story ends like a bad dream. He has scaled the mountain of ignorance he is about to conquer the highest peak as he pulls himself over the final rock, he is greeted by a band of theologians who have been sitting there for centuries".

"ان سائنسدانوں کے لئے جو اس عقیدے پر قائم ہیں کہ ہر چیز کی توجیہ کی جا
سکتی ہے کہانی ایک برے خواب پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ وہ جہالت کے پہاڑ کو کھنگالتے ہوئے
اوپر چڑھتا ہے۔ بس وہ علم کے میدان میں سب سے زیادہ اونچائی سر کرنے کو ہے۔ جیسے ہی
وہ آخری چٹان پر پیر رکھ کر اوپر چڑھتا ہے اسے عالموں کی ایک جماعت کی طرف سے خوش
آمدید کہا جاتا ہے جو وہاں صدیوں سے بیٹھی ہے۔"

O

ارتقائی سائنس اور تخلیقی سائنس

قارئین! کل میں نے ایک تحریر لکھی تھی "سمندر کے نظام"۔ اور کچھ دن پہلے میری تحریر آئی تھی "انسان کی قدیمیت"۔

آج کی ہماری تحریر انہی دونوں تحریروں سے متصل ہے۔

کل میں نے بتایا تھا کہ سمندر نمکین کیسے ہوا۔

سائنس کے مطابق بارش کا پانی جب پہاڑوں پر چٹانوں پر اور زمین دوز راستوں سے گزرتا ہوا واپس سمندر میں گرتا ہے تو وہ اپنے ساتھ مختلف معدنیات کو سمندر میں پہنچانے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ ان معدنیات میں ۸۰ فیصد مقدار اس نمک کی ہوتی ہے جسے ہم عموی طور پر کھانے میں استعمال کرتے ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا یہ نمک مسلسل پانی میں شامل ہو رہا ہے یا نکالا بھی جا رہا ہے؟

اس پر سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ سمندر میں نمک شامل ہونے اور اس کے نکلنے میں ایک توازن قائم ہے۔ آبی حیات اس نمک کو جذب بھی کرتی ہے پھر کئی سمندری چیزیں جن میں سیپ اور خول وغیرہ شامل ہیں وہ ان کیمیکلز سے تشکیل پاتے ہیں۔ سمندری نمک انسان بھی نکالتے ہیں اور استعمال میں لیتے ہیں۔

سمندری حیات اس نمک کو کس کس کام میں استعمال کرتی ہے اس بارے میں سائنس کی زیادہ ریسرچ موجود نہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس کے استعمال کے بارے میں

ری تحقیق حتمی نہ ہو۔ مگر ایک بات سائنس یقین کے ساتھ کہتی ہے کہ جتنا نمک سمندر میں
جاتا ہے اس سے کچھ کم نمک سمندر میں یا تو استعمال ہو جاتا ہے یا واپس نکل جاتا ہے۔

اب اگر ایسا نہ ہو تو کیا ہوگا؟

یعنی نمک شامل ہوتا رہے۔ مگر واپس نہ نکلے تب؟

ایسی صورت میں ہمارے تمام سمندر کثافت میں شدید اضافے کی وجہ سے مردہ
ہو جائیں گے۔ جس کی ایک مثال بحیرۂ مردار کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سمندر میں یہ نمک ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے یا اس میں دن
بدن اضافہ ہو رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سمندر میں نمک کی مقدار نہ تو ہمیشہ سے اتنی ہے نہ ہی ہمیشہ
اتنی رہے گی۔ بلکہ یہ ہر گزرتے سال کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ جس رفتار سے یہ مقدار بڑھ
رہی ہے وہ انسانیت کے لئے اتنا سنجیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس رفتار سے
اس تمام سمندر کو بحیرۂ مردار بننے میں جتنا وقت درکار ہے اتنے وقت سے پہلے یہ زمین کسی
اور وجہ سے تباہ ہو چکی ہو گی۔ لہٰذا اس پہلو پر مزید بات کرنا فضول ہے۔

مگر اس بحث کا ایک پہلو اور بھی ہے۔

ہم آج جدت کے اس دور میں جی رہے ہیں کہ جس میں COBE کے تجربے
سے ہم محض کائنات کا پھیلاؤ دیکھتے ہیں۔ اس کی رفتار ناپتے ہیں اور کائنات کی عمر دریافت
کر لیتے ہیں۔

تو کیا ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم سمندر کی بڑھتی ہوئی کثافت کی رفتار سے
سمندر کی عمر کا اندازہ لگا لیں۔

اگر میں پچھلے سو سال کی سائنس کو دیکھوں تو ایسی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔
مگر اٹھارویں صدی کے آخر میں کچھ سائنسدان اس طریقہ کار سے زمین کی عمر
نکالنے کے تجربے کر چکے ہیں۔ جن کی تفصیلات ایک امریکی جیالوجسٹ جارج ایف بیکر

اپنی 1910 میں شائع ہوئی کتاب The age of the earth میں شائع کر چکے تھے
پھر اس حساب کتاب سے جو نتائج سامنے آئے وہ بڑے حیران کن تھے
اس سمندری نمک کے حساب کتاب سے اس سائنسدان نے زمین کی جو عمر
کی وہ COBE تجربے میں ملے کی گئی عمر سے کافی کم ہے۔ کئی سائنسدانوں نے یہ تجربے
کیئے اور تمام سائنسدانوں کے مطابق اس طریقہ کار کے مطابق زمین کی عمر چھ کروڑ سال
سے دس کروڑ سال ہے۔ خود جارج ایف بیکر کے مطابق زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے زیادہ
نہیں ہونی چاہیئے۔ جبکہ COBE تجربے کے مطابق یہ زمین ساڑھے چار ارب سال پرانی
ہے۔

یہاں اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ سمندری نمک سے زمین کی عمر
نکالنے کا تجربہ اتنا زیادہ ایکوریٹ نہ ہو۔ مگر ساڑھے چار ارب سال اور چھ کروڑ سال میں
زمین آسمان کا فرق ہے۔

پھر ایک اعتراض یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمندری کثافت کے اضافے سے سمندر کی
عمر نکالی جاسکتی ہے نا کہ زمین کی۔

یہ اعتراض بالکل جائز ہے مگر اس میں مزید اعتراضات یہ ہوسکتے ہیں کہ اگر آج
سے چھ کروڑ سال پہلے یہ سمندر میٹھا تھا تو کتنے عرصے پہلے وجود میں آیا ہوگا؟

میٹھے پانی کے تعفن زدہ ہونے کے جو تحفظات سائنس میں پائے جاتے ہیں ان کو
دیکھ کر لگتا نہیں کہ اس معاملے کو ایک ہزار سال بھی مزید پیچھے گھسیٹا جا سکتا ہے مگر میں مقدم
بالتقدم کے طور پر اس کو ایک لاکھ سال پیچھے بھی گھسیٹ لوں تو نتیجے میں جو کہ چھ کروڑ سال ہے
ایک لاکھ سال کا ہی اضافہ ہوگا۔ اس سے پہلے پانی کا وجود نہیں ملتا۔

پھر اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب پانی وجود میں آیا تو سورج تو پہلے سے موجود
تھا۔ یعنی بارش کا سلسلہ فوراً شروع ہوگیا ہوگا اور نمک ملنے کا آغاز ہوگیا ہوگا۔

بہرحال زمین ساڑھے چار ارب سال پرانی ہے یا چھ کروڑ سال؟

اب اگر ہم ان دونوں باتوں کو صحیح تسلیم کرلیں تو صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ زمین تو ساڑھے چار ارب سال پہلے وجود میں آئی مگر زمین پر پانی محض چھ کروڑ ایک لاکھ سال پہلے وجود میں آیا۔ اس سے پہلے زمین موجود ہوگی مگر بغیر پانی کے۔

اب پانی کہاں سے آیا اس پر مختلف نظریات ہیں۔

کوئی کہتا ہے کرسٹلز کی شکل میں موجود تھا جو پگھل گئے اور ایسے پگھلے کہ پوری زمین پانی سے بھر گئی۔ کچھ کہتے ہیں پانی کسی دوسرے سیارے سے آ گیا۔ یہ بات مجھے تو سمجھ نہیں آتی۔ یہ دو سیارے تھے یا دو لوٹے تھے کہ ایک لوٹا الٹ گیا اور اس کا پانی دوسرے لوٹے میں گر گیا؟ ہر سیارہ اپنے آغاز سے اپنے اجسام کو اپنا پابند رکھنے کے لئے ایک جیسی کشش برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جب تک اس کشش میں کسی وجہ سے تبدیلی نہ ہو اس وقت تک اس سیارے کی کوئی بھی چیز دوسرے سیارے پر خود بخود منتقل نہیں ہو سکتی۔ تو کیا سائنس میں کسی سیارے کی کشش کے تبدیل ہونے کی کوئی گنجائش موجود ہے؟ میں فرض کر لوں کہ پانی مریخ سے آیا۔ تو کیا مریخ کی کشش کم ہو گئی تھی اور زمین کی کشش بڑھ گئی تھی جو پانی یہاں آن گرا؟ پھر اگر ایسا ہوا بھی تو صرف پانی ہی کیوں گرا؟ اور چیزیں وہاں کی کیوں نہ یہاں آ گریں؟ پھر پورا سیارہ ہی کیوں نہ آ کر ٹکرا گیا زمین سے؟ یا مریخی مخلوق بالٹیوں میں پانی بھر بھر کے یہاں چھوڑ گئی؟

یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے۔

یعنی اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین پہلے وجود میں آ چکی تھی پانی بعد میں آیا تو یہ عقدہ حل نہیں ہوتا کہ پانی کہاں سے آیا۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین پانی سمیت پیدا ہوئی تو زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے زیادہ نہیں بنتی۔

یقیناً کوئی ایک سائنسدان غلط ہے۔

کون؟

مجھے نہیں پتہ۔

یہ سائنسدانوں کا مسئلہ ہے وہ آپس میں خود طے کریں گے۔ مگر یہاں مقصد
طلب پہلو یہ ہے کہ اگر یہ کروڑ سال پہلے زمین کے وجود یا محض پانی کے وجود کا نظریہ
بھی صحیح ہے تو نظریہ ارتقاء زمیں بوس ہو جاتا ہے جو اس نظریے سے کافی عرصہ
ڈارون نے متعارف کروایا تھا۔
آج کے سائنسدانوں نے زمین کے Young age model کو غلط قرار
دیا ہے۔
مگر جن وجوہات کی بناء پر اس کو غلط قرار دیا گیا بدقسمتی سے وہ تمام وجوہ
hubble's law اور COBE experiment میں بھی موجود ہیں۔
سائنسدانوں نے جن وجوہات کی بناء پر سمندری نمک کے کلاک کو غلط قرار دیا
ان میں سے چند بنیادی وجوہات یہ ہیں۔
۱۔ سمندر میں نمک کی مقدار کسی مخصوص رفتار سے نہیں بڑھ رہی بلکہ سمندر میں
نمک شامل ہونے اور اس میں سے نمک نکلنے کے درمیان ایک توازن قائم ہے۔
اب اگر آپ یاد کریں تو میری ایک تحریر "قرآن کی پیشگوئیاں" پر ایک خاتون
ملحدہ نے صرف اس بات پر اعتراض کر دیا تھا کہ میں نے تحریر میں غلطی سے لکھ دیا تھا
کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار مخصوص ہے۔ پھر انہوں نے تصحیح کی کہ کائنات کے پھیلاؤ کی
رفتار مخصوص نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔
اب ہم نے کیا یہ کہ کائنات کا پھیلاؤ پھر اس کے بڑھنے کی رفتار سے ایک الجبرا کا
کلیہ قائم کر کے اس کے نکتۂ آغاز کا پتہ لگا لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں پتہ چلا کہ کائنات کا آغاز
چودہ ارب سال پہلے ہوا۔
مگر یہی کام ہم نے سمندری نمک کے اضافے کی رفتار کے ساتھ نہیں کیا۔
کیوں؟
کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار بھی مخصوص نہیں ہے بلکہ دن بدن بڑھ رہی ہے۔

سمندر میں نمک کی مقدار ابھی اتنی نہیں بلکہ ان چار جز سے ہی ہے۔ تو جو فارمولا وہاں لگا وہ یہاں کیوں نہ لگا؟

دوسرا اعتراض جو کیا گیا وہ یہ ہے۔

۲۔ ہم یہ بات کیسے تسلیم کر لیں کہ آغاز خالص میٹھے پانی سے ہوا جبکہ اس مفروضے کے ثبوت کا کوئی مواد موجود ہی نہ تھا۔ ممکن ہے کچھ نمک آغاز میں سمندر میں موجود ہو۔

یہ اعتراض ریان میک گورے کا ہے۔ ان سے بندہ پوچھے کہ کیا بگ بینگ کسی اسٹیڈیم میں منعقد ہوا تھا اور عوام کا ایک جم غفیر موجود تھا اس حادثے کو دیکھنے کے لیے؟

یہ حساب کتاب ہے جس میں ہم کچھ چیزوں کی رفتار توازن اور فاصلہ دیکھ کر ایک اندازہ قائم کر لیتے ہیں۔ اس حساب پر سمندری نمک والے فارمولے پر اعتراض کریں گے تو اس کا اطلاق بگ بینگ پر بھی ہو جائے گا۔

اور پھر اگر ان کے اعتراض کا گہرائی میں جا کر جائزہ لیا جائے تو وہ انہی کے خلاف پڑتا ہے۔ یعنی اگر ہم فرض کر لیں کہ سمندر میں کچھ نمک آغاز میں ہی موجود تھا تو ایسی صورت میں زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے بھی کم نکلے گی نا کہ ساڑھے چار ارب سال تک پہنچ جائے گی۔

کچھ سائنسدانوں کے مطابق سمندر میں نمک کی مقدار بڑھ نہیں رہی بلکہ ہمیشہ ایک سی رہتی ہے۔

اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے تو سائنس کو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ سمندر میں اتنا ہی نمک ہمیشہ سے ہے اور یہ بارشوں سے خود بخود سمندر میں بہہ بہہ کر نہیں آ رہا بلکہ کسی نے ملایا ہے اور اس نے اس کو ایک خاص مقدار تک محدود رکھنے کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔

مگر سائنس یہ بھی نہیں مانتی۔ یعنی چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی۔

پھر جو آخری اعتراض اس طریقے پر کیا گیا وہ بڑا عجیب ہے۔

۳۔ جتنے بھی سائنسدانوں نے زمین کی عمر دریافت کرنے کے لئے سمندری

ٹ کا تجربہ کیا وہ ہبل (بائبل سے متاثر) تھے اور تخلیقی کائنات کے حامی تھے جس کے نتائج ہوئے زمین کی گرم ہتالی۔

سبحان اللہ۔ اسے کہتے ہیں سائنس میں فرقہ واریت پھیلنا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ COBE experiment میں شامل تمام سائنسدان ڈارونی تھے اور ارتقائی کائنات کے حامی تھے تو کیا یہ سائنس ہی کہلائے گی؟

یہ تمام معاملات دیکھ کر لگتا ہے کہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے پہلے سائنس صرف سائنس ہوتی تھی جو ہر ایک کے لئے یکساں قابل بھروسہ تھی۔

مگر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے بعد اب سائنس دو فرقوں میں بٹ چکی ہے

ایک تخلیقی سائنس اور دوسری ارتقائی سائنس۔

کون جھوٹا ہے کون سچا؟

ہمیں کیا پتہ۔

○

خدا کے بغیر انسان کے تصورات

میں خدا کو کیوں مانتا ہوں اس کا تعلق میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات سے

ہے۔

یہ سوالات اسی نوعیت کے ہیں جس نوعیت کے سوالات نے نیوٹن کو گریویٹی کا

تصور دیا۔

کیا اس نے گریویٹی کو دیکھ لیا تھا؟ یا پا لیا تھا؟

جی نہیں۔

اس نے گریویٹی کو نہیں سیب کو دیکھا تھا۔ سیب کے نیچے گرنے سے اس نے یہ

اندازہ لگایا کہ کوئی نادیدہ قوت ہے جو اشیاء کو زمین کی طرف کھینچتی ہے۔

اس کو منطقی استدلال کہتے ہیں۔ یعنی بغیر دیکھے محض صفات کی بناء پر کسی کے وجود

کا یقین کر لینا۔

سوال ہر انسان کے ذہن میں اٹھتے ہیں۔ سوچنا انسان کا خاصہ ہے۔ اسی سوچ

کی بنیاد پر وہ تصورات قائم کرتا ہے۔ کسی کی سوچ اور سوالات اسے خدا کے وجود کا یقین دلا

دیتے ہیں۔ کسی کی سوچ اور سوالات اسے ملحد بنا دیتے ہیں۔

میرے سوالات جو پہلے تھے وہی آج بھی ہیں۔

میں اشیاء کے رویے کو بغیر خدا کے وجود کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہی وجہ ہے

کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔ جو لوگ ملحد ہو جاتے ہیں وہ یقیناً اشیاء کے رویے کو خدا کے وجود

کے بغیر سمجھ لیتے ہوں گے۔ اسی لیئے وہ ملحد ہو جاتے ہوں گے۔

ابتدائی طور پر میں کچھ مسائل آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جن کے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ انہیں خدا کے وجود کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔

اگر میں خدا کے وجود کا انکار کر دوں تو پھر یہ دنیا میرے نزدیک اتفاقی حادثات سے بھری پڑی ہے۔

یعنی اس دنیا کا پیدا ہونا، اس میں انسان کا پیدا ہونا، جانوروں کا وجود، کیڑے مکوڑے، پیڑ پودے سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ یعنی نہ کوئی خدا نہ کسی خدا کا وجود، سارا انتظام بغیر کسی خدا کے چلائے چل رہا ہے۔ خدا کے انکار کی صورت میں جو سوال کھڑے ہو جاتے ہیں ان کی تعداد ناقابل بیان حد تک زیادہ ہے۔ اتنے خوبصورت جاندار ہمارے اطراف میں بھرے پڑے ہیں۔ انہیں یہ خوبصورتیاں عنایت کرنے والا کون ہے؟ پھولوں کے اندر خوبصورتی اور خوشبو کا حسین امتزاج کیا بغیر کسی خدا کے موجود ہے؟ پھلوں کے اندر لذت اور خوشبو بے سبب ہے یا اتفاق؟ انسان پانی اور آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ دونوں چیزیں نہ ختم ہونے والے نظاموں کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہیں۔ پانی کا پورا واٹر سائیکل ایسے ترتیب دیا گیا ہے کہ اس کے پیچھے کسی ذہین دماغ کا گمان ہوتا ہے۔ یہ پانی ہم بار بار استعمال کرتے ہیں مگر ختم نہیں ہوتا۔ بس اس کا سرکل گھومتا رہتا ہے۔ ہم سانس لیتے ہیں جس میں ہم آکسیجن کشید کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ تو کیا آکسیجن ختم ہو جائے گی اور ساری آکسیجن کاربن ڈائی آکسائیڈ میں بدل جائے گی؟ جی نہیں۔ اس کا بھی سرکل موجود ہے۔ جو کاربن ڈائی آکسائیڈ ہم خارج کرتے ہیں اسے پودے کشید کر لیتے ہیں اور بدلے میں آکسیجن خارج کر دیتے ہیں۔ یعنی جو ہمیں چاہیئے وہ پودے پیدا کر رہے ہیں اور جو پودوں کو چاہیئے وہ ہم۔ اس پر سائنس کے کیا کہنے کہ ان کے خیال میں ہم خود بھی پودے تھے۔ سبحان اللہ۔

ایک مضبوط ربط میں سب بندھے ہیں۔

اس دنیا کی ہر چیز آپس میں ایک گہرا ربط اور تعلق رکھتی ہے۔

خوراک کی موجودگی بھی اتفاق؟ جانوروں کی موجودگی بھی اتفاق؟ جانوروں کا خوراک کے بڑھنے کے سائیکل سے تعلق بھی اتفاق؟ سورج کی موجودگی اتفاق؟ چاند کی موجودگی اتفاق؟ خوراک کا منہ میں ڈالنا؟ چبانے کے لیئے دانتوں کی موجودگی؟ نرم کرنے کے لیئے لعاب دہن؟ ہضم کرنے کے لیئے نظامِ ہاضمہ؟ ہضم شدہ خوراک کا جسم سے خارج ہوجانا۔ اس خارج شدہ فضلے کا پھر خوراک کو پیدا کرنے والی فصلوں سے تعلق۔ سب اتفاقی حادثات ہیں؟ پھر خوراک کے مختلف ذائقے۔ گندم کا ذائقہ اور ہے جو کا اور۔ سیب کا ذائقہ اور ہے آم کا اور۔ کیا یہ سب محض اتفاق ہے؟ آم کی ضرورت گرمیوں میں ہے تو وہ گرمیوں میں ہی آتا ہے۔ اونٹ صحرا کا جانور ہے اور حیرت انگیز طور پہ صحرا میں پیش آسکنے والی ہر مصیبت سے بچنے کے لئے اس کے جسم میں قدرتی صلاحیتیں موجود ہیں۔ پانی اور خوراک ذخیرہ کرنے کا نظام۔ ریت پر بھاگنا جہاں کسی دوسرے جاندار کا چلنا محال ہو اور ریت کا طوفان برداشت کرنے کے لئے مخصوص کھال۔ کیا یہ سب اتفاق ہے؟ گرگٹ کا اپنے دشمن سے بچنے کے لئے رنگ بدلنا اور اس قسم کے تمام جانوروں کے دفاعی نظام کیا ان کے اندر حادثاتی طور پر آگئے ہیں؟ پھولوں کے مختلف رنگ ان کی خوشبوئیں سب اتفاق ہے؟ انسان کے گردوں کا نظام، پھیپھڑوں کا نظام بالیدگی کا نظام، بچے کی پیدائش کے بعد ماں کے پستان میں دودھ کا اتر آنا، یہ سب ایک اتفاقی حادثے کے سبب ہے؟ مرد اور عورت کے باہمی تعلق میں انتہا درجے کی لذت جو آبادی بڑھانے کی ترغیب دلاتی ہے، محض ایک اتفاق ہے؟

پھر ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ جس سائنس سے ہمیں امیدیں ہیں کہ کبھی نہ کبھی ہمارے سوالوں کا جواب دے گی۔ وہ ہمیں صرف طریقہ کار کی وضاحت کر کے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ توجیہات سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں۔

انسانی عقل محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتی کہ یہ کیا ہے کیسے ہے۔ بلکہ وہ اس

بات کو بھی کھوجتی ہے کہ یہ کیوں ہے؟ اور جب انسان "کیوں" سے خدا تک پہنچتا ہے تو اس کی تلاش اس کے خالق پر ختم ہوتی ہے۔ وہ ابتداء کی وجہ تک۔

ملحد اور مسلمان کی سوچ میں یہی "کیسے" اور "کیوں" کا ہی فرق ہے۔

مثلاً ہم کھانا کیسے کھاتے ہیں؟ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ کیسے پیتا ہے؟ اس علم میں تمام مخلوقات برابر ہیں۔ کیا جانور، کیا ملحد اور کیا مسلمان۔ مگر "کیوں" کی کھوج صرف مسلمانوں کا ہی وصف ہے۔

ہم کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ بچہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتی میں دودھ کیوں تلاش کرتا ہے؟ پھلوں میں انہی کی افزائش نسل کے لیے بیج کیوں موجود ہوتے ہیں؟

ان سوالات کا تعلق خالصاً مذہب سے ہے۔ کیوں کہ اس تلاش کا دوسرا سرا خالق کی ذات ہے۔

سائنس صرف طریقۂ کار کی وضاحت کرتی ہے۔ وجوہات کا تعین کرنا سائنس کا دائرہ کار نہیں۔ یہ مذہب کا دائرہ کار ہے۔

عموماً الحاد میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذہبی لوگ جب کسی معاملے کو سمجھ نہیں پاتے تو اس کو خدا پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں جبکہ غیر مذہبی لوگوں کی جستجو ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ حقائق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

مگر میرے الحاد سے ٹکراؤ کے بے شمار تجربوں کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ بات اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ میں نے جب بھی کسی ملحد سے "کیوں" کا سوال اٹھایا اسے بھاگتے ہی پایا ہے۔ بہت کم ملحد ایسے تھے جنہوں نے جواب دینے کی ناکام کوششیں کیں۔ مگر حقیقی معنوں میں کسی بھی کام کے ہونے کی وجوہات کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کرتے ہیں نہ سائنس دان۔ کیوں کہ عقل بتاتی ہے کہ یہ تلاش خدا پر ایمان پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

میں نے کئی مرتبہ ملحدوں سے یہ سوال پوچھا کہ پھلوں کے ذائقے مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ پھل اتنے لذیذ اور ذائقے دار کیوں ہوتے ہیں؟ کیا قدرتی انتخاب میں یہ ممکن نہ تھا کہ ہر پھل کا ذائقہ گندم جیسا ہی ہوتا؟ یا ذائقہ سرے سے ہوتا ہی نہ؟ ضرورت کیا تھی ذائقے کی؟ جانوروں کے جسموں پہ بنے خوبصورت نقش و نگار۔ پھولوں کے رنگ ان کی خوشبو۔ کیا یہ سب زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا؟ فطری انتخاب کہئے یا بقائے اصلاح، صرف ضروریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ آپ کو بس یہی کہانیاں سننے کو ملیں گی کہ جس چیز کی ضرورت پڑتی چلی گئی وہ خود بخود آتی چلی گئی اور جو چیز غیر ضروری تھی وہ ختم ہوتی چلی گئی۔

اگر سوال پوچھا جائے کہ ڈائناسارز کیوں ختم ہو گئے؟

تو جواب ملتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے مطابقت نہ رکھ پائے اس لئے ناپید ہو گئے۔

اب اگر یہ پوچھا جائے کہ اونٹ کے اندر صحرا میں پیش آنے والی مشکلات کے لئے مخصوص صلاحیتیں کس نے ڈالیں؟

تو جواب آتا ہے کہ چونکہ وہ صحرا میں پیدا ہوا لہٰذا اس ماحول میں زندہ رہنے کے لئے از خود اس کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔

یعنی ایک طرف ایک جانور جو ماحول سے مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے ناپید ہو گیا اور دوسری طرف ایک جانور جس نے ماحول سے مطابقت نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو برقرار رکھا۔ بلکہ اس کے اندر خود بخود ایسے اعضاء پیدا ہو گئے کہ وہ صحرا میں زندہ رہ سکے۔ کیا کہیے اس کو کہ ایک جاندار فطری انتخاب کی بھینٹ چڑھ گیا دوسرا بقائے اصلاح کا منظورِ نظر ٹھہرا؟ مجھے تو آج تک یہ بھی نہ سمجھ آیا کہ فطری انتخاب میں فطرت سے کون مراد ہے؟ انتخاب کے لفظ سے لگتا ہے کہ یہ کوئی رینڈم سلیکشن نہیں بلکہ سوچا سمجھا انتخاب تھا۔ کس نے سوچا کہ اونٹ کو باقی رہنا چاہئے اور ڈائناسارز کو ناپید ہو جانا چاہئے؟

صرف ان دو جانوروں کی مثالوں سے کئی سوال جنم لیتے ہیں۔ مگر جواب ندارد

والا کوئی نہیں۔ سائنس جو کہ عقل سے تعلق رکھتی ہے وہ میرے ایک ہی نوعیت کے پوچھے گئے سوالوں کے دو مختلف اور متضاد جواب کیسے دے سکتی ہے۔

ڈائنوسارز کیوں ناپید ہو گئے؟

کیوں کہ وہ ماحول سے مطابقت نہ کر پائے۔

اونٹ کیوں نہ ناپید ہوئے؟

کیوں کہ اونٹوں نے ماحول کی مطابقت سے اپنے اعضاء کو ڈھال لیا۔

او بھائی پھر ڈائنوسارز نے کیوں نہ اپنے آپ کو ماحول میں ڈھال لیا؟

اونٹ صحرا کا جانور ہے جس کو کئی کئی روز بغیر غذا اور پانی کے سفر کرنا پڑتا ہے۔ قدرت نے اس میں ایسی صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے کوہان میں غذا اور پانی کو اسٹور کر لیتا ہے۔

یہ قدرت کون ہے؟

کسی کو نہیں پتہ۔

یہ کیوں سے متعلق کوئی ایک سوال تھوڑی ہے۔ نہ ہی ہر جانور اپنی پیٹھ پر کوہان لیئے گھوم رہا ہے۔ جتنی مخلوقات ہیں اس سے کئی گنا زیادہ سوال۔ ہر جانور ایک مختلف صلاحیت لیئے گھوم رہا ہے۔

گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔ یہ اس کے دفاعی نظام کا حصہ ہے۔ جس چیز پر وہ موجود ہوتا ہے اس کا رنگ اسی جیسا ہو جاتا ہے۔ اس کے دشمن اسے دیکھ نہیں پاتے۔ گرگٹ کے اندر رنگ بدلنے کا یہ نظام کسی انتہائی ذہین دماغ کی فنکاری ہے۔ مگر کس کی؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ گرگٹ اتنا ذہین جانور ہے کہ اس نے خود بخود اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کر لی؟ یا یہ بھی قدرت کا کارنامہ ہے؟ اس کا مطلب قدرت اپنے پاس ایک عدد ذہین دماغ بھی رکھتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر جانور رنگ بدلتا ہے؟

نہیں۔

جتنے جانور اتنے ہی زیادہ دفاعی نظام۔ ایک سے بڑھ کر ایک انوکھا۔

دریا میں کی ایک مچھلی جس کا نام "ایل" لکھا گیا ہے وہ کئی سو والٹس بجلی جسم میں کرنٹ پیدا کرتی ہے۔ وہی کرنٹ جسے ایجاد کرنے میں انسان کو ہزاروں سال کے دماغ کھپانا پڑا۔ وہ مچھلی اس کرنٹ کو پیدا کرنے کے لئے کوئی دماغ استعمال نہیں کرتی۔ ایک خودکار نظام ہے۔ آپ بس مچھلی کو چھو لیں وہ کرنٹ پیدا کرنا شروع کر دے گی۔ کرنٹ بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ ہلاکت خیز کرنٹ۔

سانپ کے منہ میں زہر ہوتا ہے جو دشمن کے خلاف بڑا ہی ہتھیار ہے۔ یہ زہر اس کے منہ میں کیسے آیا یہ سائنس کا موضوع ہے۔ مگر کیوں آیا؟ تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکے۔ مگر وہ کون ہستی ہے جو ہر ایک مخلوق کو ایک مختلف قسم کے دفاعی نظام کے ساتھ پیدا کر رہی ہے؟ سانپ کے پاس تو اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دفاع کے لئے اپنے اندر کوئی نظام از خود پیدا کر لے۔ یقیناً کسی بیرونی قوت کا دخل ہے۔

مگر وہ قوت ہے کون؟

قدرت؟ ارتقاء؟ یا خدا؟

قدرت بقول ملحدین کے خودکار کا ہی دوسرا نام ہے۔

اگر یہ سارے دفاعی نظام خود بخود پیدا ہو رہے ہوتے تو ان میں اتنی ورائٹی کیوں ہے؟

سانپ میں بھی زہر ہوتا۔ گرگٹ میں بھی زہر ہوتا اور ایل میں بھی۔

یا

سانپ بھی رنگ بدلتا۔ گرگٹ بھی اور ایل بھی۔

یا

سانپ بھی کرنٹ مارتا گرگٹ بھی اور ایل بھی۔

○

انسان کے تخیل کی حد

جن لوگوں نے میرے نجیب ساحل کے ساتھ مکالمے کو فالو کیا ہے انہیں یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ انسان کا ارتقا نہ تو کسی جانور سے ہوا ہے نہ ہی اسے کبھی سائنسی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اسکا تو دنیا کے سامنے ثابت کرنا جتنا ایک ہمارے عام طور کے بچے ناممکن ہے اتنا ہی ایک سائنسدان کے لیے بھی ناممکن ہے۔ یہ ایسے اعتراضات نہیں ہیں جن کے بارے میں یہ تاویل بھی گھڑی جا سکے کہ وقت آنے پر سائنس ان سوالات کا جواب دے دے گی۔ ان سوالات کے جوابات کے لیے یقیناً سائنس کے کئی بنیادی اصولوں کو بالائے طاق رکھنا پڑے گا اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس خالق نے یہ پوری کائنات تخلیق کی وہ سائنس کا محتاج ہرگز نہیں۔ بلکہ سائنس اس کی محتاج ہے۔

انسان کی مجبوری یہ ہے کہ اسے بہت کم علوم دیے گئے ہیں۔ وہ انہی علوم کے ذریعے جب خالق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی عقل جواب دے جاتی ہے۔ یہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے آپ الجبرا کے کسی مسئلے کو عمومی حساب سے حل کرنے کی کوشش کریں۔

نجیب احمد ساحل کو میں اس معاملے میں کسی حد تک بری الذمہ سمجھتا ہوں۔ انہیں فضائل خداوندی کا ادراک ہی نہیں۔ ان کے نزدیک خدا کی اہمیت اور وقعت بس اتنی ہی ہے جتنی ایک عام سائنسدان کی ہوتی ہے۔ معمولی ذہانت استعمال کر کے ایک کیمیکل کو دوسرے کیمیکل سے ملا کر کوئی تیسرا کیمیکل ایجاد کر لینے والا سائنسدان اور بس۔ یا پھر مسٹر شیطان سے تھوڑا زیادہ طاقتور۔ فلموں میں تو ایسا ہی دکھاتے ہیں۔ نجیب احمد ساحل

اس دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان بھی ہوتے تب بھی ان سوالوں کے بعد ان کا حشر پار کر جانا ہی ہوتا تھا۔

ہمارا عمومی رویہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی شخصیت کا اپنے ذہنوں میں ایک خاص تخیل رکھتے ہیں۔

ایک کاروباری شخص کو اچھے مہنگے اور قیمتی لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

ایک اچھی جاب کرنے والے کو تھری پیس سوٹ میں ملبوس دیکھنا چاہتے ہیں۔

ایک سائنسدان کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور ماتھے پر شکنیں ہوں تبھی وہ سائنسدان لگے گا۔

ایک شاعر مفلوک الحال عاشق زدہ نظر آئے گا تبھی شاعر لگے گا۔

ایک ادیب ایک اوسط طبقے کے لباس میں سلجھے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ ہمیں قبول ہوگا۔

ایک انجینئر جینز کی پینٹ اور ٹی شرٹ میں کام کرتا نظر آنا چاہیئے۔

علم طب سے متعلق ڈاکٹر نے سفید کوٹ پہنا ہو یا گلے میں اسٹیتھو اسکوپ لٹکائی ہو۔

مگر اگر میں آپ سے کسی ایسی شخصیت کا تخیلاتی خاکہ بنانے کو کہوں جس میں یہ تمام صلاحیتیں بیک وقت موجود ہوں اور ایسی موجود ہوں کہ کوئی مقابل ہی نہ ہو تو آپ کے ذہن میں کیا حلیہ آئے گا؟

اس کا تخیل آپ کر ہی نہیں سکتے۔ کیوں کہ ایسی کسی شخصیت کا اس دنیا میں کبھی کوئی وجود ہی نہیں رہا جو تمام علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہو۔

خدا کے نام پر جس شخصیت کا تصور مغرب میں پایا جاتا ہے وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ فلموں میں دکھائے گئے ان تخیلاتی خداؤں نے حقیقی خدا کے انسانی تصور کو پامال کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایک ملحد کا ایک بار اعتراض سنا تھا کہ اگر یہ قرآن اسی خالق کا کلام ہے جس نے اس وسیع و عریض کائنات کی تخلیق کی ہے تو اس کی زبان بھی سائنسی ہونی چاہیے تھی۔ یعنی جیسے ہم ویب سائٹ کی کوڈنگ دیکھتے ہیں ویسی ہی کوڈنگ میں قرآن ہوتا۔ سبحان اللہ۔ یہ پیمانے ہیں عقل کے۔

انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے پاس موجود دستیاب علوم پر پرکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ چاہے وہ چیز اس کے پاس موجود علوم کے احاطے میں آتی ہی نہ ہو۔ کچھ کا خیال ہے کہ قرآن کو انگریزی زبان میں نازل ہونا چاہیے تھا۔ یہ عربی فضا اور عربی بدو کی اصطلاحات استعمال کرنے والوں کی ذہنی سوچ ہے۔ چونکہ انگریز بہت ترقی یافتہ ہو گئے ہیں لہذا اب جو بھی چیز انگریزی میں ہوگی وہ ترقی کے پیمانے پر تولنے لائق ہوگی۔

ایسی مثالیں آپ لبرل ٹائپ کے لوگوں سے اکثر سنتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں میں علامہ اقبال کو شاعر مشرق نہیں مانتا کیوں کہ مشرق میں جاپان بھی ہے اور جاپان والوں کے نزدیک ان کا شاعر شاعر مشرق ہوگا۔

یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر جاپان میں ایسے چول ہرگز نہیں پائے جاتے ہوں گے جو اپنے شاعر کا قد گھٹا کر ہندوستانی شاعروں کے قصیدے پڑھتے ہوں۔ چاہے ان کو سمجھ پلے نہ پڑے۔

جن کو اشفاق احمد، ابن صفی، ابن انشاء، غالب و اقبال کی لکھی باتیں سو بار پڑھنے پر بھی کچھ نہیں آتیں وہ شیکسپیئر کی غیر زبان میں کہی ہوئی بات کو پڑھ کر جھوم جھوم جاتے ہیں اور اس کو ادبیت کا عروج کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے لبرلز اور ملحد زیادہ تر اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسٹیفن ہاکنگ جتنی مرضی احمقانہ بات کر دے وہ سائنس ہے۔ یہ دیکھا ہم نے نہیں۔ جب جب دنیا میں جس جس قوم نے ترقی کی لوگوں نے اسی کے گن گائے۔ اس بات سے قطع نظر کہ چوہدری کے گھوڑے چاٹنے سے کوئی چوہدری نہیں بن جاتا۔ گدھا ذلت سے بھی گھوڑا نہیں ہوتا۔ بہرحال دنیا میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں جنہوں نے

مرعوبیت کے مرض میں مبتلا ہو کر بجائے مقابلہ کرنے کے اپنی وضع قطع بدل کر خود کو اس روپ میں ظاہری طور پر ڈھالنے کی کوشش کی جو ترقی یافتہ قوموں کا رہا۔ آج ان کا مطالبہ ہے کہ قرآن بجائے عربی کے انگریزی میں ہوتا تو زیادہ قابل اعتماد ہوتا یا سائنسی کوڈنگ میں ہوتا تو فوراً سمجھ آ جاتا۔

جی نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔

جن کے عقائد و افکار فیشن کی طرح بدلتے ہوں وہ کسی بھی تھالی میں بس تھوڑا ہی عرصہ تک پاتے ہیں۔ جیسے ہی تھالی کا جھکاؤ بدلتا ہے وہ لڑھکتے ہوئے کسی اور طرف جا پڑتے ہیں۔ آج انگریزی سے مرعوب ہیں کل کو جاپان زیادہ آگے نکل گیا تو کہیں گے قرآن جاپانی زبان میں کیوں نہیں؟

قوموں پر عروج و زوال اس نظام کا حصہ ہے۔ اس کا تعلق ایمانیات سے بھی نہیں بلکہ محنت سے ہے۔ جو قوم جس دور میں زیادہ محنت اور لگن سے کام کرے گی وہی دنیاوی دوڑ میں آگے نکلے گی۔ بے شک وہ کفر پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ بات سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔

قرآن میں جو آیتیں سائنس سے متعلق ہیں ان میں وہ سائنسی زبان استعمال نہیں کی گئی جو عموماً سائنس دانوں کا خاصہ ہے۔

ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔

اس لفظ ''مٹی'' کو دنیا کا ہر طبقے کا انسان سمجھ سکتا ہے۔ مگر آپ اس کو بدل کر کوئی سائنسی اصطلاح ''Phencyclidine'' استعمال کریں۔ اب اس کو کتنے لوگ سمجھتے ہیں۔

کسی گلی محلے کے دکاندار سے سوڈیم کلورائڈ مانگئے۔ دیکھیں کیا ملتا ہے۔ علم بانٹنا اور علمیت کا بے مقصد رعب جھاڑنا یہ دونوں مختلف کام ہیں۔ اس کی توقع احمق انسانوں سے تو کی جا سکتی ہے مگر خدا سے ہرگز نہیں۔

زمین اور آسمان باہم ملے ہوئے تھے ہم نے ان کو پھاڑ کر الگ کیا۔

ان الفاظ کو آپ بگ بینگ سے بدل لیں۔

کتنے لوگ سمجھیں گے؟

جو انداز قرآن کا ہے اسے ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے۔ مگر جو انداز سائنسدان کا

ہے اسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔

بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔

آپ کسی سائنسدان کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بات ایسی عمومی زبان میں لوگوں کو سمجھائے جسے ہر خاص و عام سمجھ بھی جائے اور معیار بھی بہترین رہے تو وہ اس سے عاجز ہو جائے گا۔ یعنی اب یہاں سائنس کے ساتھ ساتھ گفتگو یا اسلوب کا فن بھی درکار ہے۔ سائنسدان اس سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ صرف ایک علم میں معمولی سی مہارت رکھتے ہیں۔

جب کہ خدا کے علوم لامحدود ہیں۔ سائنس ان تمام علوم میں سے وہ معمولی سا علم ہے جس کی سمجھ انسان کو دی گئی ہے۔ وہ اسی کے سہارے ہر چیز کا احاطہ کرنے کی فکر میں غلطاں خدا کا ایک عجیب تصور ذہن میں لیے بھٹک رہا ہے۔

○

ایمان بالغیب اور ملحد

القرآن۔ سورۃ البقرہ۔ آیت نمبر 260

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن
قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ
اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھے دکھادے تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ فرمایا۔ کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کی۔ ایمان تو رکھتا ہوں پر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا۔ چار پرندے لے اور انہیں اپنے سے مانوس کرلے پھر ان کا ایک ایک جز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو پکار۔ وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے اللہ نہایت با اقتدار اور حکیم ہے۔''

قارئین! قرآن پاک کی یہ وہ آیت ہے جس سے ایمان بالغیب کی بہترین تشریح کی جاسکتی ہے۔ ایک نبی ایک رسول کا اللہ سے یہ پوچھنا کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں اور جواب دینے سے پہلے اللہ کا یہ کہنا کہ کیا تجھے ایمان نہیں؟ اس جوابی سوال کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ سوال کرنے والا خدا اپنے ایک بندے کی ایمانی کیفیت سے واقف نہیں مگر تربیت میری مقصود ہے۔ ہر اس شخص کی مقصود ہے جو قیامت تک اس آیت کو پڑھے اور اپنی اصلاح کرے۔

اس آیت میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔
پہلی یہ کہ ایمان بالغیب ثبوت مل جانے کے بعد ایمان لانے کا نام نہیں بلکہ
ثبوت سے پہلے ایمان لانے کا نام ہے۔ ثبوت وقت آنے پر ملے گا ایمان پہلے لانا ہے کیونکہ
کسی بادشاہ کی بادشاہت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کا ہر حکم اس سے وجہ پوچھے بغیر
بجا لایا جائے۔ اگر وجہ جان کر بجا لایا جائے گا تو اس کا دوسرا مطلب یہ بنتا ہے کہ آپ
بادشاہ کو بادشاہ ہی نہیں سمجھتے۔ اگر آپ کو وجہ بتائی جائے تو آپ حکم عدولی بھی کر سکتے ہیں
مطلب یہ کہ آپ کو بادشاہ کی صلاحیتوں پر بھی بھروسہ نہیں۔ پہلے وجہ جانیں گے پھر اس کو اپنی
محدود عقل سے پرکھیں گے۔ پھر عقل اجازت دے گی تو عمل کریں گے۔ تو پھر خدا کون ہوا؟
رب العالمین یا عقل؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایمان بالغیب کا یہ رویہ منطق پر پورا اترتا ہے؟
بادی النظر میں اس سوال کا جواب نفی میں بنتا ہے مگر اگر گہرائی میں جا کر سوچا جائے تو اس کا
جواب ایک اجمالی روشن اثبات میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک محدود عقل دے کر پیدا کیا ہے۔ پھر اس کے اطراف
میں کائنات کے رنگ بکھیر دیے ہیں۔ اس کائنات کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن تک
ہماری عقل کی رسائی ہے مگر بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔
انسان اپنے خالق کی تخلیقات دیکھتا ہے تو اس کا کسی بنانے والے پر یقین اور پختہ ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کے بہت سے معاملات انسان کے عقلی ارتقاء کے محتاج ہوتے ہیں مگر ایمان کا
آغاز تو ازل سے ہی ہو جاتا ہے۔ بعض معاملات ایسے ہیں جن کو انسان ہزاروں سالوں کی
ترقی کے بعد سمجھے گا اور بعض معاملات ایسے بھی ہیں جو انسان کے فہم کی دسترس سے باہر
ہیں۔

آخر اللہ کی مثال میں نے اوپر آیت میں پیش کر دی۔ اللہ مردوں کو کیسے زندہ
کرتا ہے؟ اس معاملے کا تعلق انسان کی عقلی ترقی سے نہیں ہے لہٰذا خالق کائنات کی طرف

سے جواب علم کے بجائے تجربے سے دیا گیا۔ اگر اس سوال کا جواب علم سے دیا جاتا تو کیا انسان کے پاس اس علم کو سمجھنے کے لئے عقل موجود تھی؟ یقیناً نہیں تھی تبھی جواب تجربے سے دیا گیا کہ دل کا اطمینان تو تجربے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ایمان یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی بار انسان کو زندگی دینا مشکل کام نہ تھا تو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل؟ کسی کام کو کرنا بس پہلی بار ہی مشکل ہوتا ہے۔ دوسری بار تو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان نے پہلا ٹی وی کئی سالوں کی محنت کے بعد بنایا مگر آج کمپنیاں ہزاروں ٹی وی روزانہ بنا لیتی ہیں۔ پہلا ٹی وی مشکل تھا اس کے بعد آسانی ہو گئی۔

اب بات کرتے ہیں اول الذکر کی۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ آتے ہیں۔ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اسے ماچس سے ڈرایا جاتا ہے کہ اس سے آگ لگ جاتی ہے۔ ہاتھ جل سکتا ہے۔ بچے کو اس معاملے میں وقتی طور پر ماں باپ پر اندھا بھروسہ کرنا پڑتا ہے کیوں کہ وہ آگ کے نقصانات سے واقف نہیں۔ مگر پھر جب وہ اس دنیا میں اپنی زندگی کے کچھ سال گزار لیتا ہے تو اس کے مشاہدے میں آگ سے ہونے والے حادثات آ جاتے ہیں اور اس کا اپنے باپ پر یقین اور پختہ ہو جاتا ہے۔

یہی معاملہ ایمان بالغیب کا بھی ہے کہ اگر یہ سوچا جائے کہ پہلے عقل تسلیم کرے گی پھر ایمان لایا جائے گا تو کیا پتہ عقل ترقی کے کس معیار پر ہے؟ انسانی عقل تو کبھی سورج کو زمین کے گرد گھماتی ہے تو کبھی زمین کو سورج کے گرد۔ پھر جب تک فیصلہ نہ ہو کہ کون کس کے گرد گھوم رہا ہے ایمان کیسے لایا جائے گا اور کون سی نسل ایمان لائے گی؟

یقیناً یہ ایک مشکل ترین مسئلہ ہے۔ اسی لئے ایمان بالغیب کی شرط رکھی گئی ہے کہ ایمان پہلے لے آؤ پھر جب اللہ چاہے گا اس ایمان پر یقین بھی پختہ ہوتا جائے گا۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں ہم ملحد یا عقل پرست کہتے ہیں۔ اب ذرا ان کے عقائد پر بھی بات کر لیتے ہیں کیوں کہ خدا پرستوں کا یہ ایمان بالغیب آج کل ملحدوں کی تکلیف کا باعث بنا ہوا ہے۔ بہت اعتراضات ہیں ان کے۔

یہاں موضوع بحث یہ نہیں کہ انسان اپنی عقل استعمال نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ
کہ اپنے ایمان بالغیب کو عقل کا محتاج نہ کرے گا کہ جو کچھ آج تک انسان تحقیق کر سکا
ہے کیا اس میں اور اللہ کی طرف سے دی جانے والی پیشگی اطلاعات میں اس نے کوئی تضاد
پایا؟ اگر پایا تو وہ حق بجانب ہے کہ ایمان کو چھوڑ دے اور اگر نہیں پایا تو پھر اس بات پر یقین
کرلے کہ آئندہ بھی جو کچھ وہ اپنی عقل سے جانے گا وہ اللہ کی اطلاعات کے مطابق ہو
گا۔

ملحد کہتے ہیں جب تک ہمارے پاس ثبوت نہ ہوں یا اللہ کو دیکھ نہ لیں ہم
نہیں مانیں گے۔ باوجود اس کے کہ اللہ نے اپنی موجودگی کی نشانیاں خود انسان کے
کے اندر تخلیق کر رکھی ہیں۔ اس کے اطراف میں تخلیق کر رکھی ہیں۔ پھولوں کی خوشبو
کے خوبصورت رنگ۔ زیبرے اور تتلی کے جسم پر بنے خوبصورت نقش و نگار۔ پھلوں و
سبزیوں کے مختلف ذائقے۔ یہ سب ارتقاء کے ثبوت نہیں ہیں۔ یہ کسی خالق کی موجودگی
داستان سناتے ہیں۔ مگر ملحدوں کو یہ ثبوت کافی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس ان کو اس
نظریہ پر زیادہ ایمان ہے جس کے ثبوت اس سے بھی کم ہیں۔

یک خلوی جرثومے سے زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر یک خلوی جرثومے کو زندگی
سے ملی یہ ہم نہیں جانتے مگر ایمان لے آئے اس نظریے پر۔ چمپنزی اور انسان کے درمیان
کی انواع کا ذکر ہم سنتے ہیں۔ کسی کے بھی وجود کا کوئی ثبوت نہیں مگر ہم ایمان لے
نظریے پر۔ یک خلوی جرثومے میں افزائشِ نسل کا طریقہ کچھ اور اسی سے ارتقاء
پودے میں افزائشِ نسل کا طریقہ کچھ اور۔ پودے نے افزائشِ نسل کا یہ نیا طریقہ
جنسی تولید کہتے ہیں کہاں سے سیکھا جب کہ اس کو کوئی مثال پہلے موجود ہی نہ تھی۔
جانتے مگر ہم ایمان لائے اس نظریے پر۔ پودے سے ارتقاء یافتہ جانداروں نے
افزائشِ نسل کے لیے جنسی تولید کو بھی ترک کر کے جنسی اختلاط کا ایک نیا راستہ اپنایا
بھی پہلے کوئی مثال موجود نہیں۔ کہاں سے یہ طریقہ آیا؟ کس سے سیکھا؟ کسی کو

جو ایمان لائے اس نظریے پر۔

کائنات کی خود بخود تشکیل کے معاملے میں بھی ایسے بنیادی مسائل موجود ہیں کہ انسانی عقل کائنات کی از خود تخلیق کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

یہ جن سائنسی مسائل کا میں ذکر کر رہا ہوں یہ کوئی جزوی مسائل نہیں بلکہ بنیادی مسائل ہیں۔ سائنس ان کے بارے میں کھلے عام اپنی لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔ مگر ادھورے ثبوتوں کے باوجود ملحد اس پر ایمان لا چکے۔ یعنی ثبوت بعد میں ملے گا ملحد ایمان آج لا چکے۔ مگر اسی قسم کا ایمان مسلمانوں کا قابل قبول نہیں۔ وجہ؟

ایمان بالغیب وہ بھی ہے ایمان بالغیب یہ بھی ہے۔ اس دوغلے پن کا نام اگر الحاد ہے تو میں اس الحاد پر لعنت بھیجتا ہوں۔

○

سائنس اور اسلام

لوگ عموماً سمجھتے ہیں کہ اسلام سائنس کے خلاف ہے۔ مگر جب میں سائنسی نظریات پہ نظر ڈالتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ اسلام سائنس کے خلاف نہیں بلکہ سائنس اسلام کے خلاف ہے۔

سائنس سے میری مراد یہاں ایسے غیر مسلم سائنس دان ہیں جو اسلام سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ اسلام کو نیچا دکھانے کے لئے انہیں اگر کسی غیر سائنسی رویے کو اپنانا پڑے تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے۔ اس مضمون میں میں جہاں سائنس کا لفظ استعمال کروں گا اس سے مراد سائنس دان ہی ہوں گے۔

سائنس کو اگر مریخ پہ پانی کے آثار مل جائیں تو وہاں زندگی کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ جہاں پانی ہو وہاں زندگی کا ہونا غیر یقینی نہیں۔ بغیر یقینی آنکھ سے دیکھے محض شواہد کی بنیاد پر زندگی کا تصور کر لیا جاتا ہے۔

مگر انہی اصولوں پر خدا کی تلاش یا تصور سائنس کے لئے محال ہے۔ ایسے موقع پر سائنس کی ایک اور پالیسی سامنے آتی ہے کہ جو چیز جب تک سائنس کے مشاہدے میں نہ آ جائے اس وقت تک سائنس اس چیز کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ سائنس کے مطابق خدا کی تخلیقات خدا کے وجود کا ثبوت نہیں۔ جب تک خدا خود زمین پہ آ کر اپنا دیدار نہ کروا دے تب تک انہی سائنس دانوں کو اگر پچاس لاکھ سال پرانا کوئی دانت مٹی میں دبا مل جائے تو اس پر پورا ہومو ہیبلس یا نینڈر تھیلز کھڑا کر لیتے ہیں۔ مشاہدوں پر مخلوقات کا تصور سائنس کے نزدیک

معمولی بات ہے مگر انہی مشاہدوں پر خدا کا تصور سائنس کے لئے ناممکنات میں سے ہے۔

جو چیز سائنس کے مشاہدے میں نہ آسکے وہ چیز اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ جادو۔ معجزے اور جنات انہی چیزوں میں شامل ہیں۔ اسی اصول پر اگر ہم نیوٹن کے لاء آف گریویٹی کو پرکھیں تو اندازہ ہوگا کہ گریویٹی نیوٹن کی دریافت نہیں بلکہ ایجاد تھی۔ کیوں کہ نیوٹن کے لاء آف گریویٹی کو متعارف کروانے سے ایک دن پہلے لاء آف گریویٹی کا سائنس کے پاس کوئی مشاہدہ نہ تھا۔ اور جس چیز کا سائنس کے پاس کوئی مشاہدہ نہ ہو اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جس طرح خدا کا سائنس کی نظر میں کوئی وجود نہیں۔ اور جو چیز وجود ہی نہ رکھتی ہو اسے وجود بخشنے والا اس کا خالق اور موجد کہلاتا ہے نا کہ دریافت کنندہ۔ یعنی سائنس کے اسی اصول پر نیوٹن لاء آف گریویٹی کا خالق اور موجد تھا۔

اگر ہم اس اصول کو تمام سائنسی دریافتوں پر اپلائی کر دیں تو وہ سب ایجادات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ تاوقتیکہ سائنس اس معاملے میں اپنی اصلاح کا اعلان نہ کرے۔

بہتر رویہ یہ ہوتا کہ سائنس کچھ معاملات میں اپنی کم فہمی کا ادراک کرلے کہ جس چیز کا مشاہدہ سائنس کے پاس نہ ہو اس کا وجود تو ممکن ہے مگر سائنس ابھی اس معیار پر نہیں پہنچی کہ اس پر گواہی دے سکے۔ مگر یہ رویہ سائنس کو خدا کا تصور بھی دے دے گا جو سائنس کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

پھولوں میں رنگ کون بھرتا ہے؟ سائنس کو نہیں پتہ مگر خدا کے سوا کسی نے بھی بھر دئے ہوں گے۔ پھولوں سے خوشبو کیوں آتی ہے؟ سائنس نہیں جانتی مگر اس میں خدا کا کوئی کردار نہیں ہو سکتا۔

پھلوں کے ذائقے۔ انسان کی تخلیق۔ انسان کا اندرونی جسمانی نظام۔ یہ سب باتیں کوئی نہ کوئی سائنسی وجہ رکھتی ہوں گی۔ مگر خدا نہیں ہو سکتا۔

لاکھوں سال لگتے ہیں ایک بندر کو ارتقا کے مراحل سے گزر کر انسان بننے میں مگر ایک ناپاک قطرہ ماں کے پیٹ میں محض نو مہینے میں انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نہیں

اس قطرے میں سے انسانی اعضا برآمد ہو جاتے ہیں یا ماں کے پیٹ میں پہنچنے تک
انسانی اعضا موجود ہوتے ہوں گے جن میں سے آدھے وہ اپنے بچے کو عنایت کر دیتے
چار مہینے میں وہ مردہ قطرہ زندگی کی نمو پا کر حرکت میں آجاتا ہے اور انسان الٹراساؤنڈ
مشینوں کی مدد سے محض اس کی حرکات دیکھ کر اپنی ذہانت پہ دل ہی دل میں خوش ہوتا
ہے کہ دیکھو میں کتنا ترقی یافتہ ہوں کہ میں ماں کے پیٹ میں بچے کو حرکت کرتے دیکھ سکتا
ہوں۔ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے اس معاملے میں سائنس کے پاس بھی اتنا ہی علم ہے جتنا
گلی میں گٹر صاف کرنے کے لئے آنے والے جمعدار کے پاس۔ مگر بچہ کیوں پیدا ہوتا
ہے۔ اس معاملے میں جمعدار اور سائنس کی جہالت میں کوئی واضح فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں سات آسمانوں کا ذکر کرتا ہے۔ سائنس کو آج تک ایک بھی
نہیں ملا لہٰذا آسمان موجود ہی نہیں۔ انسان کی رسائی چاند اور مریخ سے آگے نہ جا سکی
جس آسمانِ دنیا پر ستارے ٹانکے گئے ہیں وہی ستارے جو سورج سے بھی لاکھوں نوری سال
کی مسافت پہ ہیں۔ اس آسمانِ دنیا کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ستارے اگر ٹمٹما نہ رہے ہوتے
سائنس ان کا بھی انکار کر ڈالتی۔ پھر اگر کسی سائنس دان کو اگر دوربین سے کوئی ستارہ دکھ جائے
تو وہ اس کا دریافت کنندہ نہیں بلکہ خالق بن بیٹھتا۔ کیوں کے سائنس ہی کے مطابق اس
دن پہلے تک اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا تو جس نے ڈھونڈ لیا وہ اسی کا۔

سائنس کے مطابق انسان لاکھوں سالوں سے اس دنیا میں مقیم ہے مگر آج تک
نہیں جانتا کہ سمندر میں مچھلیوں کی کتنی قسمیں بستی ہیں۔ روز نت نئی مچھلیاں ایجاد ہوتی
ہیں۔ مگر سوری۔ یہاں ایجاد کا لفظ نہیں آئے گا۔ کیوں کہ یہاں سائنس کی تھیوری بدل جاتی
ہے۔ سائنس اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ زمین پر لاکھوں سال جوتیاں چٹخانے کے بعد
ہمیں زمین پر موجود تمام مخلوقات کا علم نہیں۔ مگر کائنات جس میں ہم چاند اور مریخ سے آگے
کبھی نہ گئے اس کے بارے میں ہمیں پکا پتہ ہے کہ وہاں آسمان نہیں ہوگا۔ اللہ

ہاتھوں کے [illegible] یہ چھوڑ سکتا ہے یا حسن ہی نہیں۔

کسی سیارے پر سائنس کو انسانی نطفے کے شواہد مل جائیں تو پوری زمین کے سائنس دان اپنی ساری مشینری اس انسان کو ڈھونڈنے میں استعمال کر ڈالیں گے۔ کسی کے ذہن میں کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آئے گا کہ انسانی نطفہ وہاں خودبخود بھی تو بن سکتا ہے۔ ممکن ہے مادہ اور ضد مادہ آپس میں ٹکرا کر ختم ہو گئے ہوں اور نطفے کی داستان چھوڑ گئے ہوں۔ کسی بگ بینگ کے نتیجے تخلیق پا گیا ہو۔ جی نہیں ایسا کیسے ممکن ہے۔ سائنس اس بات کو نہیں مانتی۔ خودبخود تو صرف کائنات وجود میں آسکتی ہے۔ چاند سورج ستارے وجود میں آسکتے ہیں۔ زمین وجود میں آسکتی ہے۔ انسان وجود میں آسکتا ہے۔ مگر انسانی نطفے جیسی عظیم ترین چیز خودبخود کیسے وجود میں آسکتی ہے؟

لاکھوں سال پرانے غاروں میں سائنس انسانی ہاتھوں کے بنے نقش و نگار کا پتہ لگاتی ہے اور اس پر کچھ معترضین تصویریں دکھا دکھا کر ہمیں یقین دلاتے پھرتے ہیں کہ دیکھو انسان بھی موجود اور خودساختہ مذاہب بھی موجود۔ یہ تو بہت بڑا ثبوت ہے۔ ظاہر ہے انسان تھا تو نقش و نگار بنائے نا۔ کسی بگ بینگ تھیوری کے نتیجے میں نقش و نگار تھوڑی بن سکتے ہیں۔ صرف کائنات بن سکتی ہے۔

○

سائنس اور مذہب کا مقدمہ

ایک دعویٰ یہ ہے کہ سائنسی ترقی نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا۔

میرے خیال سے اس دعوے کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے جو لوگ مذہب کی لگائی اخلاقی پابندیوں سے مادر پدر آزادی چاہتے ہیں وہ سائنس کے غیر تصدیق شدہ غیر منطقی اور احمقانہ نظریات کو خدا بنا کر پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ سائنس ایک ایسا خدا ہے جو آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ نہ کڑکتی سردی میں صبح صبح اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی نماز۔ نہ رمضان میں صبح سے شام تک بھوکا رہنے کی عبادت۔ نہ حج کے سفر کی تنگی۔ نہ زکات کی صورت اپنی کمائی کا مخصوص حصہ کسی غریب کو دینے کا مطالبہ کہ معاشرے کی بھلائی میں کچھ حصہ ڈالا جا سکے۔ بلکہ الٹا یہ تعلیم کہ یہ زندگی بے مقصد ہے۔

کائنات کی تخلیق؟

بے مقصد

دنیا کی تخلیق؟

بے مقصد

انسان کی پیدائش؟

بے مقصد

میں جاننا چاہوں گا کہ سائنس نے وہ کون سا تیر مارا ہے جس نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا۔

اگر ہم دنیا میں زندگی کے آغاز کی بات کریں تو سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ اس دنیا میں زندگی کا آغاز ایک یک خلوی جرثومے سے ہوا۔ آغاز کا مطلب یہ ہے کہ پہلے یک خلوی جرثومے سے پہلے اس دنیا میں کوئی جاندار چیز موجود نہ تھی۔ یعنی یک خلوی جرثومے نے بے جان چیزوں سے جنم لیا۔ تو کیا بے جان سے جاندار کے وجود کی پیدائش کو سائنس تسلیم کرتی ہے؟ اگر کرتی ہے تو کس بنیاد پر؟ اور اگر نہیں کرتی تو یک خلوی جرثومے کو کیسے تسلیم کر لیا جو نظریہ ارتقاء کی بنیاد ہے؟

جب سائنس سے پوچھا جاتا ہے کہ یک خلوی جرثومہ کیسے وجود میں آیا تو سائنس کہتی ہے "ہمیں نہیں پتہ"۔ کیا یہی ہے وہ جواب جس پر مسلمانوں سے یہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی خدا کے وجود کا انکار کر ڈالیں؟ کیا یہی وہ سائنس ہے جس نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا؟ یک خلوی جرثومے کی پیدائش تو ارتقائی نظریے کی بنیاد ہے۔ اور جب بنیاد ہی غیر سائنسی ہو تو باقی نظریہ سائنسی کیسے ہو سکتا ہے؟

کسی سے اپنی کوئی منطق تسلیم کروانے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر میں کہوں کہ ستارے سفید ہوتے ہیں اور آپ کو لگے کہ میں غلط ہوں تو آپ میری تصحیح کر سکتے ہیں مگر مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔ یعنی آپ یوں تصحیح کر سکتے ہیں کہ ستارے سفید نہیں ہوتے بلکہ لال ہوتے ہیں یا نیلے ہوتے ہیں۔ مگر یوں نہیں کہہ سکتے کہ ستارے سفید نہیں ہوتے اور ہمیں یہ بات پتہ ہی نہیں کہ ستارے کس رنگ کے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جب آپ کو پتہ ہی نہیں کہ ستارے کس رنگ کے ہوتے ہیں تو یہ کیسے پتہ کہ سفید نہیں ہوتے؟ ہو سکتا ہے سفید ہی ہوں؟

اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ اللہ نے ہر جاندار پہلی بار جوڑوں میں پیدا کیے اور اس سے دنیا میں زندگی کا آغاز ہوا۔ تو آپ اس کا انکار ضرور کر سکتے ہیں۔ مگر پھر آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ دوسری صورت کیا ہے؟ "پتہ نہیں" جیسے جواب سے آپ مجھ سے یہ عقیدہ نہیں بدلوا سکتے۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھ سے یہ کہیں کہ اس دنیا

میں زندگی کا آغاز خدا کی تخلیق سے نہیں ہوا مگر جب میں آپ سے یہ پوچھوں کہ کیسے تو آپ جواب دیں ہمیں نہیں پتہ۔ جب آپ کو ایک بات کا پتہ ہی نہیں تو خدا سے انکار کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟

اسی ارتقائی نظریے میں آگے چلیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یک خلوی جرثومہ ایک پودے میں تبدیل ہوا اور پودا ایک آبی جاندار میں۔ پھر وہ آبی جاندار خشکی پہ آ گئے۔

کیسے؟

جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ پانی میں سانس لینے والے جاندار گلپھڑوں سے مزین ہوتے ہیں اور خشکی کے جاندار پھیپھڑوں سے۔ پھر پانی کے جانداروں کا خشکی پہ سانس لینا کیسے ممکن ہوا؟

سائنس اس کا یہ جواب دیتی ہے کہ جو جاندار پانی سے خشکی پہ گئے ان کے گلپھڑے اور پھیپھڑے دونوں تھے۔ بعد میں تھیوری آف فٹیسٹ کے تحت خشکی کے جانداروں کے گلپھڑے ختم ہو گئے اور پانی کے جانداروں کے پھیپھڑے ختم ہو گئے۔ سبحان اللہ۔

اب یہاں کئی سوال ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔

سوال: جو جاندار گلپھڑوں اور پھیپھڑوں سے بیک وقت مزین تھے وہ آج کہاں ہیں؟

مذاہب کا گلا گھونٹ دینے والی سائنس کا جواب: وہ ناپید ہو گئے۔

سوال: کیوں؟

سائنس: پتہ نہیں۔

اگلا سوال: جب آبی جاندار خشکی پہ گئے تو ان کے گلپھڑے کیوں ختم ہو گئے؟

سائنس کا جواب: کیوں کہ وہ غیر ضروری تھے۔

سوال: تو وہ جاندار جو پانی میں رہتے ہوئے پھیپھڑوں اور گلپھڑوں سے ایک

ساتھ مزین تھے ان کے پھیپھڑے کیوں غیر ضروری نہیں تھے؟ کیا وہ جانتے تھے کہ مستقبل میں ان کا ارتقاء خشکی پہ ہونا ہے لہٰذا پھیپھڑے بچا کر رکھے جائیں وہاں کام آئیں گے؟

جواب: ہم ابھی یہ نہیں جانتے۔

یہ ہے وہ سائنس جس نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا؟

آگے چلیئے۔

ایک ملحد سے جب میں نے یہ پوچھا کہ ایک قطرہ مادۂ منویہ شکم مادر میں نو مہینے گزار کر جیتے جاگتے انسان میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے تو جواب ملا کہ اس کے ڈی این اے میں ہر عضو کی معلومات ہوتی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ معلومات کہاں سے آئیں تو جواب ملا کہ لاکھوں کروڑوں برسوں کے ارتقائی سفر سے جانداروں نے یہ معلومات سیکھی ہیں۔

اب ذرا اس بات کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

یک خلوی جرثومے میں افزائش نسل کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تقسیم کر لیتا ہے۔ یعنی ایک سے دو دو سے چار اور چار سے آٹھ۔ پھر وہ یک خلوی جرثومہ ایک پودے میں تبدیل ہو گیا۔ پودے میں افزائش نسل کا طریقہ جنسی تولید ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرثومے نے پودے میں تبدیل ہونے کے بعد جنسی تولید کا طریقہ کس سے سیکھا؟ کیا اس کی کوئی مثال پہلے موجود تھی؟ جب کوئی مثال ہی نہیں تھی تو سیکھا کیسے؟

آگے چلیں۔

پھر پودا جاندار میں تبدیل ہو گیا۔ افزائش نسل کا طریقہ ایک بار پھر تبدیل ہو گیا۔ یعنی اب جنسی تولید کی جگہ جنسی اختلاط ہونے لگا۔ یعنی اب نر اپنا عضوئے مخصوص مادہ کے عضو میں داخل کر کے مادہ منویہ چھوڑے گا تو مادہ انڈا یا بچہ جنے گی۔ یہ کام کس سے سیکھا؟ کیا اس کی کوئی مثال پہلے موجود تھی؟

پھر مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگلا سبق سیکھتا جا رہا ہے پچھلا بھولتا جا رہا ہے۔ یعنی جس تقسیم

جب جنسی تولید سے جنسی اختلاط پہ قلابازی کھائی تو جنسی تولید بھول گیا۔ پتہ نہیں بھول گیا یا جنسی تولید والے طریقے پہ چھلانگ لگائی تو تقسیم والا طریقہ بھول گیا۔ جب جنسی تولید سے جنسی اختلاط پہ قلابازی کھائی تو جنسی تولید بھول گیا۔ پتہ نہیں بھول گیا یا بتوارہ ہو گیا کہ تقسیم آج بھی صرف جرثوموں ہی کا خاصہ ہے۔ جنسی تولید آج بھی پودوں کا خاصہ ہے۔ مگر آج کا انسان جس نے جرثومے اور پودے سے ہی ارتقاء کا سفر طے کیا۔ نہ تقسیم ہونا جانتا ہے نہ جنسی تولید پہ قادر ہیں۔ وہ اب صرف جنسی اختلاط سے ہی نسلی افزائش کر سکتا ہے حالانکہ اصولاً ارتقاء کے اس سفر میں اتنا کچھ سیکھنے کے بعد آج انسان کے پاس افزائش نسل کے یہ تینوں طریقے موجود ہونے چاہیئے تھے۔ آج ہمارے معاشرے میں بہت سی خواتین ہیں جو شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ کسی مرد سے اختلاط نہیں کرنا چاہتیں مگر بچوں کی خواہش رکھتی ہیں۔ وہ گھر بیٹھے جرثوموں کی طرح اپنے آپ کو تقسیم کر لیتیں۔ رنگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔

پھر اس احمقانہ نظریے کی داستان یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔
پانی سے خشکی پہ ارتقاء ہوا پھر خشکی سے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔
وہ کیسے؟

اس موضوع پہ ابھی تک میری کسی طرف سے بات نہیں ہوئی اس لیئے مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں کہ اس کا کیا جواب گھڑیں گے۔ ہو سکتا ہے یہ کہیں کہ جانداروں کو ہوا میں اڑنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے لاکھوں سال تک ہوا میں چھلانگیں لگا لگا کر اڑنے کی کوششیں کیں۔ آخر کار ان کے پر نکل آئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انسان کو ابھی پرندوں سے سیکھ کر ہوائی جہاز ایجاد کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ انسان بھی پھدکنا شروع کر دے۔ کیا پتہ اس کے بھی پر نکل آئیں اور وہ اڑنے لگے۔

مذاہب میں خدا کے وجود اور پھر خدا کی قدرت سے جانداروں کی پیدائش تو

سائنس کے مقابل اعتقاد رکھنے والے طبقوں نے سائنس میں جو پایا وہ میں نے من وعن درج کر دیا۔ اس میں وہ تجربے بھی ہیں جو طبقوں کے ساتھ مختلف مباحثوں میں پیش آئے۔

سائنسی نظریات میں جتنے جھول موجود ہیں اس سے الحادی عزائم کی پوری قلعی کھل جاتی ہے کہ مسئلہ صرف اسلام دشمنی ہے۔ اخلاق سے آراستہ اور مذہبی پابندیوں سے فرار کا راستہ الحاد ہے ورنہ غیر متعصبانہ انداز میں سائنس کا مطالعہ کیا جائے تو سائنس کسی بھی مقام پر خدا یا مذہب کے خلاف کوئی نظریہ پیش نہیں کرتی۔

○

کیسے اور کیوں؟

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا تو کہتے ہیں ہم تو اس پر چلیں گے جس پہ اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت؟''

قرآن۔ سورہ البقرہ۔ آیت 70

دنیا کا کوئی بھی مذہب جس کا تعلق عقل کے بجائے محض عقیدت سے ہو وہ اپنے ماننے والوں کو ایسی نصیحت نہیں کرتا۔ یہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارنے والی بات ہے۔ جبکہ قرآن جگہ جگہ عقل استعمال کرنے کے مشورے دیتا ہے۔ یہ عقل ہی ہے جس کی بنیاد پر آخرت میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونا ہے ورنہ اگر آپ غور کریں تو دینِ اسلام میں نابالغ بچے اور مجنوں پر کوئی گناہ نہیں۔ گناہ گار صرف وہ جس کو عقل دی گئی تھی اور اس نے اس عقل کا استعمال کر کے ہدایت نہ پائی۔

عموماً لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ماں باپ ہی حق پر نہ ہوں تو اولاد سیدھی راہ کیسے چل سکتی ہے؟ ظاہر ہے جب تربیت کرنے والے نے تربیت ہی شرک کے خطوط پر دی تو اولاد بیچاری کیا کرے؟

دینِ اسلام میں اس کا بھی جواب موجود ہے کہ باپ کے گناہ پر بیٹا نہیں پکڑا جائے گا نہ بیٹے کے گناہ پہ باپ۔ ہر شخص چونکہ اپنی عقل لے کر پیدا ہوا لہٰذا اپنا حساب دے گا۔ تربیت کی اہمیت اپنی جگہ مگر بنیاد اور پیمانہ ہمیشہ عقل ہی رہے گی۔ تربیت

جانوروں کی بھی کی جا سکتی ہے۔ اور ان کو کوئی مخصوص عمل کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے مگر انسان میں اور جانور میں بنیادی فرق عقل کا ہے۔

ایک بندر کو آپ ناچنے کی تربیت دے دیں تو وہ ساری زندگی ناچ ناچ کر آپ کو پیسے کما کر دیتا رہے گا۔ مگر ایک انسان کو آپ بچپن ہی سے ناچنے کی تربیت دینا شروع کر دیں۔ وہ آپ کی دی ہوئی تربیت پر لاشعوری طور پر بہت کم عرصہ چلے گا۔ شعور سے روشناس ہوتے ہی اس کے اندر یہ فیصلہ پیدا ہو جائے گی کہ اب مزید مجھے یہ کام کرنا ہے یا نہیں۔ یعنی اب اگر وہ یہ کام کرتا ہے تو اپنی مرضی سے کرے گا نا کہ کسی تربیت کے زیر اثر۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو مختلف اشیاء کے نام سکھلا دیئے اور پھر فرشتوں کے سامنے ان کو پیش کر کے کہا کہ اب تم ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتے بولے اے اللہ! تو پاک ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ علم نہیں رکھتے جو تو نے ہمیں عطا کیا۔

اس آیت کو سمجھنے میں مجھے کئی دن لگے۔ سوچ کا محور یہ تھا کہ جب اللہ نے آدم کو چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرشتوں کو بھی بتا دینے چاہیے تھے۔ تا کہ وہ بھی بتا دیتے۔ مقابلہ برابر کا ہو جاتا۔

بات سمجھ میں یہ آئی کہ انسانی فطرت میں اور دوسری مخلوقات کی فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری کئی مخلوقات انسان سے پہلے سے اس زمین سے روشناس تھیں۔ انسان کی پیدائش سے پہلے جنات بھی موجود تھے اور فرشتے بھی۔ مگر ان کے علم کی حد بس اتنی ہی تھی جتنا اللہ نے ان کو عطا کیا۔ مگر انسان کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ انسان تجسس کا مارا کبھی سمندر کی تہوں میں قدرت کی فنکاری کے نمونے دیکھتا ہے کبھی خلاؤں میں۔ ایک چیل کو اڑتا دیکھ کر جہاز ایجاد کرتا ہے۔ وہیل مچھلی کو دیکھ کر آبدوز بنا لیتا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز کی نقل بنانے پر کوشاں ہے۔ اور اللہ کی بنائی کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ دیگر مخلوقات میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ فرشتوں کو اگر نام

بتائے بھی گئے ہوں گے تو انہوں نے صرف نام ہی بتائے ہوں گے جب کہ عصر
ان چیزوں کا پورا بائیوڈیٹا نکال لیا ہوگا۔ انسانی عقل محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتی
کیا ہے کیسے ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو بھی کھوجتی ہے کہ یہ کیوں ہے؟ اور
انسان "کیوں" کے جواب کو کھوجنے نکلتا ہے تو اس کی تلاش اس کے خالق پر ختم ہوتی ہے
ہدایت اسی کو کہتے ہیں۔

ملحد اور مسلمان کی سوچ میں بھی اس "کیسے" اور "کیوں" کا ہی فرق ہے

مثلاً ہم کھانا کیسے کھاتے ہیں؟ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ
کیسے پیتا ہے؟ اس علم میں تمام مخلوقات برابر ہیں۔ کیا جانور، کیا ملحد اور کیا مسلمان
مگر "کیوں" کی کھوج صرف مسلمانوں کا ہی وصف ہے۔

ہم کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ بچہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتی
میں دودھ کیوں تلاش کرتا ہے؟ ان سوالات کا تعلق خالصاً مذہب سے ہے۔ کیوں کی
تلاش کا دوسرا سرا خدا کی ذات ہے۔

خدا کے انکار کی صورت میں کئی سوال حل طلب رہ جاتے ہیں۔

یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟

بگ بینگ ہوا تھا۔

بگ بینگ کیوں ہوا تھا؟

جواب ندارد

زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

ارتقاء کی پوری ٹوٹی پھوٹی داستان سن لیجیے۔

زندگی کی ابتدا کیوں ہوئی؟

جواب ندارد۔

پھلوں میں ذائقہ کیسے آیا؟

وہ اس کی وجہ ہے۔
پھلوں میں ذائقہ کیوں آیا؟
جواب ندارد۔
سائنس صرف طریقہ کار کی وضاحت کرتی ہے۔ وجوہات کا تعین کرنا سائنس کا دائرہ کار نہیں۔ یہ مذہب کا دائرہ کار ہے۔

عموماً الحاد میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذہبی لوگ جب کسی معاملے کو سمجھ نہیں پاتے تو اس کو خدا پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں جبکہ غیر مذہبی لوگوں کی جستجو ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ حقائق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ مگر میرے الحاد سے ٹکراؤ کے بے شمار تجربوں کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ بات اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ میں نے جب بھی کسی ملحد سے "کیوں" کا سوال اٹھایا ہے اسے بھاگتے ہی پایا ہے۔ بہت کم ملحد ایسے ٹکرے جنہوں نے جواب دینے کی ناکام کوششیں کیں۔ مگر حقیقی معنوں میں کسی بھی کام کے ہونے کی وجوہات کو تلاش کرنے کی کوشش نہ ملحد کرتے ہیں نہ سائنس دان۔ کیوں کہ عقل بتاتی ہے کہ یہ تلاش خدا پر ایمان پہ جا کر ختم ہوتی ہے۔

میں نے کئی مرتبہ ملحدوں سے یہ سوال پوچھا کہ پھلوں کے ذائقے مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ پھل اتنے لذیذ اور ذائقے دار کیوں ہوتے ہیں؟ کیا قدرتی انتخاب میں یہ ممکن نہ تھا کہ ہر پھل کا ذائقہ گندم جیسا ہی ہوتا؟ یا ذائقہ سرے سے ہوتا ہی نہ؟ ضرورت کیا تھی ذائقے کی؟ مجھے ایک خاتون ملحدہ کے سوا کسی نے جواب دینے کی کبھی کوشش ہی نہ کی۔ ان خاتون کا جواب بھی "کیسے" پر مبنی تھا۔ "کیوں" کا جواب وہ بھی نہ دے پائیں۔ جانوروں کے جسموں پہ بنے خوبصورت نقش و نگار۔ پھولوں کے رنگ ان کی خوشبو۔ کیا یہ سب زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا؟

فطری انتخاب کہیے یا بقائے اصلاح، صرف ضروریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ آپ کو بس یہی کہانیاں سننے کو ملیں گی کہ جس چیز کی ضرورت پڑتی چلی گئی وہ خود بخود اگتی چلی

گئی اور جو چیز غیر ضروری تھی وہ ختم ہوتی چلی گئی۔ انسان کو بیوقوف بنانے کے لئے [illegible]
کہا گیا کہ لذت اور ذائقہ کچھ نہیں سوائے ہمارے دماغ کی اختراع کے۔
عجیب نظریہ جس میں کبھی کچھ کہا جاتا ہے اور کبھی اسی بات کے خلاف [illegible]
بات کردی جاتی ہے۔

مثلاً اگر سوال پوچھا جائے کہ ڈائناسارز کیوں ختم ہو گئے؟

تو جواب ملتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے مطابقت نہ کر پائے اس لئے ناپید ہوئے

اب اگر پوچھا جائے کہ اونٹ کے اندر صحرا میں پیش آنے والی مشکلات سے [illegible]
خصوصی صلاحیتیں کس نے ڈالیں؟

تو جواب آتا ہے کہ چونکہ وہ صحرا میں پیدا ہوا لہٰذا اس ماحول میں زندہ رہنے کے
لئے از خود اس کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔

یعنی ایک طرف ایک جانور جو ماحول سے مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے ناپید ہوا
اور دوسری طرف ایک جانور جس نے ماحول سے مطابقت نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ
برقرار رکھا۔ بلکہ اس کے اندر خود بخود ایسے اعضاء پیدا ہو گئے کہ وہ صحرا میں زندہ رہ سکے
کیا کہئے اس کو کہ ایک جاندار فطری انتخاب کی بھینٹ چڑھ گیا دوسرا
اصلاح کا منظور نظر ٹھہرا؟

مجھے تو آج تک یہ بھی نہ سمجھ آیا کہ فطری انتخاب میں فطرت سے کون مراد ہے
انتخاب کے لفظ سے لگتا ہے کہ یہ کوئی رینڈم سلیکشن نہیں بلکہ سوچا سمجھا انتخاب تھا۔ کس نے
سوچا کہ اونٹ کو باقی رہنا چاہئے اور ڈائناسارز کو ناپید ہو جانا چاہئے؟

صرف ان دو جانوروں کی مثالوں سے کئی سوال جنم لیتے ہیں۔ مگر جواب دینے
والا کوئی نہیں۔ خدا کا انکار کرنے کا شوق ہے بس۔ چاہے اس کے نتیجے میں ذلت اور [illegible]
مقدر بن جائے۔

کیوں کا سوال

ملحد اکثر کیسے اور کیوں کی سوچ کو بے مقصد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کا ماننا ہے کہ سائنس کا کام صرف کیسے کی وضاحت کرنا ہے کیوں کے چکر میں پڑنا سائنس کا کام نہیں۔ یہ مذہب کا کام ہے اور بے مقصد ہے۔

یہی بات ایک سال پہلے میں نے بھی کہی تھی کہ سائنس صرف کیسے کی وضاحت کرتی ہے کیوں کی وضاحت کرنا سائنس کا دائرہ کار نہیں۔ یہ مذہب کا دائرہ کار ہے۔ ساتھ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کیوں کی تلاش خالق پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس کا ملحد انکار کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ کیوں کی بحث ایک بے مقصد اور لا حاصل بحث ہے۔ یہ وہی ملحد ہیں جو مذہبیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ سوال نہیں پوچھتے۔ اب پوچھو تو کہتے ہیں یہ سوچنا ہی بے مقصد ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔

پھر اپنی بات کو تقویت بخشنے کی خاطر انہوں نے ایک بھونڈی سی مثال بھی دی ہے کہ:

"سائنس یہ تو بتا سکتی ہے کہ کن عوامل کے تحت گنگا اور جمنا ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں سے نکل کر بھارت کے درمیان سے ہوتے ہوئے بحر ہند میں جا گرتے ہیں مگر جب انکے انڈیا کے عین درمیان سے گزرنے کا "مقصد" پوچھا جائے تو یہ سائنس کا سوال نہیں رہتا البتہ ایک ہندو پنڈت اس کا جواب یہ دے گا کہ اس کا مقصد لوگوں کو اشنان کر کے اپنی زندگی کے پاپوں سے پاک صاف ہو کر دوبارہ پوتر ہونے کا موقع دینا ہے۔"

اب یہ احمقانہ سوال پوچھ کر "کیوں" سے متعلق میرے سوالات کو بے تُکا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ ایک دھوکا ہے۔

میں نے کبھی یہ سوال پوچھا ہی نہیں کہ فلاں دریا فلاں جگہ کیوں بہتا ہے دوسری جگہ کیوں نہیں بہتا۔

میرے "کیوں" سے متعلق سوال کل والی تحریر میں موجود ہیں۔

سائنس جو کہ عقل سے تعلق رکھتی ہے وہ میرے ایک ہی نوعیت کے پوچھے گئے سوالوں کے دو مختلف اور متضاد جواب کیسے دے سکتی ہے۔

ڈائنوسارز کیوں ناپید ہو گئے؟

کیوں کہ وہ ماحول سے مطابقت نہ رکھ پائے۔

اونٹ کیوں نہ ناپید ہوئے؟

کیوں کہ اونٹوں نے ماحول کی مطابقت سے اپنے اعضاء کو ڈھال لیا۔

او بھائی پھر ڈائنوسارز نے کیوں نہ اپنے آپ کو ماحول میں ڈھال لیا؟

اونٹ صحرا کا جانور ہے جس کو کئی کئی روز بغیر غذا اور پانی کے سفر کرنا پڑتا ہے قدرت نے اس میں ایسی صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے کوہان میں غذا اور پانی کو اسٹور کر لیتا ہے۔

یہ قدرت کون ہے؟

یہ کوئی نادیدہ قوت ہے جو خدا نہیں ہو سکتا۔

کیوں اس کے پیچھے خدا کیوں نہیں ہو سکتا؟

کیوں کہ ہم خدا کو نہیں مانتے۔

لو بھائی نیز تیس اونٹ لوں وی نہ منو۔

اونٹ کو دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کر سکتے اور انکار خدا کا کرنا بہت ضروری ہے؟

یہ کیوں سے متعلق کوئی ایک سوال تھوڑی ہے۔ نہ ہی ہر جانور اپنی پیٹھ پر کوہان

لیے گھوم رہا ہے۔ جتنی مخلوقات ہیں اس سے کئی گنا زیادہ سوال۔ ہر جانور ایک مختلف
...دیت لیے گھوم رہا ہے۔

گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔ یہ اس کے دفاعی نظام کا حصہ ہے۔ جس چیز پر وہ موجود
ہوتا ہے اس کا رنگ اسی جیسا ہو جاتا ہے۔ اس کے دشمن اسے دیکھ نہیں پاتے۔ گرگٹ کے
اندر رنگ بدلنے کا یہ نظام کسی انتہائی ذہین دماغ کی فنکاری ہے۔ مگر کس کی؟ کیا آپ کو لگتا
ہے گرگٹ اتنا ذہین جانور ہے کہ اس نے خود بخود اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کر لی؟ یا یہ بھی
قدرت کا کارنامہ ہے؟ اس کا مطلب قدرت اپنے پاس ایک عدد ذہین دماغ بھی رکھتی
ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر جانور رنگ بدلتا ہے؟

نہیں۔

جتنے جانور اتنے ہی زیادہ دفاعی نظام۔ ایک سے بڑھ کر ایک نظام۔

دریا میں کی ایک مچھلی جس کا نام "ایل" رکھا گیا ہے وہ کسی بیرونی لمس پر اپنے جسم
میں کرنٹ پیدا کرتی ہے۔ وہی کرنٹ جسے ایجاد کرنے میں انسان کو نہ جانے کتنے عرصے
دماغ کھپانا پڑا۔ وہ مچھلی اس کرنٹ کو پیدا کرنے کے لئے کوئی دماغ استعمال نہیں کرتی۔
ایک خودکار نظام ہے۔ آپ بس مچھلی کو چھو لیں وہ کرنٹ پیدا کرنا شروع کر دے گی۔ کرنٹ
بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ ہلاکت خیز کرنٹ۔

سانپ کے منہ میں زہر ہوتا ہے جو دشمن کے خلاف بہترین ہتھیار ہے۔ یہ زہر
اس کے منہ میں کیسے آیا یہ سائنس کا موضوع ہے۔ مگر کیوں آیا؟ تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکے۔

مگر وہ کون ہستی ہے جو ہر ایک مخلوق کو ایک مختلف نوعیت کے دفاعی نظام کے
ساتھ پیدا کر رہی ہے؟ سانپ کے پاس تو اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دفاع کے لئے
اپنے اندر کوئی نظام از خود پیدا کر لے۔ یقیناً کسی بیرونی قوت کا دخل ہے۔ مگر وہ قوت ہے
کون؟

قدرت؟ ارتقاء؟ یا خدا؟

قدرت بقول دہریں کے خودبخود کا ہی دوسرا نام ہے۔

اگر یہ سارے دفاعی نظام خودبخود پیدا ہو رہے ہوتے تو ان میں اتنی دانائی کہاں ہے؟

سانپ میں بھی زہر ہوتا۔ گرگٹ میں بھی زہر ہوتا اور ایل میں بھی۔

یا

سانپ بھی رنگ بدلتا۔ گرگٹ بھی اور ایل بھی۔

یا

سانپ بھی کرنٹ مارتا گرگٹ بھی اور ایل بھی۔

سوچیئے۔ سوچنے پہ پیسے نہیں لگتے۔ دماغ ایسی چیز ہے کہ جتنا خرچ کریں گے اتنا ہی بڑھے گا۔ اس کو سنبھال کر نہ رکھیں۔ جو دل بند ہو گیا تو دماغ بھی ساتھ ہی بند ہو جاتا ہے۔

○

اسلام اور الحاد۔ ایک موازنہ

کسی بھی چیز کی مارکیٹنگ کے لئے اس کا خوشنما یا دلکش ہونا ضروری ہے۔ جتنی زیادہ وہ پراڈکٹ خوشنما اور دلکش ہوگی اتنی زیادہ تیزی سے پھیلے گی۔

"حضرت انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور جہنم نفسانی خواہشات سے ڈھکی ہوئی ہے۔" صحیح مسلم۔ کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا۔

اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جنت میں جانے کے لئے ہر وہ کام کرنا ضروری ہے جو انسانی نفس پہ بھاری ہوتا ہے۔ جیسے نماز پڑھنا۔ روزہ رکھنا۔ ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرنا اور جہنم میں جانے کے لئے نفس کی پیروی کافی ہے۔ جو دل چاہے کرتے پھرو۔ اس اعتبار سے دین اسلام کو ایک فلاپ شو ثابت ہونا چاہئے تھا۔ مگر کچھ عرصے میں یہ دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ الحاد بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان میں نہ تو الحاد کا کوئی حال ہے نہ مستقبل۔ الحاد کے پھیلنے کا حلقہ احباب آج بھی وہی طبقہ ہے جو دین میں رہتے ہوئے دین سے متنفر تھا۔ اپنی مرضی سے جینے کا خواہشمند تھا۔ جن ممالک میں لوگ دینی معمولات میں دلچسپی نہیں لیتے ان ممالک میں الحاد کے پھیلاؤ کی رفتار نسبتاً تیز ہے۔

الحاد اصل میں ہے کیا؟ محض نفس کی پیروی۔ یعنی جو دل چاہے وہ کرو۔ چاہے اس

کے معاشرے پر کچھ بھی اثرات مرتب ہوتے ہوں۔ جن کو اپناتے وہی تھے جو ویسے تو
رہتے ہوئے بھی نفس کی پیروی کے خواہش مند تھے۔ الحاد نے انہیں معاشرے کی سختی
سے بچانے کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا۔

اسلام انسان کو پابند بناتا ہے جب کہ الحاد انسان کو آزاد بناتا ہے۔

مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ جس قسم کی الحادی تعلیمات ہیں اسے تو دنیا میں
ہاتھوں ہاتھ لیا جانا چاہیے تھا؟

اسلام میں شراب پینے پر پابندی ہے کیوں کہ یہ نہ صرف انسان کی اپنی صحت
کے لیے مضر ہے بلکہ آس پاس کے لوگوں کو بھی مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ مگر الحاد اس
پابندی سے آزاد ہے۔ شراب پئیں۔ جوا کھیلیں۔ زنا کریں۔ جو دل چاہے وہ کریں۔ یہ
زندگی نہ ملے گی دوبارہ۔ اس بیچ کسی اور کو نقصان پہنچتا ہے تو پہنچتا رہے۔ الحاد کے پاس اس
مسئلے کا کوئی حل نہیں۔

اسلام آپ کو پابند بناتا ہے کہ صبح سورج نکلنے سے کچھ پہلے اٹھ کر نماز پڑھو۔ اپنے
رب کو یاد کرو۔ دوپہر ہو تو دوبارہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھو۔ پھر سہ پہر کو نماز۔ پھر غروب
آفتاب اور پھر رات کو سوتے وقت۔

مگر الحاد میں ایسی کوئی پابندی نہیں۔ جب تک دل چاہے رات جاگتے رہو۔
جب دل چاہے سو جاؤ اور پھر جب دل چاہے سو کر اٹھو۔ نہ وضو کی پابندی نہ غسل کی۔

اسلام میں ایسی پابندی اور الحاد میں ایسی سہولت کے باوجود سب سے زیادہ
تیزی سے پھیلنے والا مذہب آج بھی اسلام ہے۔

اسلام میں خواتین کو پردے کا حکم ہے اور مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا۔ اسلام آپ کو
کچھ عورتوں تک محدود کرتا ہے۔

جبکہ الحاد میں مادر پدر آزادی۔ جس کو مرضی دیکھو جیسے مرضی دیکھو۔ پردے تو کیا
کپڑوں کی بھی کوئی شرط نہیں۔ ننگے گھومنے سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ (ذہنی

کی ضمانت کے لیے آگے تحریر پڑھیں وہاں ان ای کی کی برقعہ اور دنیا کا ماہ ناز میگزین
میں ان شادی کا کوئی جھنجٹ نہیں۔ جتنی مرضی عورتوں سے تعلقات قائم کرو۔

مگر ان تمام پابندیوں کے باوجود آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے
پھیلنے والا مذہب اسلام ہی ہے۔

الحاد میں موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ جو مرضی کرو۔ اگر دنیا میں سزا
سے بچ گئے تو کامیاب۔ ڈاکے ڈالو۔ چوری کرو۔ قتل و غارت۔ غرض جدھر سے بھی دنیا تباہ کر
کے اپنی زندگی اچھی کر لینا اس وقت تک کوئی جرم نہیں جب تک آپ پکڑے نہیں جاتے۔
اور اگر پکڑے گئے تو اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ آپ دولت کے ذریعے نظام
خرید لو اور باعزت بری ہو جاؤ۔

مگر اسلام میں انسان کے پاس ایک نظریہ حیات ہے۔

قرآن پاک کی سورہ الزلزال۔ آیت نمبر 7 اور 8 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

"تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر
برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا ۸"

دنیا میں قوانین کا ڈر اپنی جگہ مگر آخرت میں بھی سزا کا ڈر ہے۔ آپ جتنے مرضی
طاقتور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتے۔ جب حساب ہوگا تو بادشاہ کا بھی
اور فقیر کا بھی۔

اسلام میں ایک نظام ہے زکات کا نظام۔ جس شخص کا مال ایک مخصوص حد سے
تجاوز کر جائے گا وہ اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا پابند ہوگا۔ اس ٹیکس کا اطلاق
غریب آدمی پر کسی صورت نہیں ہوتا۔ بلکہ غریب آدمی یہاں ٹیکس لینے والوں میں سے ہوگا
میرے نزدیک یہ دنیا کے تمام نظاموں میں واحد ٹیکس ہے جس کو وصول کرنے والا غریب

۴۔ کسی چیز کی بادکیاف کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے اجراء میں حل کیا جائے۔ مگر اسلام میں مروجہ زکاۃ کا نظام امراء کے لیئے ہرگز کوئی کشش نہیں ملکہ خالصتاً غریبوں کی مدد کے لیئے قائم کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اسلام کا تیزی سے پھیلنا بذات خود اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ زکاۃ کے نظام کا مقصد ایک تو غربت کو ختم کرنا ہے اور دوسرا دولت کو امیر آدمی کی بند تجوری سے باہر لا کر معیشت کو بہتر بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سورہ التوبہ آیت نمبر 24

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾

"مومنو! (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور (ان کو) راہ خدا سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنا دو ۳۴"

زکاۃ کے نظام میں جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے مساوی رقم ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے وہ اس کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دینے کا پابند ہوگا۔ اور یہاں حکم نفل یا سنت کا نہیں بلکہ براہ راست فرض کا ہے۔ یعنی جو ایسا نہ کرے وہ سخت گناہ گار ہوگا۔

میں دنیا میں رائج انسانی ہاتھوں کے تیار کردہ ٹیکس کے نظام دیکھتا ہوں اور ان کا موازنہ زکاۃ کے نظام سے کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ ہر ٹیکس کے نظام میں سقم پائے جاتے ہیں جن کی روشن مثال آج ہمارے حکمرانوں کے عدالتوں میں چلتے ہوئے مقدمے

ہے۔ مگر زکوٰۃ کے نظام میں میں ایسا کوئی سقم نہیں پاتا۔ اس سے بچنا ممکن نہیں سوائے اس
کے کہ آپ اس کا وجود ہی سے انکار کر دیں۔ کوئی امیر بھی شخص عدالت میں کھڑا ہو کر یہ نہیں
کہہ سکتا کہ میری تو کمائی ہی پانچ ہزار روپے ماہانہ ہے اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ میرے بچوں
کا ہے میرے نام پر کچھ بھی نہیں۔ زکوٰۃ کا اطلاق آمدنی پر نہیں بلکہ جمع شدہ مال پر ہوتا
ہے چاہے وہ جمع شدہ مال آپ کا ہے یا آپ کے بچوں کا۔ بہرحال آپ کسی کالے چور کے
ہی ہوں، زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ جس کے پاس سے نکلے گا وہی زکوٰۃ دے گا۔ زکوٰۃ
عمومی طور پر آپ کے اس مال کو ٹارگٹ کرتی ہے جسے آپ نے ہلاک کر لیا ہے۔ مارکیٹ
سے علیحدہ کر دیا ہے۔

مثال کے طور پر اگر آپ کے پاس ساڑھے سات تولے سونا موجود ہے تو آپ دو
میں سے ایک کام کر سکتے ہیں۔

یا تو اس کو تجوری میں چھپا لیں اور ہر سال اس پر زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یا اس کو کسی
کاروبار میں شامل کر دیں۔

جو کچھ مجھے کچھ آیا وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے پورے نظام کا مقصد زکوٰۃ کی وصولی
سے زیادہ مال کو تجوریوں سے باہر نکلوا کر مارکیٹوں میں لانا ہے۔ کیوں کہ دوسری صورت
زیادہ کارآمد نظر آتی ہے۔

ذرا کیلکولیٹ کریں تو آج کے حساب سے ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت
ساڑھے تین لاکھ کے آس پاس بنتی ہے اور اس پر سال بھر بعد جو زکوٰۃ لاگو ہو رہی ہے وہ نو
ہزار سات سو پانچ ہے۔ یہ نو ہزار روپے زکوٰۃ کے نام پر کسی شخص کو دینے میں لینے والے کا
تو فائدہ ہو جاتا دینے والے کا نقصان ہے۔ اس کا مال ہر گزرتے سال نو نو ہزار کر کے
کم ہوتا چلا جائے گا۔ (واضح رہے یہ میں ایک کاروباری شخص کی سوچ بتا رہا ہوں ورنہ
تو صدقہ بلاشبہ برکت ہے اور اس سے مال کم نہیں ہوتا)۔ جو شخص کاروباری ہوگا وہ یقیناً تو
اسے ہر سال کم کروانے سے بہتر یہ خیال کرے گا کہ ان ساڑھے تین لاکھ کو مارکیٹ

میں ڈال دیا جائے تاکہ یہ بجائے کم ہونے کے بڑھنا شروع ہو جائے اور اس طرح یہ معاشرے کی ترقی کے لیے اس کو بڑا رہنے کہیں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔

جس شخص کے پاس ایک سے زائد مکان ہیں اس کے اضافی مکان پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔ مگر اس میں کچھ مستثنیات ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔

اگر وہ شخص ایک مکان میں خود رہتا ہے اور دوسرے کو خالی چھوڑ دیتا ہے تو اس مکان کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ لاگو ہوگی۔ لیکن اگر وہ اسی مکان کو کسی کو معاوضے کے عوض رہنے کے لیے دے دیتا ہے تو اس پر وصول کردہ معاوضے کے حساب سے زکوٰۃ ہوتی ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں اگر مکان کی قیمت ایک کروڑ ہے تو زکوٰۃ کی رقم ہر سال ڈھائی لاکھ دینا پڑے گی۔ دوسری صورت میں معاوضہ اگر ایک لاکھ روپے سالانہ طے ہوا ہے تو زکوٰۃ ڈھائی لاکھ سے گھٹ کر ڈھائی ہزار آجائے گی۔ یقیناً جو شخص صاحبِ مکان ہے وہ مکان کو خالی چھوڑنے کے بجائے معاوضے پر رکھنے کو ترجیح دے گا۔ جس سے مارکیٹ میں کرائے کے مکانوں میں زیادتی ہو جائے گی اور نتیجتاً کرائے میں کمی واقع ہوگی۔

زراعت کے شعبے میں فصل کٹائی پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔ اس پر سال پورا ہونے کی شرط نہیں۔ جیسے ہی فصل تیار ہوگی اور اس کی کٹائی ہوگی اسی وقت زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

اس میں بھی کئی باتیں انتہائی غور طلب ہیں۔

مثلاً وہ زمین جو زراعت کے لیے ہے مگر خالی پڑی ہے اور اس پر کاشت نہیں ہو رہی اس زمین پر زمین کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ لاگو ہوگی۔ مگر اسی زمین پر آپ گندم کاشت کر لیجیے تو اسی گندم کا کچھ حصہ آپ کو زکوٰۃ میں دینا پڑے گا جو آپ نے زمین پر اگائی ہے اور آپ اصل زمین پر زکوٰۃ دینے سے بچ جائیں گے۔ یعنی اگر آپ کاشت نہیں کرتے تو ہر سال آپ کی زمین پر جو زکوٰۃ کٹ رہی ہے وہ آپ کی جمع شدہ

میں سے منہا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مگر اگر آپ اس زمین پر گندم کاشت کر لیں تو زکات میں اسی گندم کا کچھ حصہ دیا جائے گا اور اصل زمین وہیں کی وہیں رہے گی۔

زکات کی ان شرائط پر اگر گہرائی میں جا کر غور کیا جائے تو اس دنیا میں مہنگائی کے بڑھنے کی جو سب سے بڑی وجہ ہے وہ یہی ہے کہ کچھ سرمایہ کار محض قیمتوں میں اضافے کی غرض سے اپنی زمینیں خالی چھوڑ دیتے ہیں اور ان پر کاشت نہیں کرتے۔ جس سے خورد و نوش کی اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کر دی جاتی ہے اور پھر من چاہے دام وصول کیے جاتے ہیں۔

جیسے جیسے انسان زکات کے نظام کو پڑھتا چلا جاتا ہے اسے دین اسلام کی حقانیت کا یقین آتا چلا جاتا ہے کہ اتنا زبردست نظام کسی انسان کے دماغ کی اختراع نہیں ہو سکتی۔

بنیادی طور پر جو زکات کے نظام کا اصول ہے وہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر اصل چیز پہ زکات نہ دینا چاہیں تو اس کو مارکیٹ میں لے کر آئیں۔ اس سے مزید مال کمائیں اور اس کمائے ہوئے مال پر زکات دیں۔ اصل محفوظ رہے گا۔ دوسری صورت میں اصل آہستہ آہستہ خرچ ہوتا رہے گا۔

الحاد تو کیا پوری دنیا میں اس کے متوازی کوئی نظام نہیں۔

○

اسلام اور دیگر مذاہب

کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں کیا فرق ہے اور وہ کون سی
خوبی ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔

پہلے تو دین میں اور مذہب میں فرق سمجھ لیں۔

دین وہ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا۔

مذاہب وہ ہیں جنہیں انسانوں نے ایجاد کیا۔

اس اعتبار سے اسلام دین ہے۔

اب اس فرق کو سمجھ لیتے ہیں کہ جو دین اللہ کی طرف سے بھیجا گیا اس کے
مقابلے میں مذاہب کہاں کھڑے ہیں۔

دین اسلام ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں انسان کی زندگی کے کسی بھی
پہلو کو بغیر رہنمائی کے چھوڑا نہیں گیا۔ پھر اس بات کا بھی خالق کائنات کی طرف سے پورا
خیال رکھا گیا ہے کہ جس دور میں انسان کو جس قسم کے احکامات کی ضرورت ہو، بعینہٖ
اسی طرح کے احکامات دیئے گئے ہیں۔

سب سے پہلے تو ایک اصول کو سمجھ لیں کہ اس دنیا میں کوئی بھی ایسا نظام عمومی
قبولیت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس نظام کو ماننے والے اور اس نظام کو بنانے والے
کے مفادات سانجھے ہوں۔ کیوں کہ اگر مفادات سانجھے ہوں گے تو بنانے والا اس میں
اپنے ذاتی مفادات کا خصوصی خیال رکھے گا۔ مگر یہی کام اگر خالق حقیقی کی طرف سے ہو

جائے گا تو اس تفریق کے بغیر کیا جائے گا کہ کس کا ظاہری فائدہ زیادہ ہے اور کس کا کم۔ بلکہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ جو قوانین بنائے جائیں ان سے تمام انسانیت ایک جیسی مستفید ہو۔ کسی پر کوئی ظلم نہ ہو زیادتی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر قوم پر انبیاء کرام بھیجے۔ جنھوں نے اللہ کا خالص پیغام کسی بھی ذہنی قاعدے سے بالاتر ہو کر لوگوں تک پہنچایا۔ مگر بعد کے لوگوں نے دنیاوی خواہشات کے تلے دب کر ان ادیان میں من چاہی تبدیلیاں کیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل کی، داؤد علیہ السلام پر زبور نازل کی، عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔

پچھلی تین کتابوں میں ان کی امتوں نے اپنی من چاہی تبدیلیاں کیں جس کا لازمی نتیجہ نکلا کہ اب وہ کتابیں زمانے سے ہم آہنگ ہونے کے قابل نہیں رہیں۔ ان میں غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے اور وہ غلطیاں مزید تبدیلیوں کا جواز فراہم کرتی ہیں۔

اس کے برعکس آخری نازل کردہ کتاب قرآن میں آج تک کسی قسم کی کسی تبدیلی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ کتاب جتنی خالص آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے نزول کے وقت تھی اتنی ہی آج بھی ہے۔

اس کے خالص ہونے کی بنیادی وجہ قرآن ہی میں کیا گیا اللہ کا وہ وعدہ ہے کہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾

"بے شک ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (سورہ الحجر)"

اس آیت سے طلبہ ایک سوال یہ بھی اٹھاتے ہیں کہ کیا پچھلی کتابیں کسی اور نے نازل کی تھیں؟ کیا ان کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری نہ تھی؟ وہ کیوں بدل گئیں؟

اس کا جواب بڑا سادہ ہے۔ اس اصول کو سمجھ لیں کہ دین اسلام کا آغاز قرآن
سے نہیں ہوا بلکہ تکمیل قرآن پر ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی سماوی صحائف یا کتب
وہ بے شک اللہ ہی کی طرف سے تھے۔ مگر ان میں کئی قوانین ایسے تھے جو عارضی
ضرورت کے تحت تھے۔ جن کو وقت کے ساتھ ساتھ خود ختم ہونا تھا۔ نیز ان صحیفوں کی
حفاظت کا ذمہ امتوں کو ہی سونپ دیا گیا۔ اطمینان بخش صورت حال یہ تھی کہ اگر کسی
قسم کی تبدیلیوں کی صورت میں اصلاح کی گنجائش اگلے آنے والے انبیاء کی صورت میں
موجود تھی۔ پھر وہ کتابیں نازل بھی ان ادوار میں ہوئیں جس دور میں لکھے ہوئے کو
بحفاظت رکھنے کا کوئی طریقہ انسان کے پاس موجود نہ تھا سوائے اس کے کہ کل بھروسہ
حافظے پہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امتیں ان کتابوں کی حفاظت نہ کر پائیں۔

قرآن کا معاملہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ قرآن ایک ایسے دور میں نازل ہوا
جب انسان لکھی ہوئی چیزوں کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔ پھر اس سے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر حفظ کی ترغیب دلائی۔ آج اگر کسی حادثہ میں
تمام لکھا ہوا مواد انسانی ہاتھوں سے ضائع ہو جائے تو قرآن دنیا کی واحد کتاب ہوگی جو
حفاظ کے ذریعے فوری طور پر دوبارہ مرتب ہو جائے گی۔

قرآن کی حفاظت کے کئی معیار اللہ کی طرف سے ہی مقرر کیے گئے ہیں۔
اس کی صرف یہ ہے کہ اب مزید کسی نبی نے نہیں آنا۔ اب یہ مسلم امہ ہی کی ذمہ داری ہے
نبیوں کی ذمہ داری کو انجام دے۔

اسلام کے جو قوانین ہیں ان پر اگر غور کیا جائے تو وہ انسانی ساختہ نہیں لگتے
ہم تمام اسلامی قوانین جو قرآن و حدیث سے ہمیں ملتے ہیں کو عقلی معیار پر پرکھیں تو پتہ
ہوتا ہے کہ یہ قوانین تمام دنیا کے سارے دانشور مل کر بھی تخلیق نہیں کر سکتے تھے۔

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ قرآن میں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ
فان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

"اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ عربی) پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو ۲۳ لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ۲۴"

یہ وہ چیلنج ہے جسے قبول کرنے کی آج تک کسی عربی داں نے ہمت نہ کی۔ مگر ہم مسکین جیسے بھارتی جن کو اپنی زبان ٹھیک سے بولنی نہیں آتی، انگریزی بولتے ہیں تو انگریز خودکشی کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں کہ ایسی انگریزی سننے سے پہلے ہم مر کیوں نہ گئے آج کل قرآن کے مقابلے پر عربی سورتیں بنانے میں مصروف ہیں۔ سبحان اللہ

پھر اس من گھڑت عربی جس کی ٹکے جتنی وقعت نہیں ہے اس کو یو ٹیوب پر اپ لوڈ کر کے کہتے ہیں لو ہم نے چیلنج پورا کر دیا۔ ان عقل کے اندھوں کو کوئی سمجھائے کہ ایسی عربی تو عرب میں روز لکھی جاتی ہے روز بھلا دی جاتی ہے۔ جو بھلایا نہ جا سکا اسے کہتے ہیں قرآن۔

یہ ایک دو سورتیں لکھ کر اچھل رہے ہیں جبکہ آج سے سترہ یا اٹھارہ سال پہلے [illegible] میں ایک صاحب نے ایک سو چودہ سورتوں کی نقل تیار کر کے اس کا نام الفرقان رکھا اور سینہ ٹھوک کر مارکیٹ میں اس کی تشہیر شروع کر دی۔

آج کہاں ہے؟

چند سالوں میں داستان مٹ گئی۔ آج نہ اس مصنف کا کوئی نام لیوا ہے نہ اس کتاب کا۔

اصل چیلنج یہ نہیں کہ آپ عربی میں کوئی بھی ایسا کلام لکھ کر اس کو قرآن کی کسی سورت کے مقابلے میں پیش کر دو۔ بلکہ اصل چیلنج یہ ہے کہ اسے دنیا سے تسلیم بھی کرواؤ کہ واقعی کچھ قابل ذکر لکھا ہے جو قرآن کی ٹکر کا ہے۔

چودہ سو سال نہ سہی چودہ سال تو چلے۔ یہاں تو سال بھر میں کہاں تک جاتا ہے۔

قرآن میں جو نظام بیان ہوا ہے وہ کوئی ایک نظام نہیں ہے۔ بلکہ ضخیم طویل نظاموں کا ایک مجموعہ ہے جو کسی ایک شخص کی ذاتی کاوش سے ممکن ہی نہیں۔

صلاۃ کا نظام پڑھ لیں تو اس کے اسرار و رموز انسان کو حیران کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مسلمانوں کی ایسی اجتماعی عبادت جس کو کئی کافر فوج میں بطور مثال دکھایا جاتا ہے کہ ہمیں ایسے نظم و ضبط کی ضرورت ہے۔

زکات کے نظام کو سمجھ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس نظام کو پوری دنیا میں محض چند سال کے لیے نافذ کر دیجیے اور غربت ایسے ختم ہو جائے گی جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔

قصاص و دیت کا نظام محض کچھ عرصے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو [illegible] لئے عدل و انصاف کی ایک مثال بنا دیتا ہے۔

حکومت کیسے کرنی ہے؟ سیاست کیسے کرنی ہے؟ اخلاقیات کیا ہیں؟ زندگی کیسے گزارنی ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مرد کی شرم و حیا کیا ہے؟ عورت کی شرم و حیا کیا ہے؟ سائنس کا علم۔ فلسفے کا علم۔ تجربے کے حقائق۔ ایمانیات۔ بچے کے پیدا ہونے سے موت تک کی حقیقتیں۔

اس کی ایک ایک آیت کا موضوع اس بات کا متقاضی ہے کہ اس پر پوری پوری کتاب لکھی جائے۔

انداز بیان ایسا کہ ایک ان پڑھ کسان بھی مستفید ہو اور ایک پڑھا لکھا سائنسدان بھی انگلیاں دانتوں میں دبا لے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ

"تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔"

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو ایک کسان بہتر سمجھ سکتا ہے۔ مگر پڑھے لکھے سائنسدان اس سے کیا مطالب اخذ کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ اغلام بازی اسلام میں ممنوع ہے کیوں کہ کھیتی میں بیج بونے کا مقصد فصل اگانا ہوتا ہے کچھ اور نہیں۔

۲۔ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہوگا یا لڑکی اس کا تعلق مرد سے ہے۔ یہ بات سائنس کو بھی کچھ عرصہ پہلے ہی معلوم ہوئی۔ مگر اس آیت پر غور کریں تو یہی اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کھیتی میں بیج بویا جاتا ہے جس کے نتیجے میں کھیتی فصل دے دیتی ہے۔ مگر کس چیز کی فصل؟ اس کا کھیتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے جس کا بیج بویا جائے گا کھیتی وہی فصل دے گی۔

ضمیر کو بلا تعصب استعمال کیجئے جو قرآن اتنی گہری بات انسان کو سمجھا دے اسے کس کا کلام سمجھیں گے؟ خدا کا یا انسان کا؟

یہ میں نے صرف ایک آیت کی مختصری مثال دی ہے۔ قرآن اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے لے کر مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ تک ایسی معجزاتی آیات سے بھرا پڑا ہے۔

دنیا کا کوئی مذہب اس مقابلے میں کسی بھی مقام پر نہیں ٹھہرا کجا یہ کہ تقابل کی کوشش بھی کی جائے۔

○

اکثر ملحدین کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات

1۔اگر رحیم اور رحمان اللہ موجود ہے تو وہ اپنے بندوں کو بے چینیوں اور بیماریوں میں مبتلا کیوں کرتا ہے۔ بعض بیماریوں کی وجہ سے بندے ہلاک بھی ہو جاتے ہیں؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ منصف مزاج ہے مگر اللہ نے یہ دنیا ہر شخص کو یہ خوشیاں بانٹنے کے لئے نہیں بنائی۔ یہ دنیا ایک آزمائش ہے۔ ایک امتحان گاہ ہے۔ جو دنیا میں ہر آزمائش پر صبر جنت میں ایک پرسکون زندگی کا ضامن ہے۔ اس دنیا میں ہر شخص کو بادشاہت عطا نہیں کی گئی۔ نہ ہر شخص کو فقیر بنایا گیا۔ کسی کو بادشاہ بنا کر اس کی فراخدلی آزمایا گیا اور کسی کو فقیر بنا کر اس کے صبر کو آزمایا گیا۔ یہ امتحان صرف عام انسانوں کے لئے نہیں ہے۔ انبیاء کو بھی اللہ نے آزمائش میں مبتلا کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام پورے عمر بیمار رہے۔ مگر انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس دنیا کی آزمائش پر صبر کر لیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد جو زندگی ہے اس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کی مناسبت سے ٹھکانہ عطا ہوگا۔ اس چند روزہ زندگی کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ یہاں تو اللہ کافروں کو بھی نواز دیتا ہے۔ اس زندگی کی فکر کریں جو ابدی ہے۔

2۔رحمان اللہ کے ہوتے ہوئے غریب کے بچے بھوک کے کیوں مر جاتے ہیں؟

اس کا مفصل جواب تو پہلے جواب میں ہی آ گیا۔ تھوڑا اضافہ اور کر دوں۔ جو اللہ تخلیق اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہو اس کو تو کسی کے؟

ہونے سے کوئی فرق لاحق ہو سکتی ہے نہ مرنے سے۔ پیدا کرنے والا بھی وہ۔ مارنے والا بھی وہ۔ اور مرے ہوئے کو دوبارہ زندہ کرنے والا بھی وہ۔ اس کا مقصد صرف آزمائش ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں جو بھوکا مر گیا اسے دوبارہ زندہ کر کے ہمیشہ کی جنت عطا کر دینا اس کے لیے مشکل نہیں۔

اس کی ایک مثال ایک حدیث قدسی میں موجود ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔

اللہ کے سامنے ایک شخص لایا جائے گا جس کی زندگی انتہائی پر آسائش گزری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے بتاؤ کبھی کسی تکلیف کا منہ دیکھا؟ وہ جواب دے گا۔ تکلیف؟ کیسی تکلیف؟ میں نے انتہائی پر آسائش زندگی گزاری ہے۔ میں تکلیف سے واقف ہی نہیں۔

پھر اللہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کو جہنم کا ایک پھیرا لگوا کر لاؤ۔ فرشتے اس شخص کو جہنم کا ایک پھیرا لگوا کر لائیں گے۔ اللہ دوبارہ وہی سوالات پوچھے گا۔ مگر اس بار جواب مختلف ہوں گے۔ وہ شخص کہے گا۔ آسائش؟ کیسی آسائش؟ میں کسی آسائش سے واقف ہی نہیں۔

اسی طرح ایک اور شخص لایا جائے گا جس نے انتہائی تکلیف دہ زندگی گزاری ہو گی۔ اس سے اللہ پوچھے گا۔ بتاؤ دنیا میں زندگی کیسے گزاری۔ وہ شخص کہے گا۔ بہت تکلیف میں گزاری۔

پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس شخص کو جنت دکھا کر لاؤ۔ وہ شخص جنت کا صرف نظارہ کر کے ساری دنیاوی تکالیف بھول جائے گا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سورۃ التکویر آیت 8 اور 9

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

"اور جب لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا 8 کہ وہ کس گناہ

پر ماری گئی۔"

یہاں سوال قاتل سے نہیں مقتول سے پوچھا جا رہا ہے۔ کیوں؟ اس کی وجہ قاتل کو ذلیل کرنا ہے کہ تم جس کو مارنے پر قدرت رکھتے ہوا سے اللہ دوبارہ نہ صرف زندہ کرنے پر قادر ہے بلکہ تمہارے روبرو کھڑا کر کے پوچھنے پر بھی قادر ہے۔ کیا یہ تھی تمہاری طاقت؟ کیا یہی تھی وہ بچی جسے تم زندہ دفن کر کے اپنے آپ کو طاقت ور سمجھ بیٹھے تھے؟ آج کہاں ہے تمہاری طاقت؟ بچی زندہ ہے۔ تمہارے سامنے کھڑی اپنے رب سے تمہاری شکایت کر رہی ہے۔ یہ ایک امتحان تھا جس میں تم فیل ہو چکے۔ اب ہمیشہ کی جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے۔

اس کی سادہ مثال یوں لیں کہ آپ کی نئے ماڈل کی ٹیوٹا کرولا کار کے دروازے میں کوئی ڈینٹ پڑ جائے تو آپ کو کتنا افسوس ہوتا ہے؟ مگر ٹیوٹا کمپنی پوری کار بھٹی میں ڈال کر گلا دے اور نئے سرے سے بنا کر کھڑی کر دے تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔

3۔اگر اللہ تعالیٰ بہت اچھا اور شیطان بہت برا تو شیطان کو پیدا کس نے کیا؟

جواب۔ اللہ کسی کو برا پیدا نہیں کرتا۔ اس کے عمل اس کو برا بناتے ہیں۔ پھر وہ باقی لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب بن جاتا ہے۔ شیطان کو بطور ابلیس اللہ نے برا پیدا نہیں کیا۔ نہ ہی یہ فیصلہ اس پر زبردستی مسلط کیا گیا۔ اللہ کی نافرمانی کرنا۔ پھر اس پر غرور میں مبتلا ہو جانا۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اللہ کسی کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ مگر اللہ عالم الغیب ہے۔ اللہ کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ کون کیا کرنے والا ہے۔ مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس نے یہ فیصلہ کسی مقدر کی مجبوری میں کیا۔

4۔ وہ رحیم و کریم اللہ اپنے کچھ بندوں کو خوبصورت اور کچھ کو معذور اور بدصورت کیوں پیدا کرتا ہے جبکہ وہ سب بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے؟

جواب۔ اس کا جواب پہلے اور دوسرے جواب میں ہی آ چکا۔ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ایک کو کمتر اور ایک کو برتر بنا کر دونوں کو آزمایا جاتا ہے۔ حقیقی زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔

5۔ اگر ہر چیز اللہ نے پیدا کی ہے تو غربت افلاس، بیماریاں، نفرت، بدصورتی بھی کیا اللہ نے پیدا کی ہے؟

جواب۔ ان میں سے نفرت کا تعلق اللہ سے نہیں ہے بلکہ انسان کی اپنی سوچ ہے۔ اس کی مثال میں نے اوپر شیطان کی دی کہ کیا چیز مانع تھی کہ وہ آدم کو سجدہ کرے؟ نفرت اور غرور ہی تو تھا۔ باقی بیماری اور غربت وغیرہ کا تعلق اپنی غلطیوں سے بھی ہو سکتا ہے اور مقدر سے بھی۔ اس کی وجہ اوپر بیان ہو چکی۔ اس پر صبر کرنا چاہیئے۔

6۔ اگر تمام برائیوں کی جڑ نفس امارہ ہے تو نفس امارہ کو کس نے پیدا کیا؟

جواب۔ نفس کی جتنی بھی قسمیں ہیں بلاشبہ اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ مگر انسان کو اپنے نفس پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے اور طریقے بھی بتائے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ انتہائی پرہیزگار ہوتے ہیں اور کچھ انتہائی گناہ گار؟ نفس تو ہر انسان کے ساتھ ہے۔ اگر ہر انسان ایک ہی طرح زندگی گزارتا تو آپ کا اعتراض بجا تھا۔ مگر جو نفس آپ کے ساتھ ہے وہی انبیاء کے ساتھ بھی تھا۔ اولیاء کے ساتھ بھی تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اعمال جدا جدا ہیں؟ نفس کو قابو میں کرنا ہی جنت کی ضمانت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ نفس بنایا ہی کیوں؟ نہ بنتا نفس تو برائی نہ ہوتی؟

بالکل صحیح بات ہے۔ مگر میں نے پہلے عرض کی کہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں اللہ آپ کو اختیار دے کر آزماتا ہے۔ اگر بالکل ہی بے اختیار بنانا مقصد ہوتا تو فرشتوں کے بعد مزید کسی مخلوق کو بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ فرشتوں کے پاس نفس نہیں ہوتا۔ مگر ان کے لئے جنت جیسا انعام بھی نہیں رکھا گیا۔ یہ انعام صرف آپ کے لئے ہے۔ اپنے نفس کو اپنے قابو میں کرلیں اور پالیں انعام۔

7۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور عقلوں پر تالے اور ہمارے کانوں، آنکھوں، اور زبانوں سے حق بات کہنے کی توفیق چھین لی ہے اور خود ہی ہمارا حساب لے گا یہ کیسا انصاف ہے؟

جواب۔ اس کا جواب اوپر شیطان کے موضوع میں آچکا۔ اللہ کسی کو بری تقدیر
پر مجبور نہیں کرتا۔ اللہ غیب کا علم رکھتا ہے۔ جس انسان نے جیسی زندگی گزارنی ہے وہ اللہ جانتا ہے مگر
اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ اس شخص کو بری زندگی پر مجبور کیا گیا۔ جو شخص خود اپنی مرضی
سے دور جاتا ہے اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر مزید دور جانے پر
نکات۔ رفتہ رفتہ اس کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں دل پر مہر لگا دینا۔ مگر اس کا
ذمہ دار کون ہے؟

اللہ یا آپ؟

آپ جب دل چاہے لوٹ آئیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا کوئی بندہ اپنے گناہوں پر توبہ کر کے میری طرف
لوٹتا ہے تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے جیسے کسی شخص کا صحرا میں سامان سے لدا اونٹ گم ہو جائے
اور پھر واپس مل جائے تو اس شخص کو خوشی ہوتی ہے۔ اس مثال کو اونٹ کی قیمت سے تولا
مت کیجیے گا۔ صحرا میں سامان سے لدا اونٹ گم ہو جائے تو نقصان صرف اونٹ اور سامان کا
نہیں ہوتا۔ بلکہ زندہ بچنے کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ صحرا میں بھوکا پیاسا پیدل آدمی زندہ
لوٹ آئے یہ ممکن نہیں۔

○

جنّت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا۔ نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا اور نہ ہی کسی دل میں ان کا خیال آیا۔"

انسان بنیادی طور پر تخلیقی صلاحیتوں سے محروم رکھا گیا ہے۔ انسان کی سمجھ کے دائرہ اختیار میں صرف وہی چیزیں آتی ہیں جن کا اس کے پاس مشاہدہ موجود ہے۔ جب وہ عالم ارواح میں ہوتا ہے تو عالم ارواح سے بڑی کسی چیز کا تصور نہیں کر پاتا۔ پھر جب وہ شکم مادر میں آتا ہے تو اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ پھر جب وہ اس دنیا میں آتا ہے تو کل کائنات اسی کو سمجھنے لگ جاتا ہے۔ قبر کی دنیا کیا ہے؟ اس کی حقیقی شکل کیا ہے؟ اس دنیا سے بڑی ہوگی یا اس سے چھوٹی؟ انسان اس وقت یہ باتیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ پھر روز آخرت کا تصور۔ جنت اور جہنم۔

حدیث کے مطابق روز آخرت میں موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور ذبح کر دیا جائے گا۔ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب موت نہیں آئے گی۔ اب جو جنت میں گیا وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور جو جہنم میں گیا وہ وہاں ہمیشہ رہے گا۔

جنت میں انسان کے سامنے پھل پیش کیے جائیں گے جن کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ان سے ملتے جلتے پھل ہم دنیا میں بھی کھا چکے ہیں مگر جب وہ ان کو کھائیں گے تو دنیاوی

پھلوں کی نسبت ان پھلوں کو ستر گنا زیادہ لذیذ پائیں گے۔

ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی جو جوان اور اپنے ساتھی کی ہم عمر ہوں گی نیز جنسی قوت بھی دنیا کے مقابلے میں ستر گنا بڑھا دی جائے گی۔ دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ ہر جنتی کے لئے دو باغ ہوں گے۔ شراب طہور پیش کی جائے گی جس کے پینے سے نہ تو مدہوش ہو گا نہ سر درد ہو گا۔ ہر جمعے کو بازار لگا کرے گا۔ جب جنتی اس بازار میں جایا کریں گے ایک خوشبودار ہوا چلے گی جو جنتیوں کے حسن میں اضافہ کرے گی۔ جب وہ گھر آیا کریں گے ان کی بیویاں کہیں گی کہ آپ پہلے سے زیادہ حسین ہو گئے ہو تو جواب میں یہ بھی کہیں گے تم بھی پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں جگہ جگہ جنت کے حصول کی ترغیب اور جہنم سے بچنے کی نصیحت کرتا ہے اور اس کے لئے جنت کی کچھ نعمتوں کا ذکر اور جہنم کے کچھ عذابات کا ذکر فرماتا ہے۔ یہ جس "کچھ" کی بات ہو رہی ہے شاید یہ حقیقی نعمتوں اور عذابات کا ایک فیصد بھی نہ ہو۔ مگر چونکہ انسان بغیر مشاہدے کے کسی چیز کو سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا کچھ چیزیں انسان کے مشاہدے میں رکھ دی گئیں۔

اگر اس دنیا میں پھل پیدا نہ کئے جاتے، شہد نہ ہوتا، دودھ نہ ہوتا اور خوبصورتی نہ ہوتی اور اس کے بعد انسان سے جنت میں انہی چیزوں کا وعدہ کیا جاتا تو انسان کو اس طرف رغبت نہیں دلائی جا سکتی تھی۔

عموماً کم فہم مسلمان اور ملحد یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان کر دیا گیا بس وہی سب کچھ جنت میں ہے اور انسان جنت میں جا کر بس انہی تفریحات میں مشغول رہے گا کہ پھل کھا لئے۔ آرام کر لیا۔ اپنی بیوی سے صحبت قائم کر لی اور بس۔ غلطی یہی جاتی ہے کہ اس دنیا کے طرز رہائش سے جنت کے طرز رہائش کو پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً لذتوں کے معاملے میں بیوی کے ساتھ جنسی تعلق کو سب سے بڑی لذت سمجھا جاتا ہے اور اسی پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جنت میں انسان بس یہی کام کرتا رہے گا۔ کیونکہ

ممکن نہیں کہ دنیا میں جس جنسی لذت کو ہم سب سے بڑی لذت سمجھتے ہیں جنت کی باقی نعمتوں کے سامنے وہ کسی گنتی میں ہی نہ آتی ہو؟ یہ تو وہ لذت ہے جس کے بارے میں ہم سوچ سکتے ہیں سمجھ سکتے ہیں۔ مگر وہ کیا نعمتیں ہوں گی جن کو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہ کبھی کسی کان نے سنا نہ کبھی کسی دل میں ان کا خیال آیا؟

اگر اس دنیا میں جنسی تعلق کی لذت نہ ہوتی تو کیا ہم اس کا کوئی تخیل قائم کر سکتے تھے؟ اگر کوئی ہم سے اندازہ لگانے کو بھی کہتا تو زیادہ سے زیادہ یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ آم سے کچھ زیادہ لذت ہوتی ہو گی اور بس۔

عموماً اعتراض کیا جاتا ہے کہ جنت میں عورتوں کو کیا ملے گا؟ مردوں کے لئے حوریں غلمان خدمت گزار۔ عورتوں کو کیا ملے گا؟ اسے تو پھر ایک مرد کے تسلط میں دے دیا جائے گا۔

اس کا یک سطری جواب تو یہ بنتا ہے کہ جنت میں ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہو گی چاہے مرد ہو چاہے عورت۔ اللہ کے اس وعدے کے بعد یہ اعتراض ہی بلا جواز ہے کہ عورتوں کو کیا ملے گا۔

مگر یہاں شرم و حیا کے تقاضوں کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ہم اکثر اپنے بیٹوں کو شادی بیاہ کے معاملات پر چھیڑتے ہیں کہ شادی کر دیں تمہاری اب جوان ہو گئے ہو تم۔ یا فلاں لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں۔ مگر ہم اپنی بیٹیوں کو ان معاملات پر نہیں چھیڑتے۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ ہم بیٹیوں کی شادیاں ہی نہیں کرتے؟ بے شک ان کو بھی بیاہتے ہیں مگر حیا کے تقاضوں کے مصداق ان سے ذکر نہیں کرتے۔ اللہ بھی عورتوں کے معاملے میں حیادار ہے۔

پھر بنیادی بات تو یہ ہے کہ جو خواتین جنت میں جانے کی اہل ہوں ان کو اللہ کی منصف مزاجی پہ بھی یقین ہونا چاہئے اور جو خواتین اپنے رب کی منصف مزاجی پہ ہی شک کر چکی ہوں ان کو کیا لگے کہ جنتی عورتوں کو کیا ملے گا۔ ان کو یہ پوچھنا چاہئے کہ جہنم میں کون

کون سے عذابات ان کے لئے تیار ہیں۔

جنت میں انسان کی فکرِ معاش ختم کردی جائے گی۔ کسی انسان کو اس کا فکر
ہوگی کہ وہ کمائے گا کہاں سے۔ کیوں کہ ہر وہ چیز جس کی خواہش اس کے دل میں ہو
پیش کردی جائے گی۔ اب اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فکرِ معاش انسان کو مصروف
رکھتی ہے۔ اگر انسان کو کمانے کی فکر نہ ہو تو وہ بور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کیا جنت میں انسان ایک
ہی قسم کی مصروفیات سے اکتا نہیں جائے گا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دنیا میں بھی انسان کی عمر کا ایک حصہ ایسا آتا ہے
جب اس پر کوئی فکرِ معاش نہیں ہوتی اور وہ ہوتا ہے اس کا بچپن۔ اس کی زندگی کا سب سے
خوبصورت حصہ جسے وہ عمر تا حیات یاد کرتا رہتا ہے مگر وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ جنت میں انسان
کے ویسے ہی دن لوٹا دیے جائیں گے مگر نہ ختم ہونے والی جوانی کے ساتھ۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو مصروف فکرِ معاش نہیں رکھتی بلکہ اس کا کام اسے
بور نہیں ہونے دیتا۔ اس دنیا میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے پاس اتنا پیسہ موجود ہے
کہ اب کوئی کاروبار نہ بھی کریں تو ان کو فرق نہیں پڑتا مگر وہ بھی بور نہیں ہوتے۔ وہ اپنے
کاروباری معاملات میں دلچسپی نہ بھی لیں تو کوئی دوسری مشغولیت ڈھونڈ لیتے ہیں۔

یہی معاملہ جنتیوں کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ جو لوگ سائنسی تحقیق میں دلچسپی لیتے
ہیں یا تاریخ سے بہت زیادہ شغف رکھتے ہیں ان کے جاننے کو اس دنیا میں موجود چیزیں ہی
انہیں مصروف رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ سائنس سے متعلق صرف دنیاوی معاملات کا مکمل علم
حاصل کرنے کے لئے اس جیسی ہزار عمریں کم پڑ سکتی ہیں تو کیا یہ کام جنت میں نہیں کیا جا
سکتا۔ یا کوئی شخص انسان کی مکمل تاریخ جاننا چاہے تو جنت میں اس بات کی خواہش بھی کر سکتا
ہے کہ اسے آدم علیہ السلام سے لے کر آخری بچے تک دنیا میں پیش آنے والے سارے
معاملات دکھا دیے جائیں۔

یہ بھی میں اس امکان کے پیش نظر کہہ رہا ہوں جب ہمیں جنت میں صرف دنیا

پہلے جس کا ہمیں علم دیا گیا ہے۔ اللہ نے ہمارے لئے جنت میں کیا سوچا ہے ہو سکتا ہے اس کو پالینے کے بعد ہمیں اس کی بھی حاجت نہ رہے۔

جو رب کائنات دنیا میں انسان کی دلچسپی کی اتنی چیزیں پیدا کر سکتا ہے کیا وہ اس بات پہ قادر نہیں کہ جنت میں انسان کی ہمیشگی کی زندگی کے لئے بھی ایسے انتظامات کر رکھے۔

ذرا اس حدیث پہ غور تو کیجئے کہ ہر جمعے کو بازار لگا کرے گا جہاں ایک خوشبو دار ہوا چلے گی اور وہ جس انسان کو چھوئے گی اس کے حسن میں اضافہ کرے گی۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ انسان کے حسن میں ہر جمعے کو اضافہ ہوگا۔ پھر اس کی بیویوں کے حسن میں بھی ہر جمعے اضافہ ہوگا جو مرد کی عورت میں اور عورت کی مرد میں دلچسپی کو برقرار رکھے گا۔

پھر جو بازار لگے گا وہاں ملے گا کیا؟ اگر ہر چیز جنتیوں کو دے دی گئی تو اب بازار کا کیا سوال؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کی تخلیقات جاری رہیں گی اور انسان کی زیر استعمال چیزیں بدلتی رہیں گی۔ جیسے ہم کسی سافٹ ویئر کو اپ ڈیٹ کرتے ہیں تو اس میں کچھ نئے فنکشن آجاتے ہیں اسی طرح انسان کی زیر استعمال چیزیں بھی اپ ڈیٹ ہوتی رہیں گی اور وہ بور نہیں ہوگا۔

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کو تخلیقی صلاحیتوں سے نواز دیا جائے اور خود انسان تخلیقات کرے۔

آخر کوئی تو وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ایک ذہین ترین مخلوق تخلیق کرتا ہے پھر ان کو آزماتا ہے اور چھان پھٹک کر ان میں سے اپنے فرماں بردار بندے الگ کر لیتا ہے۔ ایسے بندے جو انتہائی تکلیف دہ زندگی گزارنے کے باوجود اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنا نہیں بھولتے۔ جن پر تنگی آتی ہے تو کہتے ہیں یہ ہماری خطاؤں کی وجہ سے ہے اور جب فراوانی آتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو بس ہمارے رب کی عنایت ہے۔

○

حرام اور حلال

کچھ سوالات پوچھے گئے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کیا حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کا نکاح ہوا تھا؟ کیا یہ نکاح اللہ نے پڑھایا تھا؟

۲۔ کیا حضرت مریم علیہ السلام کا نکاح ہوا تھا؟

۳۔ ایک سوال اور بھی انٹرنیٹ پر موضوع بحث ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اللہ نے پڑھائی تھی؟

۴۔ پہلی وحی کے نزول کے بعد وحی کا سلسلہ رک جانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر جاتے اور اپنے آپ کو گرا دینے کا ارادہ کرتے مگر جبریل علیہ السلام ان کو روک دیتے؟

اس بات کی وضاحت میں ایک بار پہلے بھی کر چکا ہوں کہ دین اسلام میں گناہ ثواب کا تصور صرف اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جس کام کو کرنے کا حکم اللہ یا اللہ کا رسول دے وہ فرض ہے اور جس کام سے اللہ یا اللہ کا رسول روک دے وہ حرام ہے۔

اس بات کی مثال اس بات سے لیجئے کہ شب معراج کے واقعے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ضیافت کی غرض سے دو گلاس رکھے گئے۔

ایک گلاس دودھ کا اور دوسرا شراب کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو پسند فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے

فرمایا کہ یارسول اللہ اگر آپ شراب کو پسند فرماتے تو آپ کی امت فتنے میں مبتلا ہو جاتی۔

یہاں مسلمانوں میں بھی یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اگر معاذ اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب کی طرف ہاتھ بڑھا دیتے تو کسی حرام کام کے کرنے کے مرتکب ہو جاتے (معاذ اللہ)۔ حالانکہ جو بات جبریل علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں وہ کسی اور طرف اشارہ کرتی ہے۔

دینِ اسلام میں اللہ اور رسول کا حکم فرض کا درجہ رکھتا ہے اور جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرمالیں وہ سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شراب کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا اس کی حرمت کے سبب نہیں بلکہ حکمت کے سبب تھا۔ ورنہ جو چیز اللہ کی طرف سے ہی ضیافت میں پیش کی گئی اس کو اختیار کرنے کا گناہ اللہ کیسے دے سکتا ہے؟ یعنی جو بات جبریل علیہ السلام نے فرمائی وہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب کو اختیار کرتے تو شراب کی حرمت کا حکم ہی نہ آتا۔ لیکن چونکہ وہ انسان کی دماغی اور جسمانی صحت کے لئے اچھی نہیں لہٰذا امت فتنے میں مبتلا ہو جاتی۔

اس کی ایک مثال حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے جنت والے واقعے میں بھی موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت میں داخل کیا گیا تو ان کو کہا گیا کہ کھاؤ پیو جہاں سے چاہو مگر اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

امتِ مسلمہ کے زیادہ تر مفسرین کے مطابق جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا وہ گندم تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گندم حرام ہے؟ جی نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ حرام اور حلال کی تمیز بتاتا کون ہے؟ صرف اور صرف اللہ۔ اگر اللہ کہے گندم حلال ہے تو حلال ہوگی اور جب اللہ کہہ دے حرام تو حرام ہوگی۔ یہی معاملہ شراب اور تمام باقی چیزوں کے ساتھ بھی ہے۔ ابلیس کو کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ کیا آدم کو سجدہ کرنا حلال ہے؟ جی نہیں۔ مگر اگر حرام اور حلال قرار دینے کا حق ہی اللہ کا ہے اور وہی کہہ رہا ہے کہ کرو تو

جو کام آج حرام ہے وہ اس وقت فرض تھا۔ فرشتے ان تو انین سے واقف تھے کسی حیل و حجت کے فوراً سجدے میں چلے گئے۔ ورنہ حضرت آدم کی عبادت کرنا کون جان سکتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا کیسا عمل ہے؟ اللہ کا حکم ہی فرض ہے ہی تو کیا جاتا ہے اور اگر اللہ ہی کہے کہ آدم کو سجدہ کرو تو جس کی خوشنودی رہی ہے اس پر بھی اعتراض نہ ہوگا۔

یہی معاملہ صادق آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے بارے میں لینے کے ارادے پر۔ جبرئیل علیہ السلام کا ان کو روک دینا اس سبب سے تھا کہ حکم ہے۔ یہ اصول تو بعد میں طے ہوتا ہے۔ مقاصد وسیع تر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتوں سے لاعلم تھے۔ جو وحی کے ذریعے بعد میں آگاہ ہے۔

اس ضمن کا ایک سوال اور بھی ہے اس کا جواب ہو جائے پھر آگے کی بات ہوگی۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اللہ نے پڑھائی تھی؟ جی نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔

پہلے تو اس بات کو سمجھ لیجئے کہ نماز جنازہ ہے کیا؟

جب بھی کوئی مومن فوت ہو جاتا ہے تو اس کا حق ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمان نماز جنازہ کے ذریعے اس کی مغفرت کی سفارش کریں اور اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ مرنے والے کے گناہ معاف کر کے اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے۔ اس پورے عمل کو نماز جنازہ کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) مغفرت کے محتاج تھے؟ جی نہیں۔ ذرہ برابر بھی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام جن کو ہر مسلمان کی نماز جنازہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔ بس کچھ مسلمان حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں جاتے اور درود و سلام پڑھتے جاتے۔ پھر اور لوگ چلے جاتے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو تدفین کر دی گئی۔

دو بھائیو! جس نبی نے روزِ آخرت میں پوری امتِ مسلمہ کی سفارش محض اپنے بھلے اعمال کے بل بوتے پر کرنی ہے کس کی ہمت تھی جو ان کی نمازِ جنازہ کی امامت کے مصلے پر کھڑا ہو کر اللہ سے ان کی مغفرت کی سفارش کرتا؟ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی نے یہ کام نہ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نمازِ جنازہ اللہ نے پڑھائی؟ افسوس صد افسوس۔ اللہ کیوں پڑھائے گا نمازِ جنازہ؟ اللہ کس کو کہے گا کہ اس بندے کو بخش دے جب کہ بخشنے والی ذات خود اسی کی ہے؟ جو کام کیا ہی اللہ کی خوشنودی کے لئے جا رہا ہے وہ اللہ کس کی خوشنودی کے لئے کرے گا؟

اب آجایئے نکاح کی طرف۔ یہ بات بالکل واضح ہو چکی کہ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے لہٰذا اب اس نکتے کو سمجھنا نہایت آسان ہے۔

کیا نکاح کسی ایسے فلٹر کا نام ہے جس کے بیچ میں آجانے سے پیدا ہونے والے بچوں کے حرام یا حلال ہونے کا فیصلہ ہوگا؟ جی نہیں۔ یہ بھی اللہ کا ایک حکم ہی تو ہے۔

نکاح کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے تا کہ مرد اپنے لئے کچھ عورتیں مخصوص کر لے اور جگہ جگہ منہ مارتا نہ پھرے۔ گواہان کی شرط اس لئے ہے کہ اس پر بعد میں زنا کاری کا الزام نہ لگایا جا سکے۔ مگر جب اللہ نے صرف ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کو پیدا کیا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ روئے زمین پر ان کے سوا کوئی اور انسانی جوڑا موجود ہی نہیں تو نکاح کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس معاملے میں مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو بات مسلمان پر فرض کی گئی وہ اللہ پر بھی فرض ہونی چاہیئے۔ اللہ پر کچھ فرض نہیں ہے۔ جو چاہے قانون بنائے۔ جب چاہے بنائے۔ جب چاہے ختم کر دے۔ آج زکات فرض ہے مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آئے گا تو اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ زکات کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔ اللہ کی مرضی تھا۔ جب جس قانون کی ضرورت ہوگی بنایا جائے گا جب ضرورت نہ رہے گی ختم کر دیا جائے گا۔ یہی ہے بنیادی قانون۔ باقی تمام قوانین اس قانون کے تحت

آتے ہیں۔ آج بہن اور بھائی کا آپس میں نکاح حرام ہے مگر آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ پہلے سال پیدا ہونے والے لڑکا اور لڑکی کو دوسرے سال پیدا ہونے والی لڑکی اور لڑکے سے بیاہ دو۔ بعض مسلمان تاویلیں گھڑتے پھرتے ہیں کہ اس دور میں پہلے سال پیدا ہونے والے اور دوسرے سال پیدا ہونے والوں کے بہن بھائی نہیں ہوتے تھے۔ ضرورت کیا ہے اس تاویل کی؟ اللہ کا حکم تھا اس لئے فرض تھا جب منع کر دیا گیا تو حرام ہو گیا۔ خدا کی مرضی۔ کون ہے روکنے والا؟ بندر کی اولادوں سے نہ مومن ڈرتے ہیں نہ ان کا رب ڈرتا ہے۔ ولا یخاف عقبٰہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیل اللہ نے قرآن میں پیش کر دی کہ جیسے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے معجزاتی طریقے سے پیدا کیا گیا ویسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے معجزاتی طریقے سے پیدا فرمایا گیا۔ کون ہے اعتراض کرنے والا اللہ کی تخلیقات پر؟ جو لوگ آج تک میرے ایک سوال کا جواب نہ دے پائے کہ ایک قطرہ مادہ منویہ نو مہینے شکم مادر میں پرورش پا کر جیتے جاگتے انسان میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے وہ اعتراض کریں گے؟ سوبسم اللہ۔

o

خدا کے نشان

فرض کریں ایک بہت بڑے صحرا کے بیچوں بیچ دو انسان موجود ہیں۔ ایک مومن دوسرا ملحد۔ ان دونوں کو صحرا میں کسی تیسرے وجود کے قدموں کے نشان ملتے ہیں۔

مومن کہتا ہے کہ ہم دونوں کے سوا بھی کوئی تیسرا وجود اس صحرا میں موجود ہے جس کا ثبوت یہ قدموں کے نشان ہیں۔ مگر ملحد اس بات کا انکار کر دیتا ہے یہ کہہ کر کہ یہ کسی تیسرے وجود کے قدموں کے نشان نہیں ہیں۔

ملحد کا جب یہ دعویٰ ہے کہ کوئی تیسرا موجود نہیں ہے تو اس دعوے کے لئے اس کو کچھ باتوں کی وضاحت کرنی پڑے گی۔

۱۔ یا تو وہ جانتے بوجھتے دیکھتے اپنی آنکھیں بند کر کے کہہ دے کہ مجھے نشان نظر نہیں آ رہے لہٰذا کوئی تیسرا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو ڈھٹائی کہتے ہیں۔

۲۔ یا پھر وہ ان قدموں کے نشانوں کی کوئی ایسی سائنسی توجیہ پیش کر دے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ قدموں کے نشان سائنسی طور پر بھی بن سکتے ہیں۔

۳۔ یا پھر وہ پورے صحرا کی خاک چھانے۔ ایک ایک انچ ایک ایک چپے کی تلاشی لے اور واپس آ کر مومن کے سامنے ثبوت رکھ دے کہ دیکھو میں نے پورا صحرا چھان مارا ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا وجود مجھے نہیں ملا۔

مومن کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے کچھ زیادہ خاص کرنے کی ضرورت نہیں۔ قدموں کے نشان جب تک موجود ہیں اس کا یقین پختہ ہے اس کا دعویٰ منطقی ہے۔

مزید کسی ثبوت کی اسے حاجت ہی نہیں۔ مجرم کا مسئلہ خراب ہے۔ قدموں کے نشانوں کو وہ جھٹلا نہیں سکتا اور قدموں کے نشانوں کی کوئی دوسری وضاحت اس کے پاس موجود نہ ہو جس سے مطمئن ہو کر ذہین تسلیم کر جائے تو اور بات۔ ورنہ قدموں کے نشان کی جب تک کوئی دوسری وضاحت نہ ہو سکے ذہین کرنے جوگا نہ ہو جائے اسے اس وقت تک یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اس صحرا میں ہم دونوں کے سوا کسی تیسرے وجود کی موجودگی کے ثبوت پائے جاتے ہیں۔

یہی معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ کائنات کی ہر چیز کی تخلیق میں خدا کے نشان موجود ہیں جن کو جھٹلانا فی الوقت سائنس کے لئے ناممکن ہے۔ جھٹلانے والا ذہین ہو تو لا علاج ہے ورنہ سائنس منطق اور دلیل کے مطابق جب تک ان نشانوں کی کوئی دوسری وضاحت سامنے نہ آ جائے اس وقت تک خدا کو تسلیم کرنا نہ صرف تقاضا ہی نہیں بلکہ انسان کی مجبوری بھی ہے۔

خدا کو ثابت کرنے کے لئے خود کو مادی حالت میں پیش کرنا ضروری بھی نہیں ہے اور ممکن بھی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ہم مخلوق ہیں اور وہ خدا۔

اس کی مثال کشش ثقل سے لے لیجئے۔ کیا سائنس کشش ثقل کو مانتی ہے؟ جواب ہے جی ہاں۔ بالکل مانتی ہے۔ تو کیا سائنس کشش ثقل کو مادی حالت میں پیش بھی کر سکی ہے؟ تو جواب ہے جی نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ سائنس صرف منطقی طور پر آپ کی عقل کو یہ بات باور کروا سکی ہے کہ سیب اور ہر چیز چونکہ نیچے گرتی ہے لہٰذا یہ کشش ثقل کی موجودگی کا منطقی ثبوت ہے۔

یعنی سائنس کو کشش ثقل کے وجود کا یقین محض اس کی خصوصیات کی بنا پر ہے۔

پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا کشش ثقل کو ڈھونڈا جا سکتا ہے؟ سائنس کہتی ہے کہ کشش ثقل زمین کے بیچوں بیچ ہے۔ تو کیا خیال ہے آپ کا کہ اگر میں زمین کھودتا ہوا زمین کے بیچ میں پہنچ جاؤں تو کشش ثقل مل جائے گی؟ ایک ایک ذرہ زمین کا الگ الگ کر دیجئے۔ کشش ثقل نہیں ملے گی۔ وہاں بھی نہیں ملے گی جہاں سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ یہیں ہے۔ یہی ہے مرکز کشش ثقل کا۔ تو پھر کیا کشش ثقل کا انکار کر دیا جائے گا؟ جی

نہیں۔ ماننا پھر بھی پڑے گا۔ جب تک زمین کی کشش ختم نہیں ہو جاتی آپ کو کشش ثقل کو اسی مشاہدے کی بنیاد پر ماننا پڑے گا۔ چاہے وہ آپ کو ملے یا نہ ملے۔

اب فرض کریں میں کہوں کہ کشش ثقل کو ثابت کرو تو یقیناً سائنسدان میرے سامنے چیزوں کے گرنے کی مثالیں تو جیہی ثبوت کے طور پر پیش کریں گے۔ پھر بھی اگر میں کمال ڈھٹائی سے انکار کر ڈالوں کہ میں کشش ثقل کو نہیں مانوں گا اس وقت تک جب تک میرے سامنے نہ آ جائے تو مجھ سے چیزوں کے گرنے کی متبادل توجیہ مانگی جائے گی۔ جو مجھے لانی پڑے گی ورنہ اقرار لازم ہے۔

یہی معاملہ خدا کا بھی ہے۔

○

خیر و شر

خیر و شر کی جنگ کا آغاز پہلے انسان کی پیدائش سے ہوا تھا اور آخری انسان کی موت تک یہ جنگ جاری رہے گی۔ اللہ کے بنائے ہوئے اس آزمائشی نظام کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس سے کسی شخص کو مفر نہیں۔ اس آزمائشی نظام میں ایسا کوئی فلسفہ نہیں جو ایک عام انسانی ذہن کو سمجھ نہ آ سکے۔

ہدایت اور گمراہی میں بہت واضح فرق ہے۔ ایسا فرق جو روشنی اور اندھیرے میں ہوتا ہے۔ جیسا کالے اور سفید رنگ میں ہوتا ہے۔ جیسا دن اور رات میں ہوتا ہے۔

مگر پھر بھی لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔

کیوں؟

اس کا جواب قرآن میں موجود ہے۔

سورۃ البقرہ۔ آیت نمبر 9

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ○

"وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان والوں کو۔ مگر (حقیقت میں) وہ اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔"

اب یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے آپ کو دھوکہ کیوں دے گا؟ کوئی کیوں چاہے گا کہ وہ جانتے بوجھتے دھوکہ جہنم میں جھونک دیا جائے؟

اس کی وجہ ہے دنیاوی لالچ اور بے صبری۔

اللہ کا نظام بڑا عجیب و غریب ہے۔ اس میں حق و باطل کا اندازہ لگانا تو انتہائی آسان ہے۔ مگر حق پر چلنا بہت مشکل۔ صلے کے لیئے آخرت تک صبر کرنا اور بھی مشکل۔

سورۃ الاعلیٰ آیت 16_17

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝

"مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو فوقیت دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"

خیر و ہدایت کا راستہ یہاں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ آپ جس قدرتی چیز پہ نظر ڈالیں گے وہاں آپ کو کسی خالق کی انتہا درجے کی مہارت نظر آئے گی۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ یہ پوری کائنات خدائے واحد کی تخلیق کردہ ہے۔ اس علم میں سب انسان برابر ہیں۔

ایک ان پڑھ کسان جب کھیتوں میں ایک معمولی سا بیج بوتا ہے اور اس میں سے ایک تناور درخت پھوٹتا دیکھتا ہے تو اسے اللہ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ ایک ماہر ڈاکٹر جب انسانی اعضاء کا نظام دیکھتا ہے تو رب کا اقرار کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک ماہر سائنسدان جب اس کائنات کی کھوج میں نکلتا ہے تو اسے اپنے رب کی نشانیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

پھر انکار کی وجہ کیا ہے؟

انکار کی کئی وجوہات ہیں۔

مگر بدقسمتی سے ان میں سے ایک بھی وجہ اللہ کی غیر موجودگی کے ثبوت مل جانے پر نہیں ہے۔ بلکہ تمام کی تمام اللہ کے وجود کو مان کر اس کے نظام کے خلاف بغاوت پر مبنی ہیں۔

انسان کی بنیادی شکل پہلے انسان کی پیدائش کے وقت وجود میں آ گئی تھی۔ جب

ابلیس نے محض فخر و غرور میں مبتلا ہو کر اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابلیس پہلا تھا جو اللہ کے امتحان میں فیل ہوا۔ مگر۔ کیا وہ خدا کو نہیں مانتا تھا؟ وہ خدا کو مانتا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔ نہ صرف خود بھٹکا بلکہ قسم کھا لی کہ اوروں کو بھی بھٹکاؤں گا۔ شیطان کا یہ وطیرہ دنیا میں آج بھی رائج ہے۔ شر کے نمائندوں کا معاملہ یوں نہیں کہ وہ اللہ کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ اس دنیا کی رعنائیوں میں اس قدر گم ہو چکے ہیں کہ واپسی کی راہ نہیں پاتے۔

میں نے اس سے پچھلی تحریر میں بیان کیا تھا کہ شرم کے محسوس کرنے کا تعلق اس بات سے ہے کہ باقی لوگ آپ کے رویے پر کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔

اردو کا ایک محاورہ ہے کہ ایک حمام میں سارے ننگے۔ اگر ایک شخص ننگا ہوگا باقی بالباس ہوں گے تو وہ اکیلا شخص شرم محسوس کرے گا۔ اگر ایک شخص نشے کا عادی ہوگا اور باقی لوگ اس نشے سے محفوظ ہوں گے تو وہ اکیلا شخص نشہ کرتے ہوئے شرم محسوس کرے گا۔

اس کے بس دو ہی حل ہیں۔

یا تو وہ ایک شخص بھی راہِ راست پر آ جائے۔ یا شر کی تبلیغ سے اپنی محفل کو بھی بگاڑ لے۔

ایک حمام میں اگر سارے ننگے ہوں تو کسی کو بھی شرم نہیں آئے گی۔ لہٰذا سب کو ننگا کر دو۔ ایک محفل میں اگر سب نشے باز ہوں گے تو کسی کو شرم نہیں آئے گی۔ لہٰذا سب کو نشے پر لگا دو۔ ایک تھانے میں اگر سب آفیسر رشوت خور ہوں گے تو پھر کس سے چھپنا۔ سب کو رشوت پر لگا دو۔

یہ ہے شیطان کا وہ فلسفہ جس کو ملحدوں نے آج اپنا رکھا ہے۔

بہت مشکل ہے ایک ایسے معاشرے میں بطور ملحد پنپنا جہاں دن میں پانچ مرتبہ اذان ہوتی ہو۔ رمضان میں ملحد ہوتے ہوئے روزہ دار جیسا منہ بنانے پر مجبور ہو جانا۔ عید والے دن نہ چاہتے ہوئے نئے کپڑے پہننا اور دوستوں یاروں سے عید ملنا۔ شراب کی پابندی، زنا کی پابندی۔

کسی لڑکی کے ساتھ گھومو تو لوگ مڑ مڑ کر دیکھیں۔ چرس کھلے عام پی نہیں سکتے۔
ہماری ہر لوگوں کی طعنہ زنی۔
یہ کیسا معاشرہ ہے؟
اس معاشرے کو بدل ڈالو۔

الحاد کی بنیاد اس اصول پر پڑی ہے کہ گناہ وثواب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے۔ کسی دوسرے کو حق نہیں کہ وہ کسی کو برائی کرتے دیکھے اور انگلی بھی اٹھائے۔ بزور روک دینا تو دور کی بات ہے۔

سوشل میڈیا پر یہ سازش بری طرح ناکام نظر آتی ہے مگر الیکٹرانک میڈیا پر اس کی انتہائی سست رفتار ترویج جاری ہے۔ اگر آپ آج میں اور آج سے تیس سال پہلے کے ماحول میں فرق دیکھیں تو آپ کو ایک واضح فرق ملے گا۔ جو خواتین پہلے دوپٹا سر کنے پر شرما جایا کرتی تھی آج ان کے سوٹ میں دوپٹا نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔ ٹائٹس پہننے والی خواتین کی ٹانگوں کی گولائی اور ان کا سائز ہر شخص با آسانی بتا سکتا ہے۔ بیوی سے لطف اندوز شوہر کم اور دنیا کے باقی مرد زیادہ ہیں۔

چونکہ یہ سب کچھ ہم ٹی وی پر ہوتا دیکھتے ہیں لہٰذا سب سے پہلا خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فلاں خاتون کو ٹی وی پر سب کے سامنے اس قسم کا لباس زیب تن کرنے پر شرم نہ آئی تو مجھے سڑک پر پہن کو گھومنے میں کیوں شرم آئے گی؟

حقیقت یہ ہے کہ الحاد کے پاس اسلام کے خلاف اس کے علاوہ کوئی تدبیر موجود نہیں کہ لوگوں کو دنیاوی آسائشوں میں مبتلا کر کے اسلام سے متنفر کیا جائے۔

اس فتنے سے محفوظ وہ رہے گا جو اللہ اور اللہ کے رسول کے احکامات پر سختی سے کاربند رہے گا۔ آدھے تیتر آدھے بٹیر ٹائپ دو کشتیوں میں سوار جن کو اللہ صرف مشکل میں یاد آتا ہے وہ شدید ترین خطرے میں ہیں۔

○

ڈارون کے ارتقائی نظریئے پر کچھ اعتراضات

1۔ اگر ہم خدا کا انکار کر دیں تو سائنسی اعتبار سے ہر چیز کی تخلیق کے لئے پہلے اس چیز میں استعمال ہونے والے تمام اجزاء کے وجود کا اقرار کرنا پڑے گا۔ یعنی کائنات کی بناوٹ میں جو کچھ بھی استعمال ہوا اس کا میٹریل پہلے سے موجود تھا مگر بے ترتیب تھا۔ اس کے مرتب ہو جانے کا نام کائنات ہے۔ کیا یہ تمام تر ترتیب محض ایک اتفاق ہے؟

2۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے جن چیزوں کی اشد ضرورت ہے جیسے ہوا پانی آکسیجن وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں زمین پر ہی کیوں تخلیق ہوئیں؟ اتفاق تو اتفاق ہوتا ہے کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ پانی مریخ پر ہوتا۔ آکسیجن عطارد پر اور ہوا زہرہ پر؟

3۔ ارتقائی نظریے کا آغاز یک خلوی جرثومے سے ہوا۔ یہ یک خلوی جرثومہ کہاں سے آیا۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ بے جان سے جاندار کا وجود سائنسی لحاظ سے ممکن ہی نہیں؟

4۔ ارتقاء کے مطابق پانی کے جانداروں نے خشکی کی طرف ارتقاء کیا۔ پانی کے جاندار اور خشکی کے جانداروں کے آباء ایک تھے جو بیک وقت گلپھڑے اور پھیپھڑے دونوں سے مزین تھے۔ پھر خشکی کے جانداروں کے گلپھڑے اور پانی کے جانداروں کے پھیپھڑے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ خشکی اور پانی کے جانداروں کے جو مشترکہ آباء تھے وہ پانی کے جاندار تھے (کیوں کہ ارتقاء کا آغاز پانی سے ہوا ہے)۔ ان کے جسم میں پھیپھڑے کس ضرورت کے تحت لاکھوں سالوں تک موجود رہے؟

جبکہ وہ اس وقت بھی غیر ضروری تھے؟

5۔ ارتقاء کے مطابق انسانوں کے اور بندروں کے آباء ایک تھے۔ پھر ان کی کچھ شاخیں لاکھوں سال کی تبدیلیوں سے بندروں کی صورت ہو گئیں اور کچھ انسانوں کی صورت۔ اس بیچ ہمیں ہوموسیپین کی بھی ذکر ملتا ہے اور نانڈر اتھیال کا بھی۔ مگر یہ بیچ کے جتنے بھی مسنگ لنکس ہیں ان کی کوئی زندہ مثال ہمیں زمین پر نہیں ملتی۔ یعنی اگر ہم یہ یقین کر لیں کہ انسان چمپنزی کے اندر ہونے والی لاکھوں سال کی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے جس کے بیچ میں ہوموسیپین بھی آتے ہیں تو آج ان ہوموسیپین کا زندہ وجود کہاں ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ارتقاء اب رک چکا ہے اور اب کسی چمپنزی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو رہی؟ محض یہ کہہ دینا کہ ہوموسیپین ناپید ہو گئے کافی نہیں ہے جبکہ جن چمپینزیز نے آہستہ آہستہ ہوموسیپین کی شکل اختیار کی تھی وہ چمپینزیز آج بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کیا یہ بات ایسے ہی نہیں ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ مرغیاں تو موجود ہیں مگر انڈے ناپید ہو گئے؟

6۔ ارتقاء کے مطابق انسان اس دنیا میں لاکھوں سال سے موجود ہے۔ مگر اب مزید انسان کے کسی اور مخلوق میں ارتقاء پذیر ہو جانے کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ارتقاء کے حوالے سے ہم یہ جانتے ہیں کہ جب کسی جانور نے اونچے درخت سے پتے کھانے کی ضرورت محسوس کی تو وہ لمبی گردن والا زرافہ بن گیا۔ جب اس نے پانی سے خشکی کا سفر شروع کیا تو وہ پھیپھڑوں سے مزین ہو گیا۔ جب اسے اڑنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے پر نکل آئے۔ مگر آج کا انسان جو ان تمام حالتوں سے ہو کر یہاں تک پہنچا ہے وہ اڑنے کے لئے ہوائی جہاز ایجاد کرنے کا محتاج ہے۔ ایسا کیوں ممکن نہیں کہ یہ انسان لاکھوں سال تک اچھل کود کر کے اپنے پر نکال لیتا اور ہوائی جہاز کی ضرورت ہی پیش نہ آتی؟

7۔ زندگی کا آغاز ایک یک خلوی جرثومے سے ہوا جس کی افزائش نسل کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو تقسیم کر لیتا تھا۔ پھر کچھ یک خلوی جرثومے آبی پودوں میں تبدیل ہو گئے اور افزائش نسل کا طریقہ بدل گیا اور جنسی تولید کے طریقے نے جنم لیا۔ پھر پودے نے

جانوروں کا روپ دھارا اور افزائش نسل کے لئے جنسی اختلاط شروع کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ جسم نے جنسی تولید اور غیر جنسی تولید سے جنسی اختلاط کی معلومات اس کے پاس کہاں سے آ رہی تھیں جبکہ دنیا میں اس کی کوئی بھی مثال پہلے موجود نہ تھی؟ اور ان تبدیلیوں کے دوران اگلے طریقے سیکھتا گیا مگر پچھلے بھولتا گیا۔ یعنی جو یک خلوی جرثومہ پودے میں تبدیل ہوا وہ جنسی تولید سیکھ گیا مگر تقسیم بھول گیا۔ پھر جب جنسی اختلاط سیکھا تو جنسی تولید بھی بھول گیا۔ اعتراض یہ ہے کہ جو انسان یک خلوی جرثومے سے شروع ہو کر انسان تک پہنچا اس کے پاس تو افزائش نسل کے سارے طریقے ہونے چاہئے تھے کیونکہ وہ کبھی نہ کبھی ان سب کو استعمال کر چکا ہے؟

۸۔ ارتقاء کی تاریخ ہمیں ضروریات سے روشناس کرواتی ہے مگر جب ہم اپنے اطراف میں دیکھتے ہیں تو ہمیں بہت ساری چیزیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جن کا تعلق ضروریات سے نہیں بلکہ تزئین و آرائش سے ہے۔ رنگ برنگی تتلیاں۔ رنگ برنگی مچھلیاں۔ خوش رنگ اور خوشبودار پھول۔ ان سب کا تعلق ضروریات زندگی سے نہیں ہے۔ پھر ان کے وجود کی وجہ کیا ہے؟

۹۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے۔ مگر ہر کھانے کی چیز اپنے اندر افادیت کے ساتھ ساتھ ایک مختلف مگر خوشنما ذائقہ بھی رکھتی ہے۔ اگر کھانا محض انسان کی ضرورت ہے تو اس کے اندر ذائقہ کا کیا کام تھا؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ سیب۔ کیلے۔ امرود۔ انار۔ گندم۔ گوشت اور سبزیوں کا ایک ہی ذائقہ ہوتا؟ یا پھر سرے سے ذائقہ ہی نہ ہوتا محض کھانے سے طاقت آ جاتی؟

10۔ جنسی اختلاط میں آنے والی لذت کو قدرت کا بہترین انعام سمجھا جاتا ہے۔ اسی اختلاط کے نتیجے میں نسل انسانی آگے بڑھتی ہے۔ کیا انسان اپنی نسل اس لذت کے بغیر آگے نہیں بڑھا سکتا تھا؟ یا کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس لذت کے لالچ میں انسان اپنی افزائش نسل کرتا رہے؟

ارتقاء پر ایک ملحد سے بحث

مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ملحد چیزوں کے ایک دوسرے سے ربط و تعلق کو ماننے کے باوجود ارتقاء کو سپورٹ کر رہے ہیں۔

مثلاً A کے لئے B کا ہونا ضروری ہے۔ B کے لئے C کا ہونا ضروری ہے اور C کے لئے A کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی میری اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ A کا ارتقاء B سے ہوا اور B کا C سے؟ یہ بات ہی غیر منطقی ہے۔ اگر یہ تینوں ایک دوسرے کے لیئے لازم و ملزوم ہیں اور ربط و تعلق رکھتے ہیں تو ان کا ایک ساتھ وجود میں آنا ضروری ہے۔ تا کہ ان کا ایک دوسرے سے ارتقاء پزیر ہونا۔ کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ C کے بغیر B کیسے موجود رہا ارتقاء ہونے تک اور B کے بغیر A کیسے موجود رہا

بقول غالب آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک۔ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

جن چیزوں کی کمی کو آپ کسی حیات کی ناپیدگی کا سبب بتا رہے ہیں وہ جرثوے کے وقت پر تو سرے سے تھیں ہی نہیں۔ ان کا تو اپنا ارتقاء جرثومے سے ہوا۔ تو جرثومے کو تو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیئے تھا۔ پھر مزید ستم یہ کہ زراعت میں پیوندکاری اور انسانی ترقی کو ارتقاء کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری بحث ارتقاء کے ردو کمال کی بحث نہیں ہے بلکہ اس شعوری قوت پر ہے جو اس سب کے پیچھے روز روشن کی طرح

نظر آرہی ہے۔ جو ارتقاء کا نہیں۔ جو لمبے شعوری ارتقاء کا ہے ورنہ ڈارون نے کون سی مچھلی پکڑی ہے؟

آپ لمبے شعوری ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیئے کیلے اور تربوز کی پیوندکاری کی مثالیں دے رہے ہیں جس کے پیچھے ایک شعور کارفرما ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کا جہاز اور راکٹ بنالینا اس سے بھی بڑا کارنامہ ہے۔ آپ اسٹیم بم بنائیں اور ایک دوسرے کے سر پہ پھوڑیں۔ مجھے کوئی مطلب نہیں۔ مگر کم از کم اتنا تو مانیں کہ ان سب چیزوں کی ایجاد کے لیے ہم نے دماغ استعمال کیا ہے۔ منصوبہ سازی کی ہے۔ آپ مجھے ارتقاء کا حسن سمجھا رہے ہیں اور نہ منصوبے کو مان رہے ہیں نہ کسی شعوری قوت کو۔ آپ خود سوچیں آپ کتنی غیر منطقی بات کر رہے ہیں۔ آپ مجھے ارتقاء کی لمبی چوڑی داستان سنا رہے ہیں۔ اس خیال سے کہ شائد میں ارتقاء کو سمجھ نہ پایا یا میں نے ارتقاء پڑھا نہیں۔ میں نے شروع میں آپ کو بتایا کہ کسی چیز کو پڑھنے میں اور اس کو سمجھنے میں فرق ہوتا ہے۔ آپ نے اگر ارتقاء کو سمجھا ہوتا تو آپ یہ سارے الفاظ خود سے لکھ سکتے تھے۔ آپ کو کاپی کی ضرورت پیش نہ آتی اور مجھے بھی میرے سوالوں کے جواب مل جاتے۔

اب میں آپ کو ارتقاء کی کہانی سناتا ہوں۔ یہ کہانی آپ کو انٹرنیٹ پر نہیں ملے گی۔

اپنی تحریر میں میں نے غیر ضروری چیزوں جیسے خوبصورتی خوشبو وغیرہ کی توجیہات ارتقائی حوالے سے پوچھیں تھیں۔ آپ کے پاس اس کے مناسب جواب نہیں تھا۔ اب ضروریات پہ بات کرتے ہیں۔ اسی کہانی سے جو آپ نے سنائی ہے۔

ارتقاء کے حوالے سے جو بات ردو بیت کر منطقی جیزاہوں میں کسی حد تک ثابت کی جاسکتی ہے وہ زرافے کی گردن ہے۔ جسے ارتقائی بہت زیادہ اپنی دلیلوں میں استعمال کرتے ہیں۔

اس کو پہلے آسان الفاظ میں سمجھ لیں۔

میں آپ کو چشم تصور میں اس دور میں لے جاتا ہوں جس میں آپ کے نزدیک زرافہ گھوڑے کے برابر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے منطقی بنیادوں پر یہ بات سمجھ لیں کہ پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر گردن کو اونچا کر کے پتے کھانا ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ یہ کوئی سہتا کام نہیں ہے۔ آپ کو کوئی کہے کہ ڈائننگ ٹیبل اور کرسی کو چھوڑ کر پنجوں پر کھڑے ہو کر کھانا کھایا کریں تو آپ اس پر کبھی خوش نہیں ہوں گے۔ اس تکلیف میں مسلسل کئی لاکھ سالوں تک نسل درنسل مبتلا رہنے کے لیئے جو چیزیں سب سے بڑا کردار ادا کریں گی ان میں

پہلی ہے ضرورت۔

دوسری چیز ہے خواہش۔

اور تیسری ہے افادیت۔

ضرورت سے مراد یہ ہے کہ جس خوراک کا حصول پہلے زمین پر موجود گھاس یا قد بہ قد درختوں سے ہو جاتا تھا وہ اب ممکن نہیں رہا۔ یہ صورت منطقی نہیں لگتی۔ کیوں کہ کسی بھی دور میں چھوٹے درختوں یا گھاس پھونس کے معدوم ہونے کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ نہ ہی یہ بات سمجھ آتی ہے کہ زرافہ یا گھوڑے سے چھوٹے سب جاندار معدوم ہو گئے ہوں۔ یہ بھی منطقی نہیں لگتا کہ کسی مخصوص علاقے میں ایسا ہوا ہو اور اس علاقے کے زرافوں کو اتنی تکلیف میں مبتلا ہو کر پتے کھانے کی ضرورت پیش آئی ہو۔

دوسری صورت خواہش کی ہے۔ یعنی زرافے کے دل میں یہ خواہش جاگی ہو کہ نچلے درختوں کے پتے بہت کھا لیئے اب ذرا اوپر منہ مارا جائے۔ ہو سکتا ہے اوپر کے پتے زیادہ مزیدار ہوں۔ یہ بھی صورت منطق میں نہیں پڑتی۔

مگر میں آپ کے احترام میں ان دونوں پر کسی طرح کمپرومائز کر لیتا ہوں۔ میں کسی حد تک مان لیتا ہوں کہ کوئی ایسی صورتحال پیش آئی ہو جس کو آج ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مگر جس چیز پر میں کسی صورت کمپرومائز نہیں کر سکتا وہ ہے افادیت۔ یعنی میں یہ نہیں مان سکتا کہ لاکھوں سالوں کی اس مسلسل پریکٹس سے زرافے کو

پتے حاصل نہ ہوتے ہوں پھر بھی وہ تاحیات اس عمل کو مسلسل جاری رکھے اور پھر اپنی
اولاد کو بھی یہ نصیحت کر کے مرے کہ تم نے بھی یہ عمل مسلسل کرتے رہنا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو
کچھ ضرور ملے گا۔ کیوں کہ پھر یہ ارتقاء نہیں رہے گا بلکہ منصوبہ سازی کہلائے گی۔ جس کے
لیے شعور ضروری ہے جو کم از کم زرافے میں تو نہیں ہوتا۔ بیرونی شعور کو آپ مانو گے نہیں۔
اس کی مثال یوں لیجیے کہ آپ کو کوئی کہے کہ آپ کے گھر کے آنگن میں ایک
کنواں ہے جس میں سچے موتی ہیں۔ آپ ایک دن ڈبکی لگا لیں گے ایک مہینہ لگا لیں گے
بہت ڈھیٹ ہوئے تو ایک سال ڈبکیاں لگا لیں گے۔ اس کے بعد آپ کی ہمت ٹوٹ جائے
گی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ساری زندگی ڈبکیاں لگاتے رہو پھر مرتے وقت اولاد کو نصیحت
کر جاؤ کہ ہون تسی وی ایس کنویں وچ ڈبکیاں لاندے رہنا۔

یہ انتہائی غیر منطقی بات ہے جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کی بس یہی
صورت ہے جو میں نے پہلے بیان کر دی کہ کچھ نہ کچھ بھی نہ بھی ملتا رہے تو ہمت جوان رہے
گی۔

زرافے کے متعلق میں نے پہلے بیان کر دیا کہ روتے پیٹتے کم از کم زرافے کی
گردن کے لمبا ہونے کے ارتقاء کو مانا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شروع میں
زرافے کی زیادہ سے زیادہ گنجائش پانچ فٹ اونچی ہو اور وہ سوا پانچ فٹ کے درخت کے
پتے کھانے کی کوشش میں اوکھا سوکھا ہو کر کامیاب ہو جائے اور اس کی یہ صلاحیت آہستہ
آہستہ گردن لمبی ہونے کی وجہ سے بڑھتی رہے اور لاکھوں سال بعد زرافے کی وہ شکل
ہمارے سامنے آ جائے جو آج ہے۔

مگر ارتقاء کی بد قسمتی یہ ہے کہ اس افادیت والے اصول کو اگر ہم باقی ماندہ پیدا
ہونے والے اعضاء پہ لاگو کریں تو یہ بہت بری طرح فیل ہو جاتا ہے۔

آپ کے تجربات کے نتائج چار قسم کے ہوتے ہیں۔

پہلا جزوی افادیت حاصل ہو جائے۔

دوسرا اگلی افادیت حاصل ہو جائے۔

تیسرا افادیت کے بجائے ایک تلخ تجربہ ہو جائے۔

اور چوتھا کوئی افادیت نہ ہو۔ یعنی نہ نفع نہ نقصان۔

پہلا اور دوسرا ارتقاء کے لئے موزوں ہے۔ مگر تیسرا اور چوتھا ارتقاء کے بالکل خلاف ہے۔ اور زیادہ تر ارتقاء یافتہ اعضاء کا تعلق اس تیسرے اور چوتھے نتیجے سے ہے۔

آپ دریا میں ڈبکی لگائیں اور سانس لینے کی کوشش کریں۔ آپ کے پھیپھڑوں میں پانی بھر جائے گا اور انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے۔

آپ یہ عمل کتنے عرصے تک کر سکتے ہیں؟

اگر آپ کبھی پھیپھڑوں میں پانی بھرنے کے تلخ تجربے سے گزرے ہیں تو میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمل آپ ایک سے دوسرے دن نہیں کر سکتے۔ چاہے کوئی آپ کو لاکھ کہے کہ آپ کے گلپھڑے نکل آئیں گے۔ آپ یہ تجربہ کبھی نہیں دہرائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ اگلی بار آپ سانس روک کر پانی میں جائیں۔ مگر اس کوشش سے آپ کے اندر گلپھڑے کسی صورت پیدا نہیں ہو سکتے۔ محض اتنا ممکن ہے کہ آپ کے پھیپھڑے کھل جائیں اور آپ پانی میں نسبتاً زیادہ دیر سانس روک سکیں۔ جس طرح مگر مچھ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ لیکن یہی بات آبی مخلوق کے خشکی کی طرف سفر کے لئے کہی جاتی ہے تو اس پر یقین کیسے کیا جا سکتا ہے؟ آپ ایک مچھلی کو پانی سے باہر نکالیں تو وہ ایسے ہی تڑپتی ہے جیسے آپ پانی میں۔ یعنی ایک تلخ تجربہ اور اس پر لاکھوں سالوں کا تسلسل؟

یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

اس کا ایک حل ارتقائی سائنسدانوں نے یہ نکالا کہ خشکی کے اور آبی جانداروں کے بھی مشترکہ آباء پیدا کر لیئے۔ جیسے ہمارے اور بندروں کے مشترکہ آباء تھے۔ ان کے واسطے میں یہ کہا جاتا ہے کہ خشکی کے اور آبی جانداروں کے آباء مشترک تھے اور ان کے دونوں سہولیات میسر تھیں۔ یعنی وہ بیک وقت گلپھڑے بھی رکھتے تھے اور پھیپھڑے

بھی۔ سبحان اللہ۔

یہ بات خود ارتقائی اصول کی خلاف ورزی ہے۔ یعنی پھر ہوا یوں ہوگا کہ جب جرثومے کا ارتقاء پودے میں ہوا اور پودے کا ارتقاء آبی جاندار میں ہوا۔ تو آبی جاندار کے گلپھڑوں کے ساتھ ساتھ پھیپھڑے بھی بن گئے۔

مگر کیوں جناب؟ کس ضرورت کے تحت؟ پانی میں موجود جانداروں کو پھیپھڑوں کی کیا ضرورت تھی؟ کیا انہیں پتہ تھا کہ انہیں کبھی خشکی کی طرف سفر کرنا ہے، لاکھوں سالوں تک گلپھڑے اور پھیپھڑے لے کر گھومتے رہے؟ یہ ارتقاء تھا یا باقاعدہ منصوبہ بندی؟

یعنی پہلا سوال یہ کہ بلاضرورت پھیپھڑے بنے ہی کیوں؟

اور دوسرا سوال یہ کہ اگر جادو سے بن ہی گئے تھے تو لاکھوں سالوں میں وہ غیر ضروری پھیپھڑے ختم کیوں نہ ہو گئے؟

یہی معاملہ خشکی کے جاندار کے ہوا میں اڑ جانے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

آگے چلیں۔

جانداروں کے جنسی اعضاء اگنے کی کہانی اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یعنی نر جاندار کے جنسی اعضاء اور مادہ کے جنسی اعضاء۔ ظاہر ہے جب پودے کا ارتقاء جاندار میں ہوا تو یہ جنسی اعضاء موجود نہیں تھے۔ زرانے والے کیس میں ہمیں یہ سہولت تھی کہ اگر دو بچے بھی کھانے کو مل گئے تو کہانی چلتی رہے گی۔ مگر نر جاندار کا جنسی عضو جب اگنا شروع ہوا ہوگا تو اس سے وہ جاندار کیا کام لیتا ہوگا؟

اسے اس طرح سمجھیں۔

آپ کو ایک انڈے کی تصویر دکھاتا ہوں جو ریت پر پڑا ہے۔ ریت پر پڑے رہنے کی وجہ سے ریت میں ایک گڑھا پڑ گیا ہے۔ مگر یہ میری منطق ہے۔ اگر کوئی اس بات کو الٹا سمجھے کہ اصل میں ریت کے اس گڑھے کی وجہ سے ہی انڈا گول ہوا ہے تو؟

اب آپ یقیناً یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں گے کہ ریت کے اس گڑھے میں پڑے رہنے کی وجہ سے انڈا تو گول ہو گیا مگر پھر ریت میں وہ گڑھا پڑا کیسے؟ اور جواب دینے والا آگے سے یہ جواب دے دے کہ گول انڈے کے وہاں پڑے رہنے کی وجہ سے ریت میں گڑھا پڑ گیا تو یقیناً اب آپ سر پیٹ لیں گے۔

اسے کہتے ہیں گول منطق۔

آگے چلیں۔

اس تصویر میں آپ کو میل اور فی میل ساکٹ نظر آ رہے ہیں۔

میل یا فی میل ساکٹس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہے اور دوسرے کے بغیر پہلا کسی کام کا نہیں۔ جس سائنسدان نے یہ ساکٹس بنائے ہیں اس نے سب سے پہلے ان ساکٹس کا ورکنگ پلان سوچا۔ پھر ان دونوں ساکٹس کو ایک ساتھ تشکیل دیا۔ تاکہ جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ پلگ ان ہوں تو ایک کا کرنٹ دوسرے میں منتقل ہو کر تاروں کے ذریعے اس مطلوبہ مقام تک پہنچ جائے جہاں ہم اسے پہنچانا چاہتے ہیں۔ مگر اگر کوئی دیوانہ آپ سے یہ کہے کہ نہیں اصل میں میل ساکٹ خود بخود پیدا ہوا۔ پھر سائنسدان کافی عرصے تک سوچتے رہے کہ یہ میل ساکٹ ہم نے

نر کے میل اعضاء میل ساکٹ کی طرح کے ہوتے ہیں اور مادہ کے جنسی اعضاء

فی میل ساکٹ کی طرح۔

سوال یہ ہے کہ پہلے کس کا ارتقاء ہوا؟ نر کا یا مادہ کا؟

اگر نر کا تو اس کے جنسی اعضاء کیسے اور کیوں پیدا ہو گئے جبکہ مادہ کا تو ابھی ارتقاء

ہی نہیں ہوا؟

اور اگر مادہ کا ارتقاء پہلے ہوا تو اس کے جنسی اعضاء کیسے اور کیوں تخلیق ہوئے

جب کہ نر موجود ہی نہیں؟

پھر یہ بھی ایک سوال ہے کہ جنسی اختلاط کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی جبکہ جنسی

تولید سے افزائش نسل جاری تھی؟

میل اور فی میل میں دوڑنے والے کرنٹ کی مثال آپ جنسی اختلاط کی آخری

لذت کو لے لیجیے جس کے بعد نر کا مادۂ منویہ مادہ میں منتقل ہو جاتا ہے اور اس مقام تک پہنچ

جاتا ہے جس مقام تک پہنچانے کے لئے یہ سارا انتظام بنایا گیا یا خود بخود بن گیا۔ یہ کیسے کیوں

اور کس ضرورت کے تحت بنا؟

زرافے نے تو اپنی گردن پتے کھانے کے چکر میں لمبی کر لی مگر پہلے نر کے جنسی

اعضاء کس ضرورت کے تحت نمودار ہوئے جب کہ مادہ کا ارتقاء ابھی ہوا ہی نہیں؟

اب ذرا میری گفتگو کا ایک حصہ اس مناسبت سے دوبارہ پڑھ کر دیکھیے اور مجھے

بتایئے۔

"میل یا فی میل ساکٹس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی ایک

کے بغیر دوسرا بیکار ہے اور دوسرے کے بغیر پہلا کسی کام کا نہیں۔ جس سائنسدان نے یہ

ساکٹس ایجاد کیے اس نے سب سے پہلے ان ساکٹس کا ورکنگ پلان سوچا۔ پھر ان دونوں

ساکٹس کو ایک ساتھ تشکیل دیا۔ تا کہ جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ پلگ ان ہوں تو ایک

کا کرنٹ دوسرے میں منتقل ہو کر تاروں کے ذریعے اس مطلوبہ مقام تک پہنچ جائے جہاں

آپ سے سیکھنا چاہتے ہیں۔"

اب سنیے اسی کہانی کو تھوڑا بدل کر۔

"مگر اگر کوئی دیوانہ آپ سے یہ کہے کہ نہیں اصل میں میل ساکٹ پہلے ہوا۔ پھر سائنسدان کافی عرصے تک سوچتے رہے کہ یہ میل ساکٹ ہم نے کیوں ایجاد کیا؟ پھر انہوں نے اس کو فٹ کرنے کے لیے فی میل ساکٹ ایجاد کیا۔ پھر ان دونوں کو آپس میں فٹ کر دیا۔ مگر اب ان دونوں کی آپس میں فٹنگ کا فائدہ کیا ہے؟ پھر سائنسدانوں کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان میں تاریں بھی ڈال دی جائیں تاکہ ایک کا کرنٹ دوسرے میں منتقل ہو جائے؟"

کیا اب یہ کہانی سمجھ آتی ہے؟

یقیناً نہیں۔

اور اب اگر اس دوسری کہانی میں سے میں سائنسدان بھی نکال دوں یعنی یہ سب حادثاتی طور پر ہوا تو یہ کہانی اور زیادہ ناقابل یقین ہو جائے گی۔ جس پر یقین کرنے کے لئے عقل سے کا فر ہونا ضروری ہے۔

اسے کہتے ہیں گول منطق۔

دنیا کی پیدائش کے معاملے میں سائنس کے میدان میں جگہ جگہ آپ کا واسطہ گول منطق سے پڑے گا۔ سائنس کے مطابق جانوروں کا پودوں کے پھیلاؤ سے بڑا رشتہ ہوتا ہے۔ جانور پودے یا پھل کھاتے ہیں اور بیج نگل جاتے ہیں۔ پھر جگہ جگہ فضلے کے ساتھ ان بیجوں کو خارج کرتے ہیں تو مزید پودے اگتے ہیں۔ مگر ارتقائی نظریے کے مطابق جانوروں کا ارتقاء ہی پودوں سے ہوا۔

تو جانوروں کے ارتقاء سے پہلے پودوں کے پھیلاؤ کا سبب کیا تھا؟ پودے اپنے پھیلاؤ کی صلاحیت سے محروم ہو جانے کے باعث ہلاک کیوں نہ ہو گئے؟ اصلاح کی جینیٹ کیوں نہ؟

اس کائنات کی ہر چیز کا دوسری چیز سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔ ہر چیز ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہے۔ اگر آپ اس کائنات میں موجود زندہ یا بے جان کی بابت کسی خالق کا اقرار نہیں کرتے تو آپ کسی مسئلے کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں۔ اسی لیئے میں نے نظاموں کے ایک دوسرے سے ربط اور سرکل کا ذکر کیا تھا۔

O

رمضان کی زکات کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ رات کو ایک شخص آیا اور غلہ چوری کرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا تو عاجز ہو کر بولا مجھے چھوڑ دے میں بہت محتاج اور ضرورت مند ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ صبح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا تھا اور پھر آئے گا۔

اگلی رات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی تاک میں بیٹھ گئے۔ وہ پھر آیا اور غلہ چوری کرنے لگا۔ اس بار بھی رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور گڑگڑانے لگا کہ مجھ پر بال بچوں کا بوجھ ہے مجھے جانے دے۔ میں اب دوبارہ کبھی نہ آؤں گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پھر اس پر ترس آ گیا اور اسے پھر چھوڑ دیا۔ صبح یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا وہ شخص جھوٹا تھا اور پھر آئے گا۔

تیسری رات پھر وہ شخص آیا اور غلہ چوری کرنے لگا۔ پھر پکڑا گیا۔ اس بار اس نے کہا کہ اے ابو ہریرہ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھے کچھ کلمات سکھاؤں گا۔ ابو ہریرہ نے پوچھا۔ وہ کلمات کیا ہیں۔ تو اس نے کہا کہ جب بستر پر لیٹنے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اللہ ایک نگران فرشتہ صبح تک تیری حفاظت کے لیے مامور کر دے گا۔

صبح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پورا معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ وہ جھوٹا تھا مگر یہ بات سچ بتا کر گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ابو ہریرہ! کیا تو جانتا ہے کہ وہ شخص کون تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خود شیطان تھا۔

یہ حدیث ہمیں واضح طور پر حق بات کو بلا تخصیص قبول کرنے کا عمل سکھاتی ہے۔ کوئی بھی ہو۔ کوئی کافر ہو یا خود شیطان ہی کیوں نہ ہو۔ جو بات سچ ہے اسے قبول کیا جائے گا اور غلط بات کہنے والا خواہ مسلمان ہو اسے رد کیا جائے گا۔

زمانے کے مطابق چند تبدیلیاں گوارا ہیں۔ مگر کچھ لوگ ہماری اس ڈھیل میں حد سے تجاوز

کرتے ہیں کہ سائنس کی ہر بات کو جھٹلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ سائنس کی بات اصولی طور
پر درست اور وہ ایک بات غیر منطقی ہی کیوں نہ ہو۔

آئیے ذرا کوشش کرتے ہیں اس معاملے کو سلجھانے کی۔

صحیح بخاری حدیث نمبر 583 کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج
کی پہلی کرن نکلنے کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ وہ بلند ہو جائے۔

یہ فجر کی نماز کے بعد کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی جب سورج طلوع ہو جائے اس
کے بعد اس وقت تک کوئی نماز جائز نہیں جب تک کہ سورج بلند نہ ہو جائے۔ یہاں
استعمال ہوئے وہ ہیں "حتی ترتفع"۔ ترتفع رفعت سے نکلا ہے جس کا مطلب بلندی ہے مگر
مقصد یہ ہے کہ سورج بلند اسی صورت میں ہوگا جب وہ گول زمین کی اوٹ سے باہر ہوگا۔

گول زمین کو ماننے والوں کے مطابق نہ سورج طلوع ہوتا ہے نہ غروب، نہ وہ
بلند ہوتا ہے۔ بس وہ زمین پر ایک دائروی حرکت کرتا رہتا ہے۔ ہمیں جب وہ
سامنے نظر آنے لگتا ہے تو ہم اسے طلوع ہوتا محسوس کرتے ہیں اور جب وہ چھپ جائے
ہمیں ڈوبتا محسوس ہوتا ہے۔

سمتوں کا تعین انسان نے اپنی سہولت کے لئے کیا ہے۔ چار سمتیں شمال، جنوب،
مشرق اور مغرب کا باقاعدہ ایک نظام ترتیب دیا گیا ہے جو آپس میں کسی طور ٹکراتا نہیں۔ لیکن
جب میں فلیٹ ارتھ والوں سے سمتوں کا تعین پوچھتا ہوں تو ایک عجیب دلچسپ فرق سامنے
آتا ہے۔

فلیٹ ارتھ کے مطابق زمین فلیٹ ہے اور اس کے بالکل بیچ میں شمال ہے
تو اس کے ہر طرف جنوب ہے۔ جس سمت سے سورج نکلے اسے ہر حال میں مشرق ہی کہا جائے گا
اور اس کے مخالف سمت مغرب۔

اپنے ذہن میں بنائی گئی تصویر پر غور کیجئے۔ میری ڈرائنگ اچھی نہیں مگر امید ہے کہ
آپ سمجھ گئے ہوں گے۔
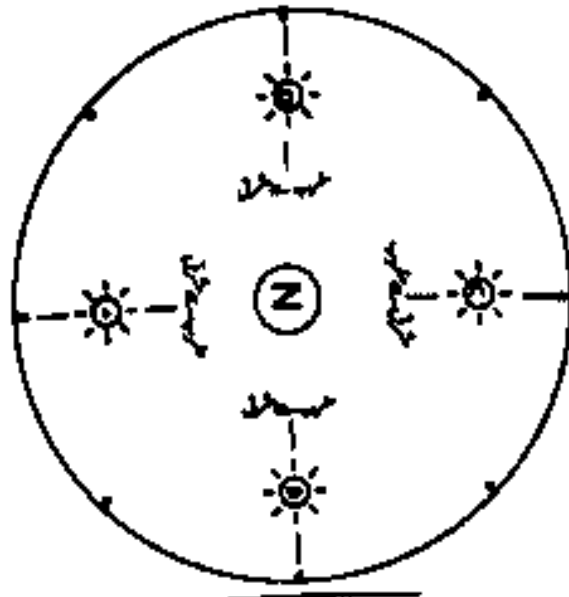
تصویر میں سورج کے A پوائنٹ پہ پاکستان فرض کر لیجئے اور C پوائنٹ پہ امریکہ۔ پاکستان کے بائیں جانب مشرق ہے دائیں جانب مغرب۔ اوپر شمال نیچے جنوب۔ اب سورج حرکت کرتا ہوا C پوائنٹ پہ پہنچ گیا۔ امریکیوں کے لئے معاملہ ویسا ہی ہے جیسا پاکستانیوں کے لئے تھا۔ مگر پاکستانیوں کے لئے سورج کے امریکہ پہنچتے ہی سمتیں بدل گئیں۔ جو سورج امریکیوں پر مشرق سے نکل رہا ہے وہی سورج اب پاکستان کے حساب سے مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔ جنوب چونکہ ہر کنارے پر ہے لہٰذا جس طرف پاکستان کا شمال ہے اسی طرف بھی پاکستانیوں کا ایک جنوب ہے۔ پہلے شمال آتا ہے بیچ میں۔ پھر اسے کراس کر کے امریکہ کراس کر جائیں تو ایک اور جنوب۔ یعنی کسی کو پتہ سمجھانا ہو تو یہ بتانا ضروری ہوگا کہ پچھلے والا جنوب یا اگلے والا جنوب۔ مشرق و مغرب کے معاملات بھی کچھ اسی قسم کے ہیں کہ امریکی مشرق یا پاکستانی لوکل مشرق۔ یعنی ساری سمتیں اتھل پتھل ہو گئیں۔ اس نقشے پر جتنا غور کریں گے اتنے اعتراضات سامنے آتے جائیں گے مگر اختصار کی غرض سے باقی اعتراضات قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

آگے چلیں۔

فلیٹ ارتھرز کے مطابق سورج طلوع و غروب نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ وہ دور سے آتا

ہے اور دور چلا جاتا ہے لہذا ہمیں طلوع ہوتا اور غروب ہوتا محسوس ہوتا ہے
اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ مشاہدہ ہر آتی چیز پر اپلائی ہوتا ہے؟
تو جواب ہے نہیں۔
میں آپ کو ایک ایسا مشاہدہ کرواتا ہوں جس کے لیے ناسا کی بھی ضرورت نہیں۔
ایئرپورٹ پر جائیے اور ننگی آنکھ سے جہاز کو ٹیک آف کرتے دیکھیے۔ جہاز آپ کو اپنے اصل سائز پر نظر آئے گا۔ پھر وہ جہاز آپ سے دور جانا شروع ہو جائے گا اور اس کا سائز بتدریج چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔ چھوٹے ہوتے ہوتے وہ ایک کرکٹ بال جتنا ہو جائے گا۔ پھر ایک نکتے جتنا۔ پھر وہ نکتہ بھی غائب ہو جائے گا۔ مگر وہ آپ کو غروب ہوتا نظر نہیں آئے گا۔

اب اس تجربے میں تھوڑا سا اضافہ کر لیجیے۔ ایک دوربین لیجیے اور اس کی مدد سے اسی مقام کو دوبارہ دیکھیے جہاں جہاز غائب ہوا تھا۔ جہاز دوبارہ نمودار ہو جائے گا۔ قدرے بڑے سائز کا۔ پھر دوربین میں بھی وہ چھوٹا ہونا شروع ہو جائے گا اور نکتہ جتنا ہو کر دوربین کی حدود سے بھی نکل جائے گا۔

یہی معاملہ ہر دور سے آتی اور جاتی چیز پہ اپلائی ہوگا۔ ماسوائے سورج کے۔
اصولاً ہونا یہ چاہیے کہ جب سورج دور سے آتا دکھائی دے تو اس کا آغاز ایک نکتے جتنے سائز سے ہو۔ پھر ستارے جتنا بڑھ جائے۔ پھر بتدریج بڑھتا بڑھتا اپنے اصل سائز پر آ جائے۔ یعنی جب ہمارے سروں پر پہنچ جائے۔ پھر جب دور جائے تو اسی طرح یہ معاملہ ہو۔

مگر سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اتنا ہی بڑا ہوتا ہے جتنا اپنے عروج کے وقت۔ پھر زوال کے وقت بھی اس کا سائز نہیں بدلتا۔ پھر اپنے مکمل سائز پر وہ زمین کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے۔

ایک تجربہ سورج پر بھی کر لیجیے۔ کراچی میں شاید آج کل سورج ساڑھے چھ بجے

ہوتا ہے۔ آپ ساڑھے چھ بجے ساحل سمندر پہ پہنچ جائیے اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کیجئے۔ سورج پانچ بجے کنارے سے سمندر کی اوٹ میں چھپنا شروع کرے گا اور رفتہ رفتہ ٹھیک ساڑھے چھ بجے غائب ہو جائے گا۔ اب آپ اپنے سامان میں سے دوربین نکال لیجئے۔ چاہے Hubble کی دوربین ساتھ لے جائیں۔ کوئی فائدہ نہیں۔ سمندر کنارے موجود بلند عمارت سے بھی مدد لے کر دیکھ لیں۔ جس نے ڈوبنا تھا وہ ڈوب گیا۔ آپ جتنی مرضی طاقتور دوربین استعمال کر لیں۔ ساڑھے چھ بجے تک سورج ننگی آنکھ سے بھی نظر آئے گا مگر اس کے بعد کسی دوربین سے بھی نظر نہیں آئے گا۔

یہاں سورج ڈوبنے کے بعد سورج کے نظر آنے کی ایک صورت ممکن ہے کہ آپ بلند پہاڑی پر ہوں۔

یہ معاملہ مکہ کے معتمران کرام کے ساتھ دو سال پہلے پیش آ چکا ہے۔ جب مسجد حرام میں موجود روزے داروں نے روزہ کھول لیا مگر کعبہ کے بالکل پاس بننے والے ٹاور بلڈنگ کی بالائی منزلوں سے سورج ابھی بھی نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا ان کو روزہ پانچ منٹ ٹھہر کے کھولنا پڑا۔

"اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟"

"یہ کہ مقامات بدلنے سے مقامی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے؟"

تو صحیح کیا ہے؟

لہٰذا آپ کہیے۔

○

کائنات کی وسعت

میری پچھلی تحریر پر ایک صاحب ابراہیم نے سید امجد حسین کا اعتراض سامنے

رکھا۔

وہ اعتراض کچھ یوں تھا۔

"پہلا سوال: اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے تو پھر یہ کائنات اتنی بڑی کیوں ہے؟ یعنی اس نے اس کائنات کو انسان کے حجم سے متناسب کیوں نہیں بنایا جس کے لیے صرف ایک نظامِ شمسی یا صرف ایک کہکشاں ہی کافی تھی؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہم فرض کرتے ہیں کہ کائنات بہت چھوٹی ہے، یعنی ایک نظامِ شمسی یا ایک کہکشاں پر مشتمل ہے، پھر اس صورت میں یہی سوال پیدا ہو جائے گا کہ: اگر خدا اتنا ہی طاقتور ہے تو اس کی کائنات اتنی چھوٹی کیوں ہے؟"

یہ تھا جناب اعتراض اور یہ ہمارے لئے خصوصی طور پر امجد حسین صاحب نے بھجوایا ہے۔ یہ وہی امجد صاحب ہیں جن کو کھلا چیلنج کیا گیا تھا کہ کسی بھی موضوع پر مجھ سے مذاکرہ کر لیں۔ مگر وہ اس کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں۔ انہیں شائد اس بات کا اندازہ ہے کہ ان کے جتنے بھی اعتراضات ہیں یا تو احمقانہ ہیں یا پھر ان پر مومنوں کو لاجواب نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال انہوں نے جس کے ذریعے بھی سوال بھیجا جواب تو دینا بنتا ہے۔

اس سوال کے دو پہلو ہیں۔

1۔ اگر کسی چیز کی وجہ معلوم نہ ہو تو اس کی تخلیق کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

2۔ نمبر دو وہی ہے جو خود امجد حسین نے سوال میں ڈلوا دیا کہ کائنات بڑی ہونے پہ اعتراض ہے۔ جو چھوٹی ہوتی تو اعتراض نہ ہوتا؟

اب ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ اگر کسی چیز کی وجہ معلوم نہ ہو تو اس کی تخلیق کا انکار کیا جاسکتا ہے؟

اب یہاں اس سوال سے میرے ذہن میں ایک منطقی سوال پیدا ہوا ہے کہ فرض کریں ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی نے اتنی بڑی کائنات کیوں بنائی ہے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے بنائی ہی نہیں بلکہ خود بخود بن گئی؟ کیا صرف مقصد معلوم نہ ہونے سے تخلیق کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ کون فیصلہ کرے گا کہ کیا چیز بامقصد ہے اور کیا چیز بے مقصد؟

انشاء جی اپنی ایک کتاب میں رقم کرتے ہیں کہ ایک مچھلی فروش نے ایک محلے میں مچھلی کی دکان کھولی اور بورڈ لکھ کر لگا دیا کہ "یہاں تازہ مچھلی دستیاب ہے۔" ایک صاحب وہاں سے گزرے اور بورڈ پڑھ کر فرمایا میاں اتنا بڑا جملہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سب کو پتہ ہے کہ تازہ مچھلی یہیں دستیاب ہے۔ مچھلی فروش نے لفظ "یہاں" مٹا دیا اور جملہ رہ گیا "تازہ مچھلی دستیاب ہے۔" ایک اور صاحب گزرے انہوں نے بورڈ پڑھا اور کہا کہ میاں تم تو شکل سے ہی شریف آدمی لگتے ہو۔ کوئی باسی مچھلی تھوڑی بیچو گے۔ لہٰذا لفظ "تازہ" اضافی ہے۔ مچھلی فروش نے وہ بھی مٹا دیا اور جملہ رہ گیا "مچھلی دستیاب ہے۔" ایک اور صاحب گزرے اور فرمایا کہ تم دکان کھول کر بیٹھے ہو تو مچھلی دستیاب ہے تبھی تو بیٹھے ہو ورنہ دکان بند کرکے گھر چلے جاتے۔ لہٰذا لفظ "دستیاب ہے" اضافی ہے۔ مچھلی والے نے وہ بھی مٹا دیا اور فقط بورڈ پر "مچھلی" لکھا رہ گیا۔ پھر ایک اور صاحب آئے اور کہا کہ بھائی صاحب تمہاری مچھلی کی بو پھیلی ہوئی ہے۔ سب کو کئی میٹر دور سے ہی مچھلی کی بو آجاتی ہے تو کیا ضرورت ہے یہاں "مچھلی" لکھ کر لگانے کی۔ مچھلی والے نے بورڈ اتار کر اندر رکھ لیا۔

انسان کی فطرت ایسی ہی ہے۔

تخلیق کار زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے کون سی چیز کیوں بنائی ہے۔ آپ نے مقصد نہیں سمجھا اور اس کا مطلب یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز ہی بے مقصد ہوگی۔

اپنے کمپیوٹر کا مدر بورڈ کھول کر دیکھیے۔ کتنے سرکٹ لگے دکھائی دیتے ہیں؟ آپ کو ان سب کا مقصد پتہ ہے؟ کسی ایک کو نکال دیجیے۔ جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی خرابی ہو جائے گی۔ جس نے کمپیوٹر بنایا اسے پتہ ہے کہ اس کا کون سا سرکٹ کیا کام کرتا ہے۔ آپ اس کو سمجھنا چاہیں تو سمجھیں۔ محنت کریں۔ مگر بغیر سمجھے اسے بے مقصد قرار نہ دیجیے۔

چڑیا ایک معمولی پرندہ ہے۔ آپ دنیا کی ساری چڑیاں مار دیں۔ آپ کی فصلیں کیڑے کھا جائیں گے۔ کب انسان نے سمجھی یہ بات؟ ہمیں تو یہی لگتا تھا کہ چڑیا بے مقصد ہی پیدا ہو گئیں۔

خود ڈارون جس نے نظریہ ارتقاء پیش کیا وہ ہر مخلوق کے دوسری مخلوق کے ساتھ تعلق کو تسلیم کرتا تھا۔

اونٹ کی پیٹھ پر کوہان کیوں ہوتا ہے؟ کب پتہ چلا ہمیں؟ ہاتھی کی سونڈ کیوں لمبی ہے؟ ہاتھی چیونٹی جتنا کیوں نہیں ہوتا؟ چیونٹی ہاتھی جتنی کیوں نہیں ہوتی؟

آپ کو اس کائنات کو مسخر کرنے ہی تو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی عادت کو ختم کر دیجیے اور دیکھیے آپ خود کتنا عرصہ زندہ رہ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

سورۃ انبیاء آیت نمبر 32

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔

یہاں آسمان کو محفوظ چھت قرار دیا گیا ہے۔ مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ

ویسی ہی چھت کی بنی ہوئی جیسی ہمارے گھروں کی ہوتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ چھت کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ چھت ہم اس لیے بناتے ہیں کہ اوپر سے آنے والی چیزوں موسم اور گرمی سردی کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

آج سائنس کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ اگر خلا میں بہت سے دمدار سیارے ہمارے ساتھ گردش نہ کر رہے ہوتے تو زمین اب تک کئی مرتبہ تباہ ہو چکی ہوتی۔ زمین کے چاروں طرف اوزون گیس کی ایک تہہ ہے جو سورج کی تپش اور کیمیائی اثرات کو ہم تک پہنچنے سے روکتی ہے۔

چاند کے بارے میں قدیم انسان کیا جانتا تھا؟

یہاں ہر چیز کسی نہ کسی مقصد کے تحت ہی وجود میں آئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ہمیں محنت کرنی ہے۔

یہ نیر رودی ہے جو خود احمد حسین نے سوال میں ڈال دیا کہ کائنات بڑی ہونے پہ اعتراض ہے۔ جو چھوٹی ہوتی تو اعتراض نہ ہوتا؟

یہ وہ وجہ ہے جس کی بنیاد پر میں ملحدوں کو نفسیاتی مریض کہتا ہوں۔

یعنی کائنات بڑی ہے تو کیوں بڑی ہے؟ اور چھوٹی ہے تو اتنی چھوٹی سی کیوں ہے؟

صاف ظاہر ہے یہاں سوال کی مقصد جواب حاصل کرنا نہیں بلکہ بحث برائے بحث، اعتراض برائے اعتراض ہے۔ یہ کائنات جیسی بھی ہوتی ان کو اعتراض ہی رہتا۔ کیوں کہ دماغ ٹھیک سے کام ہی نہیں کرتا۔ بس ایک سمت میں سوچتا ہے کہ خدا کا انکار کر جائے۔ کہتے ہیں خدا ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟ اگر واقعی خدا کا کوئی وجود ہے تو ہمارے سامنے آئے۔ اگر خدا ان کے سامنے آ گیا تو کہیں گے۔ یہ کیسا خدا ہے جو ہمارے سامنے آ گیا؟ اگر یہ خدا ہوتا تو کبھی انسان کے سامنے نہ آتا۔

مقصد کیا ہے؟

صرف فتنہ پھیلانا۔

باقی رہا سوال کہ آیا کائنات واقعی اتنی ہی بڑی ہے جتنی بتائی جاتی ہے انسان کی اس معلومات کا ماخذ کیا ہے جبکہ انسان 70 کی دہائی کے بعد دوبارہ کبھی چاند پر بھی نہ جا سکا۔ اور جو واحد دورہ انسان کا چاند پر ہے اس دورے پر کئی سوالات ہیں جن کا جواب امریکہ آج تک نہ دے پایا۔ ہبل کی دوربین سے ہم کتنی دور [illegible] سکتے ہیں؟ کیا ہبل کی دوربین سے اپنے نظام شمسی کے باہر دیکھنا بھی ممکن ہے؟ [illegible] اور اندازوں کا وہ کون سا کھیل ہے جس کے نتیجے میں ہم کروڑوں کائناتوں کا دعویٰ کرتے ہیں۔

یہ تمام سوالات ہنوز تحقیق طلب ہیں۔

○

ایک قرآنی آیت پر سائنسی اعتراض کا جواب

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿۱۱﴾ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۱۲﴾

"ترجمہ: کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مد مقابل بناتے ہو وہی تو سارے جہان کا مالک ہے اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامان معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے کام) کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں۔" [۲۳]

سورہ فصلت کی ان آیات پر ملحدوں نے ایک لمبا چوڑا اعتراض [illegible] صرف ان کا بنیادی اعتراض مختصراً عرض کر دیتا ہوں پھر اس پر بات [illegible]

ان کا کہنا یہ ہے کہ سورہ فصلت کے مطابق اللہ نے زمین [illegible] اس میں موجود چیزیں چار دن میں بنائیں اور پھر ساتوں آسمان دو دن میں [illegible] پورا کائناتی نظام شامل ہے۔ ان کا کلیدی اعتراض یہ ہے کہ زمین اور اس میں [illegible] نسبتاً کم پیچیدہ تھیں ان کو بنانے میں اللہ تعالیٰ کو چھ دن لگ گئے جب کہ پوری [illegible] جس میں سورج چاند ستارے جن کی تعداد سائنس کی نظر میں اربوں میں ہے [illegible] پیچیدہ ہے وہ محض دو دن میں تیار ہو گئی؟

ملحدوں نے مسلمانوں کی اس وضاحت کو بھی تسلیم کیا کہ دو دن سے مراد [illegible] دن نہیں بلکہ دو عہد بھی ہو سکتے ہیں مگر پھر بھی ایسا ممکن نہیں۔

جواب: سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ جب قرآن میں یوم کا ذکر آتا ہے تو مسلمانوں میں اس سے مراد دن کے بجائے ایک عہد یا ایک دور کیوں لیا جاتا ہے [illegible] صرف اسی نکتے کو سمجھ لیجئے تو پوری بات سمجھ لیجئے۔

سائنس کے مطابق دن کسے کہتے ہیں یا وقت کا کیا مطلب ہے؟ جتنے دورانیے [illegible] زمین کو اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں لگتا ہے اسے ایک دن کہتے ہیں اور جتنا دورانیہ زمین کو سورج کے گرد اپنا ایک چکر پورا کرنے میں لگتا ہے اسے ایک سال کہتے ہیں۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

اور اگر میں فرض کر لوں کہ زمین ابھی بنی ہی نہیں۔ سورج کا بننا ابھی باقی ہے [illegible] پھر کون سی گردش کون سا دن اور کون سا سال اور کون سا وقت؟ نہ زمین نہ سورج نہ دن نہ سال نہ وقت کا کوئی تعین؟ اب بتا دیجئے اپنے سارے سائنس والوں کو اور کہیں [illegible] اندازے سے کیا ہوتا ہے وقت؟

زمان و مکان کی قید میں پھنسا یہ انسان اندازے بھی لگاتا ہے تو اپنی سمجھ [illegible]

سے باہر نہیں نکلتا۔ یہ جانے بغیر کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اس کو اپنی کام کرنے کی صلاحیتوں سے پرکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے۔ سائنس کی روشنی میں پڑھ چکا ہے کہ وقت کا تعلق گردش سے ہے پھر بھی ایسی چیزوں کی تخلیق جن کی گردش سے وقت نے جنم لیا کے بنانے میں صرف ہونے والے وقت پر بحث کرتا ہے۔

چلیں میں فرض کر لیتا ہوں کہ یہ کائنات اللہ نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود وجود میں آئی تو اب آپ اس کے بننے کے وقت کا تعین کیسے کریں گے کہ جس زمین اور سورج سے آپ وقت کو ناپتے ہیں ان کا بننا ابھی باقی ہے اور ان کی تخلیق کے بعد ہی وقت تخلیق ہوگا۔ تو پھر اب آپ مجھے سمجھا دیجئے سائنس کی روشنی میں کہ کتنے وقت میں بنی زمین اور کتنا وقت لگا سورج کو بننے میں؟

سائنس کے اپنے اعتقادات کے مطابق بگ بینگ کے وقوعے سے پہلے وقت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس طرح آپ یہ مانتے ہو کہ زمین اور سورج بگ بینگ سے تخلیق پائے اسی طرح آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وقت کی تخلیق کائنات کے بعد وجود میں آئی۔ بلکہ زمین اور سورج کا پہلے بننا ضروری ہے پھر وقت تخلیق پائے گا۔

یہ ہے وہ وجہ جس کی بنیاد پر قرآن میں لکھے لفظ یوم کو ایک عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے چیزوں کو تخلیق کرنے کی مثال یہ نہیں کہ جس طرح ایک ماہر کاریگر اپنی کسی تخلیق کرنے میں اپنا وقت اور اپنی محنت صرف کرتا ہے۔ بلکہ اللہ کام سے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ یہی بات سورہ فصلت میں بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ نے آسمانوں کو بن جانے کے حکم جاری کیے۔ یہ نہیں کہ بنایا بلکہ یہ کہا کہ بن جاؤ اور وہ بن گئے۔ نہ کوئی محنت نہ وقت کا کوئی شمار نہ کوئی تھکان۔ اللہ بس ارادہ کرتا ہے اور فرمان جاری کر دیتا ہے۔ یہ جو دو دن سمجھانے کی باتیں ہیں یہ کام کی مدت نہیں بیان کی جا رہی ہے۔ ارادے کا تعین بتایا جا رہا ہے کہ کسی چیز کو اب بن جانا چاہیے اسے حکم نامہ جاری کر دیا کہ بن جا اور وہ بن جاتی ہے

کائنات کی پیدائش چھ ایام یا آٹھ ایام؟

سورہ الاعراف 7۔آیت 54

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾

"کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدا ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ اور اسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ یہ خدا رب العالمین بڑی برکت والا ہے ۵۴"

سورہ یونس 10۔آیت 3

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾

"تمہارا پروردگار تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش (سلطنت شاہی) پر قائم ہوا وہی ہر ایک کا انتظام کرتا ہے کوئی (اس کے پاس) اس کا

اذن حاصل کیے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا، یہی خدا تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے ۳"

سورہ ہود 11۔ آیت 7

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۷)

"اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے ۷"

سورہ الفرقان 25۔ آیت 59

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (۵۹)

"جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا وہ (جس کا نام) رحمٰن (یعنی بڑا مہربان ہے) تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کر لو ۵۹"

سورہ السجدہ 32۔ آیت 4

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (۴)

"خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ

بیدا کرنے والا۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ ۴۹"

قرآن۔ سورہ ق 50۔ آیت 38

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

"اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا۔
اور ہم کو ذرا تکان نہیں ہوئی ۳۸"

سورہ الحدید 57۔ آیت 4

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾

"وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا۔
جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اُترتی اور جو اس کی
طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے۔ اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو
کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے ۴"

سورہ فصلت 41۔ آیت نمبر 9 تا 12

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ۚ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۚ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

"کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین دو دن میں پیدا کی اور (بتوں کو) اس کا مدمقابل بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے ۹ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامان معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں ۱۰ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں ۱۱ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں ۱۲"

قارئین! قرآن کریم کی جتنی بھی آیات میں زمین و آسمان کو تخلیق کرنے کی مدت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے وہ چھ دن ہی ہے۔ جس کی مثالیں میں نے اوپر دی ہیں مگر سورہ فصلت میں اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے دو ایام اور ان میں موجود تمام چیزوں کی پیدائش کے چار ایام کو الگ الگ بیان کیا جس پر ملحدین کا اعتراض ہے کہ اگر ان کو ٹوٹل کیا جائے تو آٹھ دن بنتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض ایک غلط فہمی ہے جو عربی علم نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

سورہ یاسین 36۔ آیت 82

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

"اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے ۸۲"

اور یہی بات اللہ نے سورہ فصلت کی آیت 11 میں بیان فرمائی کہ

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ﴿۱۱﴾

"پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین

دیا کہ دونوں آؤ خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں ۱۱"
اب یہاں واضح طور پر آسمان کے ساتھ ہی زمین کو وجود میں لانے کا بھی ذکر ہو
جاتا ہے۔ یعنی چھ دن سورۂ فصلت کی آیت نمبر 9 میں بیان کئے گئے آیت نمبر 11 میں انہی
چھ دن کیا گیا۔ یعنی دو دن زمین اور آسمان کی تخلیق کے اور چار دن ان کی تزئین و آرائش
کے

تصور طہرین کا نہیں ہے۔ ان آیات سے بعض مسلمان مفسرین نے بھی دھوکا
کھایا ہے۔ کسی نے ان آیات کی تفسیر میں چار دن میں زمین اور اس کی باقی آرائش کو اور دو
دن میں سات آسمان کی تخلیق کو بیان کیا ہے۔ اور بعض نے دو دن میں زمین و آسمان اور چار
دن میں تزئین و آرائش کو بیان کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان مفسرین نے صرف
ترتیب میں دھوکہ کھایا ہے تعداد میں نہیں۔

بنیادی بات یہ ہے کہ زمین و آسمان کی چھ دن میں تخلیق کا بیان اتنے زیادہ تواتر
سے قرآن میں آیا ہے کہ اس کے بعد سورۂ فصلت کی ان آیات سے یہ بات اخذ کی ہی نہیں
جا سکتی کہ یہاں چھ دن آٹھ دنوں میں بدل گئے ہوں گے جبکہ یہاں صرف دنوں میں بنائے
گئی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے تا کہ کل تعداد بتائی جا رہی ہے کہ زمین و آسمان آٹھ دن میں
بنے

اس تضاد کو صرف ایک ہی صورت میں تضاد سمجھا جا سکتا تھا کہ ایک آیت میں
زمین و آسمان کی تخلیق کے لئے چھ دن کی مدت بتاتا اور کسی اور آیت میں آٹھ بتا
تا

مگر یہاں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ یہاں زمین و آسمان کی تخلیق کے لئے چھ دن کی
مدت سو مختلف جگہوں پہ قرآن خود بتا رہا ہے مگر سورہ فصلت سے آٹھ دن کی مدت
نہیں بتا رہا مگر طحد خود یہ حساب کتاب لگا رہے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ قرآن پہلے دن
سے سینوں میں محفوظ ہوتا چلا گیا اور آج تک دنیا میں جتنے اس کتاب کے حافظ ہیں اتنے

کسی اور کتاب کے نہیں۔ پھر اگر یہ غلطی ہوتی تو فوراً عیاں ہو جاتی کہ پہلے چھ دن تھے
اب خود ہی گن رہے ہیں تو آٹھ آ رہی ہے۔ جی نہیں۔ اس کو کسی بھی دور میں غلطی کہہ کر
گیا۔ نہ ہی یہ غلطی ہے۔ یہ غلطی صرف اس طرح کی ہے جس نے حساب کرتے وقت ان آیات
گزشتہ سات آیات کو قطعاً نظر انداز کر دیا اور زمین کے دو دن الگ گنے اور آسمان کے
دن الگ۔ جبکہ حقیقت میں زمین اور آسمان کی پیدائش کے لئے دو دن کا ذکر کیا گیا ہے
یعنی صورت حال یوں ہے کہ سات مختلف مقامات پہ قرآن زمین و آسمان
پیدائش کی مدت چھ دن بتاتا ہے اور سورہ فصلت میں تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ زمین دو دنوں کی مدت میں تخلیق ہوئی۔

۲۔ زمین میں موجود چیزیں چار دن کی مدت میں تخلیق ہوئیں۔

۳۔ زمین و آسمان دو دن کی مدت میں تخلیق ہوئے۔

اب یہاں سے یہ منطقی مغالطہ جنم لیتا ہے کہ جن دو دنوں کی مدت میں زمین تخلیق
ہوئی ان میں کچھ اور تخلیق نہ ہوا ہوگا جبکہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ کی تخلیق کے لئے
سے مراد بس ایک لفظ "کن" ہے۔ اللہ صرف ارادہ کرتا ہے مشقت نہیں کرتا۔ اور جب ان
کی اگلی آیات میں یہ بات واضح ہو چکی کہ زمین و آسمان ایک ساتھ تخلیق ہوئے تو کہنے
والے کو کم از کم اتنی سمجھداری کا ثبوت ضرور دینا چاہئے کہ یہ دو دن پچھلی آیات میں زمین کے
لئے بیان کردہ دو دنوں سے الگ کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کے پاس چھ دن میں زمین و
آسمان کی تخلیق کی سات مختلف آیات بھی موجود ہوں؟

اس منطقی مغالطے کی ایک وجہ یہاں استعمال ہونے والا لفظ "ثم" بھی ہے جو
عربی میں زیادہ تر "پھر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی "اس کے بعد"۔ مگر یہاں
اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ نہ صرف عربی کا لفظ "ثم" بلکہ اردو کا لفظ "پھر"
دونوں لفظ "مزید" یا انگریزی کے لفظ "further" کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔
مثلاً

"میں صبح نو بجے آفس جاتا ہوں اور شام چھ بجے واپس آتا ہوں پھر میں بیچ میں چائے بھی لے لیتا ہوں پھر جو لنچ کا وقفہ ہے سو وہ الگ۔"

اس جملے میں لفظ "پھر" اگر آپ ترتیبی معنوں میں یا "اس کے بعد" کے معنوں میں استعمال کریں گے تو الجھ جائیں گے۔ لہٰذا یہاں اس کا ترجمہ "مزید" کے معنوں میں کیا جائے گا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن عقل والوں کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ تو جو لوگ عقل رکھتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات سے کیا مراد ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سمجھانے سے سمجھ جاتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو سمجھنے کے باوجود بھولے بن جاتے ہیں اور اپنے آپ کو خبط الحقل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ سب کو عقل و ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

○

قرآن کی زبان

قرآن کی زبان عربی کیوں ہے؟
قرآن کسی اور زبان میں کیوں نازل نہ ہوا؟
کیا اللہ تعالیٰ کو صرف عربی زبان آتی تھی جو قرآن کو عربی میں نازل کیا؟
یہ وہ سوالات ہیں جو راست کو مجھ سے پوچھے گئے۔

"قرآن کی زبان عربی کیوں ہے؟ کیا خدا صرف عربی جانتا ہے؟"

یہ سوال ایسا ہے کہ کچھ غور کر لیا جائے تو خود ہی سمجھ آ جاتا ہے۔ کیا اللہ کا نزول صرف قرآن کے نزول کا ہے؟ جی نہیں۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں قرآن وہ واحد کتاب ہے جو عربی زبان میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے انجیل نازل ہوئی۔ اس سے پہلے زبور، اس سے پہلے توریت۔ پھر جتنے انبیاء آئے سب پر صحیفے بھی نازل ہوئے۔ کیا یہ سب کچھ عربی میں یا کسی ایک زبان میں نازل ہوا؟ اصول یہ نہیں کہ نازل کرنے والا کون سی زبان جانتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جس پہ نازل کیا جا رہا ہے وہ کون سی زبان جانتا ہے۔ نبی کا کام صرف اپنے پہ نازل کردہ کتاب کو لوگوں تک پہنچا دینا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو پڑھ کر سنانا، لوگوں کو اس کی بابت سمجھانا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر جس نبی پہ کتاب نازل کی جا رہی ہو وہ اس زبان سے واقف ہی نہ ہو جس زبان میں کتاب نازل کی جا رہی ہے تو پڑھ کر کیسے سنائے گا؟ سمجھائے گا کیسے؟

نزول کی زبان کا تعلق نازل کرنے والے کی زبان سے نہیں بلکہ جس پہ نازل

[illegible] وزن سے عاری ہے۔

اب اعتراض منطقی طور پر یہ نہیں کہ اللہ کی زبان کیا ہے؟ بلکہ یہ ہے کہ قرآن عربی میں ہی کیوں ہے؟ انگریزی میں کیوں نہیں؟ فرانسیسی میں کیوں نہیں؟

اس اعتراض میں بھی کوئی وزن نہیں۔ کیوں کہ جو اعتراض عربی پر ہے وہ انگریزی اور فرانسیسی پر بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ پھر یوں کہنا کہ کیا اللہ کو صرف عربی زبان آتی ہے، اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ جتنی زبانیں اللہ کو آتی ہیں اتنی ہی زبانوں میں قرآن کا نزول ہونا چاہیے تھا؟

اب اس پر بات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بلاشبہ دنیا کی ہر بولی جانے والی زبان سے واقف ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ جتنی بھی مخلوقات اللہ نے پیدا کی ہیں ان سب کے دلوں کے حال تک سے واقف ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ تخلیق سے خالق ہی نہ واقف ہو تو کون واقف ہوگا؟

تو کیا قرآن کو دنیا کی ہر زبان میں نازل ہونا چاہیے تھا؟ کیسے؟ کس نبی پر؟ کیا پوری تاریخ میں کوئی ایک بھی انسان ایسا گزرا جو ہر زبان سے واقف ہو؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی نبی پر دنیا کی ہر زبان میں قرآن نازل ہو جاتا۔ اپنی زبان والا قرآن تو وہ سمجھ بھی سکتا تھا سمجھا بھی سکتا تھا۔ باقی زبانوں میں نزول شدہ آیتوں کا کیا کیا جاتا؟

ایک صورت یہ سمجھ آتی ہے کہ اپنی زبان والا قرآن اپنے پاس رکھ لیا جاتا اور باقی زبانوں کے قرآن ان زبانوں کو بولنے والوں کو بھجوا دیا جاتا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اسے پڑھ کر اس پر ایمان لے آؤ۔ اس سے کیا ہوتا؟ کیا ساری دنیا اپنی اپنی زبانوں میں نازل شدہ قرآن پر ایمان لے آتی؟ قرآن عربی زبان میں ایک عرب باشندے پر [illegible] کو ایک طویل عرصے تک سمجھانا پڑا۔ ایک طویل اور تکلیف دہ جدوجہد کی ۲۳ [illegible] کامیابیاں ملیں جو آج دنیا کے سامنے ہیں۔ حالانکہ قرآن کو سمجھ کر سمجھنے...

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خود موجود تھا۔ وہاں کیا ہوتا جہاں محض ان کی زبان کا ایک نسخہ بھیجا جاتا کہ اس کو پڑھ کر خود ہی سمجھ لیتا؟

آگے چلتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ نبی بھی ایک نہ ہوتا بلکہ ہر زبان کا قرآن ہر زبان بولنے والے الگ الگ شخص پہ نازل کیا جاتا۔

سبحان اللہ۔ جن خاتون نے اعتراض اٹھایا ان کے اعتراض کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کو سمجھ نہ پانے کی وجہ سے فرقہ واریت پھیلتی ہے۔ ہر فرقہ اپنی اپنی مرضی کا مطلب نکالتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو کتب اس سے پہلے نازل ہو چکیں۔ جو مختلف زبانوں میں مختلف قوموں کے انبیاء پہ نازل ہوئیں۔ ان میں اور مسلمانوں میں کیا اختلاف نہیں؟ بنیادی پیغام تو ہر کتاب کا ایک ہی ہے۔

آج تو صورت حال یہ ہے کہ مسلمان ایک اللہ ایک قرآن اور ایک رسول کے نام پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں ایک دوسرے خطے میں بسنے والے اہل قرآن میں آپس میں وہی فرق ہوتا جو عیسائیوں میں اور مسلمانوں میں ہے۔ یا جو یہودیوں اور مسلمانوں میں ہے۔ پھر یک جہتی یا اتحاد کس بات پر ہوتا؟ قرآن الگ نبی الگ! قبلہ کعبہ بھی سب کے الگ الگ ہوتے۔ ہم مکہ کیوں جاتے؟ مکہ کی طرف رخ کر کے نماز کیوں پڑھتے؟ اردو بولنے والوں کا کعبہ کراچی میں ہوتا اور پنجابی بولنے والوں کا لاہور میں؟

بلاشبہ اس وقت دنیا میں فرقہ واریت ہے۔ ہم میں حنفی ہیں شافعی ہیں مالکی ہیں حنبلی ہیں دیوبندی ہیں بریلوی ہیں اہل حدیث ہیں۔ مگر اس صورت میں کیا ہوتا؟ ہم پنجابی مسلمان ہوں یا پٹھان مسلمان یا گجراتی مسلمان یا انگریز مسلمان؟

سوال پوچھنے والی خاتون کو یاد دلاؤں کہ فرقہ واریت پہ ہی تو یہ اعتراض اٹھ ر

ب جو صورت حال سامنے آئے گی وہ تو فرقہ واریت سے زیادہ خطرناک ہیں۔ آج ہمیں
اہم ہے کہ ہم ایک قرآن ایک رسول کے نام پر بھی نہ کبھی اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ مگر سب کا
قرآن الگ رسول الگ پھر تو اتحاد ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا جو بہترین صورت ممکن تھی وہ یہی تھی کہ
ایک نبی ہو اور جو اس کی زبان ہو اس میں قرآن نازل کیا جائے۔ پھر بے شک دنیا بھر کی
زبانوں میں اس کا ترجمہ کر دیا جائے۔ وہ نبی اس کتاب کو لوگوں کو پڑھ کر سنائے۔ ان کو
سمجھائے اور ایک بہترین معاشرہ تشکیل دے۔

پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آج جن مسائل سے دنیا دو چار ہے
اس کا تمام حل اپنی مکمل وضاحتوں کے ساتھ آسمان سے ہی اتر جانا چاہیے تھا من وسلویٰ کی
طرح۔

اس موضوع کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہدایت بالرضا کی
ہے نا کہ ہدایت بالجبر کی۔

اس کی مثال یوں لیجیے کہ ایک شخص کے چار بچے ہیں۔ وہ گھر میں پھل لے کر آتا
ہے۔ اب بچوں کے سامنے وہ پھل پیش کرنے کے دو طریقے ہیں۔

یا تو وہ ان پھلوں کو برابر تقسیم کر کے ہر بچے کو اس کا حصہ دے دے۔

یا پھر وہ سارے پھل بچوں کے سامنے رکھ دے اور دیکھے کہ کون سا بچہ از خود
نصف سا اپنے حصے کا پھل کھاتا ہے اور کون سا لالچ اور طمع میں پڑ کر اپنے حصے سے زیادہ
اٹھاتا ہے۔

ہمیں اپنی جگہ بیٹھ کر پہلی صورت زیادہ بہتر نظر آتی ہے کہ ہر بچے کو اس کا حصہ ملے
نہ کوئی جھگڑا نہ فساد۔ اگر مقصد صرف بچوں کو پھل کھلانا ہو اور اس کے سوا کوئی اور مقصد نہ
ہو تو پہلی صورت واقعی بہترین ہے۔ مگر کیا اللہ تعالیٰ نے بھی یہ دنیا ہمیں اپنی نعمتوں سے
نوازنے کے لیے بنائی ہے بس؟ کوئی اور مقصد نہیں اس کا؟

دوسری صورت اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ہر بچے کی نفسیات نہ صرف پتہ چل

جائے گی بلکہ اس کے خلاف اس کو سمجھانے یا سزا دینے کی خاطر آپ سے جو [illegible]
ایک ثبوت ہوگا۔

شاید آپ کو اس تجربے کے بغیر بھی اندازہ ہو کہ آپ کا کون سا کھولونی [illegible]
شکار ہے۔ مگر اگر آپ ساری زندگی پہلی صورت اختیار کیے رکھیں تو سزا دینا تو دور آپ [illegible]
سمجھا بھی نہیں سکتے۔ اس کو راہ راست پہ ہی نہیں لا سکتے۔ سدھار ہی نہیں سکتے۔ وہ [illegible]
کر دے گا کہ میں نے کیا کیا ہے؟ میرا قصور کیا ہے؟ جو پھل میرے حصے کا آپ [illegible]
وہی تو کھاتا ہوں اس میں لالچ کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کی خاطر بنائی ہے۔ اس لیے ممکن ہے اللہ [illegible]
بہت سی ایسی پالیسیز ہوں جن سے ہمیں اختلاف ہو۔ ہمیں لگے کہ یہ ہمارے لیے [illegible]
نہیں۔ مگر اللہ کو زیادہ پتہ ہے کہ اس نے یہ دنیا کیوں بنائی ہے۔ انسان آپس میں [illegible]
کرے گا۔ فساد پھیلائے گا۔ زیادہ سے زیادہ کیا کر لے گا؟ ایک انسان دوسرے [illegible]
ڈالے گا؟ اللہ کو پتہ ہے کہ اللہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے لہٰذا وہ نقصان جس کو ہم نقصان
سمجھتے ہیں وہ اللہ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ اس سے دو انسان (قاتل
اور مقتول) آزما لیے جائیں گے۔

○

کیا عورت ناقص العقل ہے؟

کیا عورت ناقص العقل ہے؟

کیا ان کے دین میں نقص ہے؟

اگر ایسا ہے تو وہ اس سلسلے میں کر کیا سکتی ہیں جبکہ یہ بات فطرتاً ان میں شامل کر دی گئی؟ پھر ان کے جہنم میں جانے میں ان کا کیا قصور؟

یہ کچھ سوالات ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔

جس حدیث سے یہ بات اخذ کی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ عورتوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ، ایسا کیوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے، میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنادینے والا نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقصان کیا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی، مرد کی گواہی سے نصف نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہی اس کی عقل کا نقصان ہے۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عور

حائضہ ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے، نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟ عورتوں نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب: ترک الحائض الصوم، حدیث: 905)

اس حدیث سے درحقیقت مومنہ خاتون کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آپ کے پیغمبر ہی آپ کو صاحب عقل نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف تحریف اور غلط تاویل ہے۔

یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ عربی زبان میں ناقص سے مراد عیب نہیں لیا جاتا بلکہ کمی لی جاتی ہے۔ جس کی ایک مثال حدیث میں ہی بیان ہو گئی کہ عورت حیض کے ایام میں عبادات سے دور رہتی ہے لہٰذا اس کو عبادات کے اتنے مواقع میسر نہیں جو مرد حضرات کو ملتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ناقص العقل ہر عورت کو قرار نہیں دیا گیا بلکہ محض اکثریت کی کثرت کی بات کی گئی ہے۔

اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ اگر میں کہوں کہ امریکہ میں امریکی رہتے ہیں، تو یہ بات سچ ہونے کے باوجود امریکہ میں تمام رہنے والے پر لاگو نہیں ہو گی۔ کیوں کہ امریکہ میں امریکیوں کے علاوہ دوسری قومیں بھی آباد ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہاں امریکی رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اس حدیث کا مقصد عورت کو احساس کمتری میں مبتلا کرنا نہیں بلکہ ان کو اس کمی کو دور کرنے کا ایک طریقہ بتانا ہے۔

پہلا طریقہ۔ عورتیں لعن طعن کرتی ہیں۔ لہٰذا وہ اس معاملے میں احتیاط کریں تو یہ کمی دور ہو جائے گی۔

دوسرا طریقہ۔ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ ساری زندگی اس کی کمائی کھاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تم نے ہمیں کس بھلا ہی کیا ہے؟ اس کمی کو دور کیا جائے۔

بہرحال تم کثرت سے صدقہ کیا کرو۔

یہاں نقص کا حل بتایا گیا ہے جن سے یہ نقص دور کیا جا سکتا ہے۔

اس نقص کی مثال ایک ایسے شاگرد کی سی ہے جو سال میں دو مہینے بیمار رہنے کی وجہ سے مکمل نہیں پڑھ پاتا۔ امتحان سے پہلے اس کا استاد اسے خصوصی نصیحت کرتا ہے کہ تمہیں باقی طلبہ کی نسبت محنت کی ضرورت ہے کیوں کہ تمہاری تعلیم میں نقص آ چکا۔ تم دو مہینے اسکول ہی نہیں آئے اب اگر دوسروں سے زیادہ محنت کرے گا تو آگے نکلے گا۔

مگر عورتوں کو یہاں زیادہ محنت کی تلقین بھی نہیں کی گئی۔ جن نمازوں اور روزوں سے وہ محروم رہیں ان کی کسی صورت جان نہیں چھوٹنی عورتیں اس حدیث پر عمل کر کے محض صدقہ دے کر ان نمازوں اور روزوں کے (جو مخصوص ایام میں ضائع ہوئے) مردوں سے آگے نکل جائیں۔ کس نے روکا ہے؟ اس قسم کی آفر مردوں کو کی جاتی تو شاید وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ کیوں کہ صدقے کی کم سے کم حد کھجور کا آدھا ٹکڑا ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہم قرآن میں سورہ مریم کی تلاوت کریں اور ہر عورت کو کمتر سمجھیں؟

کیا مریم علیہا السلام کی فضیلت قرآن میں بیان نہیں ہوئی؟

فرعون کی بیوی آسیہ؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا؟

کیا ہی اگر خواتین بجائے اس حدیث سے اپنی کمتری کے احساس کو اخذ کرنے کے اس حدیث پر ایسا ہی عمل کر لیں جیسا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب نے کیا؟

صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1462 جو اسی حدیث کا اگلا تسلسل ہے اس میں بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یہ نصیحت کر کے گھر پہنچے تو انہیں اطلاع دی گئی کہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب تشریف لائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تا...
تو بتایا کہ آپ نے صدقے کا اعلان کیا تھا۔ اسی سلسلے میں کچھ زیور ہے کہ ...
کیا یہاں عقل استعمال نہیں ہوئی؟

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے برابر نہیں ...
بھی انسان کو دوسرے انسان کے برابر نہیں بنایا۔ قوموں کی ذہانت میں فرق ...
بے شک اللہ نے مردوں کو خواتین سے طاقت، عقل اور فیصلہ سازی میں برتری ...
کیا اس کو مجموعی برتری کہا جا سکتا ہے؟

ایک خاتون اپنے بچے کی جس طرح تربیت کرتی ہے۔ اس سے محبت کرتی ...
اس کے لئے قربانیاں دیتی ہے۔ اس کی نیند کی خاطر اپنی نیند خراب کرتی ہے ...
تربیت کر کے اس کو معاشرے کا ایک کارآمد مرد بناتی ہے۔ کیا یہ کام مرد بھی اسی خوبی
کے ساتھ کر سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی مرد دنیا کے جتنے مرضی بڑے رقبے پر حکمرانی کرے ...
کو رفع حاجت کے بعد طہارت حاصل کرنے کا طریقہ بچپن میں اس کی ماں یعنی ایک ...
ہی سکھاتی ہے۔

اس اصول کو ذہن میں بٹھا لیں کہ اللہ نے جس کو جس مقصد کے لئے پیدا ...
اس کو اسی مناسبت سے صلاحیتیں بھی دی گئی ہیں۔

سورج اور چاند میں سے کیا بہتر ہے؟

ان میں سے کیا زیادہ مفید ہے ہمارے لئے؟

سورج گرم مزاج اور چاند ٹھنڈا، مہربان۔

دونوں ضروری ہیں اور دونوں ویسے ہی ہیں جیسا اللہ نے ان کو بنایا۔

آئیے چلیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مرد نہیں بہک سکتا؟ کیا اسے جنس اپنی ...

بیوی کا اپنی فرینڈ لسٹ میں ایڈ کرنا چاہیے۔

بالکل کرنا چاہیئے۔ بلکہ مرد حضرات کے اکاؤنٹ پہ تو ان کے سارے رشتے دار پڑے ہوتے ہیں۔ کیا بیوی اور کیا ماں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہاں ترجیت مرد وزن کی برتری سے کی جائے گی یا رشتے کی برتری سے؟

مثال کے طور پر ایک باپ اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ کی نگرانی کرتا ہے تو کیا بیٹی کو بھی باپ کی نگرانی کرنی چاہیئے؟ اگر ایک ماں یعنی کہ عورت اپنے بیٹے یعنی کہ مرد کی نگرانی کرتی ہے تو کیا بیٹے کو بھی ماں کی نگرانی کرنی چاہیئے؟

فرض کیجیئے کہ بیٹی باپ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیتی ہے تو اب آگے کیا کیا جائے؟ بیٹی کے ہاتھ میں جوتا پکڑا دیا جائے اور باپ کا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا جائے؟

بات وہ کرنی چاہیئے جس کا کوئی سر پیر ہو۔ صرف ایک میاں بیوی کے رشتے کو بنیاد بنا کر احمقانہ گفتگو کرنے والی خواتین کو یہ بھی بتانا چاہیئے کہ جب ایک ماں صرف اپنے رشتے کی برتری کے احساس تلے اپنے بیٹے کے منہ پر تھپڑ مارتی ہے تو کیا اس سے مرد ذات کی تذلیل ہو جاتی ہے؟

جس طرح ماں کا رشتہ بیٹے سے برتر ہے باپ کا رشتہ بیٹی سے برتر ہے۔ بالکل اسی طرح شوہر کا بیوی سے برتر ہے۔ جس کو نہیں تسلیم وہ طلاق لے اور این جی او بنا کر بیٹھ جائے۔ دنیا بھر کی طلاق یافتہ خواتین یہی کام کرتی ہیں۔

دنیا کے ہر نظام میں ایک کے اوپر ایک نظام بنایا جاتا ہے۔ عوام کے اوپر پولیس، پولیس کے اوپر اینٹی کرپشن ڈیپارٹمنٹ۔ مگر عوام صرف شکایت کرنے کی مجاز ہوتی ہے نہ کہ براہ راست سزا یا تصادم کا راستہ اختیار کرے۔

اسلام میں بھی ایک کے اوپر ایک نظام موجود ہے۔ اس نظام میں سب سے اوپر شارع ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

○

خواتین اور اسلام

دین اسلام کے بارے میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خواتین کے حقوق کا تحفظ نہیں کرتا یا اس میں مردوں کی اہمیت تھوڑی زیادہ ہے۔

یہ اعتراض عموماً غیر مسلموں اور خصوصاً الحاد کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

اس الزام میں کتنی حقیقت ہے اور الزام لگانے والے اس کے لئے کیا متبادل نظام رکھتے ہیں۔ اس پر بات کرتے ہیں۔

سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ اسلام عورت اور مرد کو برابر نہیں کہتا۔

یہ اعتراض ایک مرتبہ ایک ملحد نے میرے سامنے کیا تھا۔ میری عادت نہیں کہ میں کسی کی حق بات کی تکفیر کر کے باطل کا دفاع شروع کر دوں۔ میرا ماننا ہے کہ حق صرف اور صرف سچ کا جو چاہے کسی ملحد کے منہ سے نکلے۔ انہوں نے کہا اسلام عورت و مرد کو برابر نہیں کہتا۔ یہ بات مجھے سچی لگی۔ میں نے فوراً تسلیم کر لی۔

مگر پھر یہ پوچھنا میرا حق تھا کہ کیا سائنس عورت اور مرد کو برابر تسلیم کرتی ہے؟ کوئی دوسرا مذہب عورت اور مرد کو برابر کہتا ہے؟ کوئی ایسا علم یا کوئی ایسی منطق جس کے مطابق عورت اور مرد برابر ہوتے ہوں؟

ایک اعتراض کی بنیاد پر مجھے میرا دین چھوڑنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے کہ اس دین میں عورت اور مرد برابر نہیں ہوتے لہٰذا اسے چھوڑ دو تو کیا میرا حق نہیں بنتا یہ پوچھنا کہ اس کے بدلے متبادل کیا ہے؟ کیا الحاد میں عورت اور مرد برابر ہوتے ہیں؟

تی ہے۔ جتنی خوبصورت عورت اشتہار میں ہوگی پراڈکٹ اتنی زیادہ بکے گی۔ اور اس پروڈکٹ سے بھی پہلے بکے گی وہ عورت۔ کچھ رقم کے عوض اس کا خوبصورت چہرہ، اس کے خوبصورت نسوانی اعضاء بازار میں ایک ٹی وی اشتہار کے ذریعے نمائش میں رکھ دیے جائیں گے۔ مرد اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر اس عورت کے جسمانی اعضاء کو اپنی نظروں سے تولیں گے۔ اس عورت کی خوبصورتی کی آڑ میں کمپنی اپنا پراڈکٹ بیچے گی۔

لہٰذا میں سیرت ابن ہشام سے ضعیف احادیث لے کر بھولے بھالے مسلمانوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کی منڈی میں مسلمان لونڈیوں کے جسم تولتے تھے۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کون سی منڈی ہے جس میں ایک خوبصورت عورت کو بے ہودہ کرکے باتھ ٹب میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس کی ویڈیو بنا کر ساری دنیا کے سامنے اس کو نیلام کیا جاتا ہے اور بیچ کیا رہے ہیں؟ ایک دو ٹکے کا صابن؟

پھر یہ منظر دنیا کو صرف ایک بار نہیں دکھایا جاتا۔ بلکہ ہر تھوڑی دیر بعد آپ کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ آپ کو یاد رہے۔ عورت کی یہ تذلیل ہر تھوڑی دیر بعد ہوتی جاتی ہے۔ عورت کو اس کے عوض جو رقم ملتی ہے وہ کتنے دن چلتی ہے؟ رقم ختم ہو جاتی ہے مگر عورت کی بے عزتی ختم نہیں ہو سکتی۔ اب عورت لاکھ کپڑے پہنتی پھرے مگر دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں اس کی برہنہ ویڈیو چلتی رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ عورت قبر میں جا پہنچتی ہے مگر برہنہ ویڈیو دنیا کے پاس محفوظ رہتی ہے۔

یہ ہے وہ گھناؤنا کاروبار جس کے فروغ کے لئے مسلم خواتین کے پردے پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ برابری کے مصداق کیا مرد عورت کو سیدھا سادھا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا؟

اس کا جواب تو تجربے سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایک مرد کا پردہ ناف سے گھٹنوں تک کا جسم ہے۔ اس پردے کے ساتھ اس کی تصویر پھر کسی مزی کو بھجوا دیں اور پوچھیں اس کی کیا قیمت ہے۔

جواب آئے گا کہ ٹکے جتنی بھی نہیں۔

مگر اتنے ہی لباس میں کسی خاتون کی تصویر بھجوا دیں اور منہ مانگے دام وصول لیں۔

کیا یہ فرق کافی نہیں؟

ان عقل کی اندھیوں کو کوئی سمجھائے کہ سیکڑوں سال پرانی لونڈیاں بھی برہنہ تھیں تو کبھی دوبارہ ان کا جسم ڈھک بھی دیا جاتا تھا۔ ان کا مالک صرف ایک شخص ہوتا تھا مگر جن لونڈیوں کا ذکر میں آج کر رہا ہوں وہ جب برہنہ ہوتی ہیں تو ہمیشہ کے لیے۔ اب وہ گھر والوں کے سامنے اپنی کمائی سے مہنگے مہنگے کپڑے پہن کر گھومیں۔ جس کا دل چاہتا ہے جب دل چاہتا ہے ان کو ایک کلک پہ دوبارہ ننگا کر دیتا ہے۔ ان کے ننگے جسم کے کاپی رائٹس کسی اور کمپنی کے پاس محفوظ ہوتے ہیں۔ دنیا کا ہر شخص ان کے جسم کا مالک ہوتا ہے سوائے ان کی اپنی ذات کے۔

برابری کا نعرہ لگانے والی اور پردے پہ اعتراض کرنے والی خواتین جن مغربی ممالک سے متاثر ہیں وہاں ریپ کیسز کی تعداد ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ وہاں کی خاتون کا سامنے میں ریپ ہو جائے تو پہلے چیختی ہے، چلاتی ہے۔ پھر جب وہ محسوس کرتی ہے کہ کوئی توجہ نہیں تو صرف اتنا اطمینان کرتی ہے کہ کسی نے دیکھا تو نہیں؟ پھر کپڑے جھاڑ کر گھر چلی جاتی ہے۔ گھر میں ماں پوچھتی ہے کیا ہوا؟ تو جواب ملتا ہے کہ کچھ نہیں بس کیلے کے چھلکے سے پیر پھسل گیا تھا۔ سبحان اللہ۔

اور بیچاری کرے بھی کیا؟ عدالت جائے؟ کیس کرے؟

جہاں برابری کا نعرہ لگا دیا جائے وہاں انصاف بھی برابر ملتا ہے۔

کہتے ہیں خربوزہ چھری پہ گرے یا چھری خربوزے پہ۔ کٹنا خربوزہ ہی ہے۔

نے رہبری کے اصول پر یہ فیصلہ سنا دیا کہ جس طرح اس مرد نے تمہاری عزت لوٹی ہے بالکل اسی طرح تم بھی بھری عدالت میں سب کے سامنے اس مرد کی عزت لوٹ لو تو کیا ہوگا پہلے جو ہوا وہ تو سنانے میں ہوا۔ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ اب بھری عدالت میں

حرج کیا ہے؟ آخر مرد اور عورت برابری تو ہیں؟

بہتر یہ ہے کہ اپنی عقل لڑانے کے بجائے اپنے خالق کے فیصلے پر سر تسلیم خم کیا جائے۔ خالق کائنات ہم سے بہتر جانتا ہے کہ مرد اور عورت کے جسم میں سے کس کو کتنے حصے کو ہم چھپانا ضروری ہے۔ اسی مناسبت سے احکامات دیے گئے ہیں۔

عورت کی وراثت بھی سمجھ لیں۔

سورۃ النساء۔ آیت 33

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

"مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لیے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کردو اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بےشک خدا سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے ۳۴"

نفع میں سے کون تم سے زیادہ قریب ہے، یہ حصے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۱۱ اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں۔ اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا۔ اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا حصہ چوتھائی۔ (لیکن یہ تقسیم) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمے ہو، کی جائے گی) اور جو مال تم (مرد) چھوڑ مرو۔ اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ۔ اور اگر اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو اور (ادائے) قرض کے (بعد تقسیم کئے جائیں گے) اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اس کے بھائی بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ حصے بھی ادائے وصیت و قرض بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کئے جائیں گے) یہ خدا کا فرمان ہے۔ اور خدا نہایت علم والا (اور) نہایت حلم والا ہے ۱۲"

سورہ النساء کی آیت نمبر 11 اور 12 میں وراثت کی تقسیم بتائی گئی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔

مگر کیوں؟ کیا مرد اور عورت کا حصہ برابر نہیں ہو سکتا تھا؟

اگر آپ اس معاملے کو گہرائی میں جا کر پرکھیں تو محسوس ہوگا کہ عورت کا حصہ آدھا ہونے کے باوجود مرد سے زیادہ ہے اور مرد کا حصہ دگنا ہونے کے باوجود عورت سے کم ہے۔

سورہ النساء کی آیت نمبر 11 اور 12 سے پہلے میں نے سورہ النساء کی آیت نمبر 33 بھی پیش کی ہے۔ اس کو پڑھنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ حقوق و فرائض کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

مثلاً اگر میں دو میں سے ایک شخص کو سو روپے دوں اور دوسرے کو پچاس روپے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں نے دوسرے کو آدھا دے کر اس کا حق مارا۔ مگر

پوری نہیں کی جا سکتیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم عورت کے وراثتی حقوق اسلامی معاشرے سے لیتے ہیں اور عورت کے فرائض اہل مغرب سے اٹھالاتے ہیں۔

یقیناً مغرب میں عورت مرد کے ساتھ ہر معاملے میں پچاس فیصد کی شریک ہوتی ہے۔ اس کا حق ہے کہ باپ کی جائداد میں سے اسے پچاس فیصد حصہ ملے مگر اس کا فرض بھی ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر گھر کا آدھا بوجھ بھی اٹھائے۔ اگر گھر کا کرایہ ہزار ڈالر ہے تو اس میں سے پانچ سو ڈالر عورت بھی ادا کرے گی ورنہ وہ شوہر کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہو گی۔ شوہر کو حق حاصل ہوگا کہ اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ گھر کے باقی ماندہ اخراجات جن میں کھانا پینا کپڑے بچوں کے اخراجات ہر قسم کے۔ غرض جو بھی گھر کے اخراجات ہوں گے اس میں بیوی اپنا پچاس فیصد حصہ ڈالے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اتنا پیسہ لائے گی کہاں سے؟ باپ کی جائداد میں سے کتنا حصہ مل گیا ہوگا؟ جہاں سے مرضی لائے۔ جاب کرے۔ سڑکیں کھودے۔ لوگوں کا مال ڈھوئے۔ یہ مرد کا مسئلہ نہیں ہے۔

اسلام عورت کو ایسی مشقت بھری زندگی نہیں دیتا۔ اللہ نے عورت کو فطرتاً کمزور بنایا ہے اور مرد کو طاقتور۔ اسی فرق کی بناء پر فرائض لاگو کیئے ہیں اور اسی فرق کی بناء پر حقوق بھی دیئے ہیں۔

اب بات کرتے ہیں عورت کی گواہی کی۔

سورہ البقرہ۔ آیت 282

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　　　　　　　　　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- ❖ گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- ❖ گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- ❖ کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ❖ ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- ❖ اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- ❖ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضی، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پر اپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- ❖ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- ❖ عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- ❖ **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- ❖ اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　　　　　　　　　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا
تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا
يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

''مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس
کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے
والا جیسا اسے خدا نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو
شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور خدا سے کہ اس کا مالک ہے
خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف
ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون
لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو۔ اور اگر دو مرد
نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک
بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔ اور جب گواہ (گواہی کے لئے طلب کئے
جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے میں کاہلی نہ
کرنا۔ یہ بات خدا کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لئے بھی یہ بہت
درست طریقہ ہے۔ اس سے تمہیں کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر سودا
دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر
کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب دستاویز اور گواہ
(معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح نقصان نہ کریں۔ اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے

یہ کمال کی بات ہے۔ اور خدا سے بالا صرف (بھوک) وغیرہ (یعنی منفی باتیں) کیا ہے۔
بلکہ فطرت کے خلاف ہے ۲۸۲"

یہ ہے وہ قرآنی آیت جس سے عورت کی آدھی گواہی کا حکم اخذ کیا گیا ہے۔ مگر آپ اگر غور کریں تو یہاں ایک کاروباری لین دین کی بات ہو رہی ہے نا کہ کسی اور معاملے کی۔ یہ بات میں پہلے عرض کر چکا کہ عورت پر معاش کی ذمہ داری نہیں کی گئی۔ لہٰذا یہ معاملہ چونکہ عورت کی دلچسپی سے باہر کا معاملہ ہے آیت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کر لیا کہ عورتیں شاید کمزور ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ سائنسی لحاظ سے بھی یادداشت کا تعلق انسان کی دلچسپی اور عدم دلچسپی کے امور سے ہوتا ہے نا کہ دماغ کی کمزوری سے۔ آپ کسی سائنسدان سے اس کی مشکل ترین تھیوری جو زبانی سن سکتے ہیں۔ مگر اس سے یہ پوچھیں کہ اس نے کھانے میں کیا کھایا تھا تو وہ سوچ میں پڑ جائے گا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت بھی اس کی دلچسپی کھانے کے بجائے اپنی تھیوری میں ہوتی ہے۔

یہی معاملہ عورتوں کے ساتھ ہے۔ کاروباری معاملے عورت کی دلچسپی کے موضوعات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہاں دو عورتوں کی بات کی گئی ہے۔ اس کا اطلاق باقی معاملات پر نہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ عورت حکمران یا امام نہیں بن سکتی۔

اس میں پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ یہ دونوں عہدے فرائض میں آتے ہیں حقوق میں نہیں آتے۔ یعنی کوئی شخص اس کو بطور حق قبول نہیں کرتا بلکہ اس کو ایک فرض سمجھ کر نبھایا جاتا ہے۔ ان تینوں معاملات میں عورت کی تحقیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ [illegible] سے آج کل حکمرانوں کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ انہیں کتنے لوگوں کی تکلیفوں کا حساب دینا ہے تو وہ حکومت چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جائیں اور باقی ماندہ زندگی عبادات میں صرف کریں۔ یہ کوئی تحفہ نہیں ہے جو مرد کو دے دیا گیا اور عورت محروم رہ گئی۔ یہ ایک ذمہ داری

ہے کہ جس کو نہ ملے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

دوسری قباحت اس میں یہ ہے کہ حکمران اور امام کی ذمہ داریاں عورت کی فطر
شرم و حیا اور پردے کے احکامات سے متصادم ہیں۔ حکمران سے ملنے والے لوگوں کی تعد
کم نہیں ہوتی۔ کسی دوسرے ملک کے حکمران سے اپنے ملک میں ملنا یا باہر جا کر خطاب
اپنی قوم سے ملنا ملانا۔ جنگ ہو جانے کی صورت میں بطور لیڈر اگلی صفوں میں لڑنا۔

اسلام میں حکمران کا تصور کسی محل اور کرسی کے گرد نہیں گھومتا۔ گھوڑے کی پیٹھ
اور تلواروں کے سائے میں حکمرانی کرنی پڑتی ہے۔ محل اور کرسی نے تو آج امت مسلمہ
اس حال میں پہنچایا ہے۔

یہ تمام کام صنف نازک کے لئے زحمت ضرور بن سکتے ہیں مگر رحمت ہرگز نہیں۔

○

کم عمری میں نکاح

1939 میں پیرو کے ایک ہاسپٹل میں ایک پانچ سالہ بچی لائی گئی جس کے متعلق
سمجھا گیا کہ اس کے پیٹ میں رسولی ہے۔ ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد جو انکشاف کیا اس
نے ماں باپ کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔

She's pregnant

یہ بچی حاملہ ہے۔

اس انکشاف نے سائنس کی دنیا کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔ Lina medina نامی
اس بچی نے ایک صحت مند بچے کو جنم دیا اور دنیا کی کم عمر ترین ماں بننے کا ریکارڈ بنا ڈالا۔

جس وقت وہ ماں بنیں اس وقت ان کی عمر پانچ سال سات مہینے اور اکیس دن
تھی۔ آپ شائد سوچ رہے ہوں گے کہ لینا ماں بنتے ہوئے انتقال فرما گئی ہوں گی؟ جی
نہیں۔ لینا آج بھی 83 سال کی عمر میں حیات ہیں۔ ان کا وہ بیٹا اس دنیا میں 40 سال کی
زندگی گزارنے کے بعد وفات پا چکا۔

ڈاکٹرز کے مطابق Lina medina تین سال کی عمر میں ہی بالغ ہو چکیں تھی اور
ان کے حیض والے معاملات کا آغاز ہو چکا تھا۔ چار سال کی عمر میں ان کے پاس وہ تمام
اعضا موجود تھے جو ایک جوان اور بالغ لڑکی کو شادی کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ یہ اکی
سویں صدی ہے کوئی چودہ سو سال پرانی بات نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت کردہ احادیث کے مطابق نکاح کے

وقت ان کی عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح جب ہوا تو میری عمر چھ سال کی تھی پھر ہم مدینہ (ہجرت کرکے) آئے اور بنی حارث بن خزرج کے یہاں قیام کیا یہاں آکر مجھے بخار چڑھا اور اس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے پھر مونڈھوں تک خوب بال ہو گئے پھر ایک دن میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا آئیں اس وقت میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی انہوں نے مجھے پکارا تو میں حاضر ہو گئی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ان کا کیا ارادہ ہے آخر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر کے دروازہ کے پاس کھڑا کر دیا اور میرا سانس پھولا جا رہا تھا تھوڑی دیر میں جب مجھے کچھ سکون ہوا تو انہوں نے تھوڑا سا پانی لے کر میرے منہ اور سر پر پھیرا پھر گھر کے اندر مجھے لے گئیں وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں جنہوں نے مجھے دیکھ کر دعا دی کہ خیر و برکت اور اچھا نصیب لے کر آئی ہو، میری ماں نے مجھے انہیں کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے میری آرائش کی اس کے بعد دن چڑھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا میری عمر اس وقت نو سال تھی۔''

صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار

رواہ البخاری (3894) ومسلم (1422)

اس روایت میں صراحت کے ساتھ عمر کا بیان آیا ہے۔

قارئین! ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نو سال کی عمر میں شادی پر جو اعتراض اٹھایا جاتا ہے وہ انتہائی لغو، غیر اخلاقی اور غیر سائنسی ہے۔ اس اعتراض کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ اس اعتراض پر مسلمانوں کی کمزوری محض اتنی سی ہے کہ کوئی آپ سے یہ پوچھے کہ آپ کی والدہ کو پہلی بار حیض کب ہوا تھا اور آپ لاجواب ہو جائیں۔ کس سے پوچھیں گے؟ والدہ سے؟ یا پوچھنے والے کا منہ توڑیں گے؟

مجھے اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی گلا ہے کہ بغیر کسی اعتراض کی توضیح اور ماہیت کو سمجھے اس پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں یا جواب دینے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ یا پھر اپنی مرضی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر آج نکاح کے لئے رائج اخلاقی رنگ پہچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر ایرے غیرے سوال پر دلائل کے انبار لگا دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اصل اہمیت اعتراض کی نوعیت کی ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم کی احادیث کے مطابق حضرت عائشہ رض کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سال کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی نو سال کی عمر میں۔

ملحدین اس حدیث کا بہت زیادہ سہارا لیتے ہیں عام مسلمانوں کو زچ کرنے کے لئے۔

ذرا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس پر ملحدین کا کلیدی اعتراض کیا ہو سکتا ہے۔

۱۔ کیا یہ شادی کسی قرآنی حکم کے خلاف ہے؟

۲۔ کیا یہ شادی سائنسی اعتبار سے ناممکن ہے؟

۳۔ کیا یہ شادی اخلاقی اعتبار سے غلط ہے؟

یہ تین بنیادی اعتراضات میں نے رکھ دیے ہیں۔ اس کے علاوہ جزوی اعتراضات بھی ہو سکتے ہیں مگر وہ اس کے اندر ہی آجائیں گے۔ ان پر بات کرتے ہیں۔

قرآن کے مطابق شادی کے لئے محض بلوغت کی شرط ہے اور عمر کی کوئی قید نہیں۔ ذاتی سوالات کرنا میں پسند نہیں کرتا ورنہ اگر میں اس تحریر کو پڑھنے والے ہر شخص سے مطالبہ کروں کہ وہ اپنی بلوغت کی عمر بیان کرے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ بلوغت کا انسان میں کوئی مستقل معیار متعین ہی نہیں ہے۔ اس کا تعلق آپ کی عادات آپ کی محافل دوست احباب خوراک موسم غرض ہر چیز سے ہوتا ہے۔

سائنسی لحاظ سے بھی بلوغت کی کم سے کم عمر وہی ریکارڈ کی گئی ہے جو میں نے تحریر

کے شروع میں بیان کی یعنی محض تین سال۔ زیادہ سے زیادہ یہ تیرہ یا پندرہ سال کی عمر
ہے۔ بلوغت کی اوسط عمر جو بتائی جاتی ہے وہ گیارہ سے بارہ سال ہے۔ اوسط اور عمر
کے زیادہ تر لوگ گیارہ بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ کچھ اس سے پہلے یا
کے بعد۔ مگر ایک بات طے ہے۔ بلوغت کی جو عمر قانونی معاشروں میں اٹھارہ سال مقرر
کی گئی ہے اس کا بلوغت کی طبعی عمر سے کوئی تعلق نہیں۔ چاہے مرد ہو یا عورت وہ بالغ ہونے
میں کبھی بھی اٹھارہ سال نہیں لگاتا۔

یعنی اگر اعتراض یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں بالغ نہیں
ہو سکتیں تو یہ اعتراض دنیا کے ہر پیمانے پہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
شادی کے وقت اب تک دنیا میں سب سے جلدی بالغ ہو جانے والی خاتون سے چھ سال
بڑی تھیں اور آج بھی دنیا میں رائج بلوغت کی اوسط عمر سے صرف دو سال چھوٹی۔ یعنی بالغ
ہونا تو دور کی بات یہ کوئی حیرانگی والی بات بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوائل کے کفار
مشرکین کی طرف سے یہ اعتراض کبھی نہیں اٹھایا گیا۔ یہ اعتراض صرف انہوں نے اٹھایا
جنہوں نے بلوغت کے لئے دنیا میں رائج اٹھارہ سال کی قانونی حد کو طبعی حد سمجھ لیا۔ قانونی
حد تو معاشروں نے اپنی سہولت کے لئے اس لئے متعین کی ہے کہ بلوغت کی اصل عمر سے خود
بالغ ہونے والے کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا۔ فرض کریں ایک پندرہ سالہ شخص کسی کو قتل کر
دے تو اس پہ بالغ کا اطلاق ہوگا یا نابالغ کا اس کا فیصلہ کون کرے گا جبکہ اپنی بلوغت کی
اصل عمر صرف خود قاتل کو پتہ ہو؟ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے عمر کی ایک مخصوص حد اختیاراً
اٹھارہ سال متعین کی گئی ہے۔

اگر آپ مسلمانوں کے ادوار کا جائزہ لیں تو زیادہ پیچھے جانے کی ضرورت نہیں۔
آج سے محض پچیس پچاس سال قبل پاکستان میں بھی بچیوں کی شادی تیرہ چودہ سال کی عمر
میں کر دینے کا رواج تھا۔ ان معاملات پہ حیران ہونے کے لئے آپ کو دینی سائنسی یا منطقی
تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف معاشرے کے بدلتے رواج آپ کو حیران کرنے کے

نے کہی تھی۔ آپ بحیثیت معاشرہ بکرے کے گوشت پر پابندی عائد کر دیجیے۔ پچاس سال اس پابندی کو رواج بخشیے۔ پھر کسی کو بکرے کا گوشت کھاتا دیکھیے اور حیران رہ جائیے۔ یقین جانیے آپ کو اتنی ہی حیرت ہوگی جیسے کسی چائنیز کو کیڑے کھاتے دیکھ کر ہوتی ہے۔ یہ تو آپ کے کھانے کی اختیار میں ہے۔ آج آپ اٹھارہ سال کی عمر میں شادی کر لیجیے اور معاشرے میں پچیس سال کی عمر میں شادی کا رجحان پیدا کرنا شروع کر دیجیے۔ پھر پچیس سال بعد اپنے بچوں کو بتائیے کہ آپ کی شادی صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی اور ان کو حیران کر ڈالیے۔

یعنی یہ کوئی اتنی بڑی راکٹ سائنس نہیں ہے جو سمجھ نہ آ سکے۔ کسی بھی رواج کو پچاس سال کے لیے ترک کریں اور اس کے بعد دوبارہ اپنائیں تو وہ عجیب لگے گا۔

اخلاقیات کی بات بعد میں کریں گے پہلے عقل کی عمر کی بھی بات کر لیتے ہیں تاکہ یہ اعتراض بھی رفع ہو جائے کہ بچی کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اسے عقل ہی نہیں ہوتی۔

عاقل اور بالغ میں صرف ایک چیز کا فرق ہوتا ہے۔ بالغ شخص کی بلوغت کے بارے میں یا تو وہ شخص خود جانتا ہے یا اس کا رب جانتا ہے مگر عاقل شخص کو کب عقل آئی یہ اس شخص کو خود کو بھی نہیں پتہ ہوتا۔ یہ صرف رب ہی جانتا ہے۔ انسان کے پاس ایسا کوئی پیمانہ موجود نہیں جس سے عقل کو ناپا جا سکے۔ بلوغت کا تعین کرنا آسان ہے مگر عقل کا تعین نہیں۔ صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کسی کو بہت جلدی عقل آ جاتی ہے کسی کی پوری زندگی بے عقلی میں گزر جاتی ہے۔ محمد بن قاسم سترہ سال کی عمر میں بحیثیت سپہ سالار آتا ہے اور سندھ فتح کر لیتا ہے۔ ہم سترہ سال کی عمر میں پانچ سو کا نوٹ لے کر سودا لینے نکلیں تو نوٹ گما کر منہ لٹکائے خالی ہاتھ گھر لوٹیں۔

میں جب سترہ سال کا تھا تو اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھا کہ محمد بن قاسم کی عمر سترہ سال ہوگی۔ سترہ سال کی عمر میں بحیثیت سپہ سالار سندھ آنا تو آغاز کس عمر

میں کیا ہوگا؟ تلوار بازی کب سیکھی ہوگی؟ میرا خیال تھا کہ کم از کم بچپن سے تیس سال کی عمر میں بندہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ کسی فوج کی کمان سنبھال سکے۔

یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ کسی کی عقل برتری برداشت نہیں کرتا۔ اور اگر کرنا پڑ جائے تو بہانے تراشتا ہے۔ نیوٹن کی محض قسمت اچھی تھی کہ جس وقت سیب گرا وہ درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اگر اس وقت اس کی جگہ میں بیٹھا ہوتا تو میں بھی وہی سوچتا جو اس نے سوچا۔ پھر لوگ کششِ ثقل کی دریافت مجھ سے منسوب کرتے۔ عرفہ کریم اگر نو سال کی عمر میں سافٹ ویئر انجینئر بن گئی تو اس میں بڑی بات کیا ہے۔ اسے کوئی پراسرار دماغی بیماری تھی جو اگر مجھے ہوتی تو میں پانچ سال کی عمر میں بن جاتا۔

معاملہ صرف یوں ہے کہ جو کام میری عقل پہ پورا نہیں اترے گا اس سے یا تو میں انکار کردوں گا یا اس کو محض ایک اتفاق قرار دے دوں گا۔ کسی کا کم عمری میں عاقل و بالغ ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ آپ کے لئے اس بات کو ہضم کرنا مشکل ہے تو یہ آپ کا مسئلہ ہے۔

اب آجائے اخلاقی اعتراض کی طرف۔

ملحدوں کے مطابق اخلاقی اعتبار سے نو سالہ بچی سے شادی ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ اخلاقیات کس نے مرتب کیں؟

ملحدوں کا ہر معاملے کو سوچنے کا ڈھنگ نرالا ہے۔ ایک مرتبہ ایک ملحد سے گفتگو کے دوران میں نے ملحد سے پوچھا کہ جانورں کے ساتھ جنسی تعلق بنانے سے انہیں کون سی اخلاقیات روکتی ہیں؟ تو جواب ملا چائلڈ ابیوز اور جانوروں کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ جس طرح بچہ اجازت دینے سے قاصر ہوتا ہے اسی طرح جانور بھی اجازت دینے سے قاصر ہوتا ہے۔ جس پہ میں نے اعتراض کیا کہ پھر تو آپ کسی جانور کا گوشت بھی نہیں کھا سکتے۔ ظاہر ہے جانور کو ذبح بھی اس کی اجازت کے بغیر ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی اس سے جنسی تعلق کے لئے اس کی اجازت مانع ہے اور کاٹ کھانے کے لئے صرف آپ کی بھوک کافی ہے؟ جواب ندا

کوئی مجھے اخلاقیات کے ایسے اصول مرتب کر کے تو دکھائے جو اسلام نے مرتب کیے۔ میں تو ایسے ایسے گھٹے الحادوں کا جن کا جواب دیتے دیتے ان کی نسلیں بوڑھی ہو گئی ہیں۔ آپ ایک جانور کے ساتھ زنا کو حرام قرار دیں اور اس کو کھانا حلال ٹھہرا دیں تو ملحد کوئی دوسری توجیہ پیش کر ہی نہیں سکتے سوائے اس کے کہ یہ کسی ایسی ہستی کا حکم ہے جس کا سب جانتے ہو۔

نو سال کی بچی میں اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حق میں کوئی مناسب فیصلہ کر سکے۔ وہ چونکہ وہ خود فیصلہ نہیں کر رہی بلکہ اپنے بڑوں کی مرضی پر چل رہی ہے لہذا یہ شادی غیر اخلاقی ہے؟

اگر میں اس فلسفے سے متفق ہو بھی جاؤں تو اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ لڑکی کو عقل کس عمر میں آتی ہے؟ سائنسی اعتبار سے عقل کا معیار ثابت کر دیجئے اور اس عمر کو شادی کا قرار دے دیجئے؟ بتائیے کیا پیمانہ ہے؟

اب میرے استدلال کا بھی جواب دے دے کوئی کہ ایک بچی نو سال کی عمر میں عقل نہیں رکھتی لہذا اس کی شادی غیر اخلاقی ہے۔ اب فرض کریں کوئی بچی اٹھارہ سال کی عمر میں بھی عقل نہ رکھتی ہو تو اس کی شادی کرنا اخلاقی اعتبار سے درست ہو گا یا غلط؟ اگر پچیس سال کی عمر میں بھی عقل نہ آئی تب؟ فرض کریں دماغی مریض ہے۔ عقل آنی ہی نہیں ساری عمر تب؟ ہے کوئی جواب؟

اور پھر اس بات کا تعین کسی اور موقعے کے لئے چھوڑتے ہیں کہ لڑکی وہ کون سا عمل کر کے دکھائے گی جس سے پتہ چلے کہ وہ اپنے متعلق خود بہتر فیصلہ کر سکتی ہے۔

اب آخری اعتراض کا جواب جو عموماً منکرین حدیث کافروں کی طرف سے آتا ہے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی نو سال کی عمر میں درست ہے تو آپ اپنی بچی کی شادی اسی عمر میں کیوں نہیں کرتے؟ جو بات آپ اپنی نو سالہ بچی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے وہی بات آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تسلیم کرتے ہو؟

اس کا جواب سمجھدار لوگوں کے لئے تو اوپر ہی بیان ہو گیا کہ قرآن میں نکاح کی کوئی عمر بیان نہیں ہوئی بلوغت کی شرط بیان ہوئی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جس عمر کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالغ تھیں تمام عورتیں اسی عمر میں بالغ ہو جائیں؟

پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اس شادی کو جائز قرار دیا جا رہا ہے نا کہ فرض۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کی شادی نو سال کی عمر میں کر دی یہ ان کی مرضی تھی۔ میں نو سال کی عمر میں بھی نہ کروں یہ میری مرضی ہے۔ جب ایک کام فرض نہیں تو ہم معاشرے کے رجحان سے بھی ہم آہنگ رہ سکتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں اس میں۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ میں Lina medina کی پانچ سال کی عمر میں حاملہ ہونے والی حقیقت کو یہ کہہ کر جھٹلا دوں کہ یہ عمومی معاملہ نہیں ہے ورنہ اس کا کوئی اور بھی ثبوت پیش کیا جائے۔

O

کھسیانا بھینسا کھمبا نوچے

کالی دلوں سے بھینسا اور سید امجد حسین کی طرف سے ایک اعتراض کیا جا رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے خیبر کے مقام پر بغیر عدت کے چار ماہ دس دن گزارے صحبت کر لی تھی جو قرآن کی خلاف ورزی ہے۔

مشہور عالم دین جناب محمد علی مرزا صاحب نے ایک ویڈیو کے ذریعے نہ صرف اس اعتراض کا جواب دے دیا ہے بلکہ الحاد کے منکی ہتھکنڈوں کا پول بھی کھول دیا ہے کہ کس طرح واضح حدیثیں چھوڑ کر مختصر الفاظ پر مبنی حدیثیں لے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

بھینسے نے اس مکمل اور جامع جواب کو تسلیم کرنے کے بجائے کھمبا نوچتے ہوئے پھر دوبارہ پرانے اعتراض پہ جمپ لگا دی کہ اس کا مطلب اسلام میں غلام عورتوں کے حقوق آزاد عورتوں سے کم ہیں؟ بالکل ایسا ہی ہے۔ اس کا انکار کس مسلمان نے کیا؟

پہلے انجینئر محمد علی مرزا کا جواب قارئین کی نذر کر دوں پھر اگلے اعتراض پہ بات کرتے ہیں۔

طلاق یافتہ آزاد خواتین کی عدت قرآن میں تین حیض بیان ہوئی ہے۔

سورہ البقرہ آیت 228

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنی تئیں روکے رہیں۔ اور اگر وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کا جائز نہیں کہ خدا نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں۔ اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ اور خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے ۲۲۸"

بیوہ خواتین کی عدت قرآن میں چار ماہ دس دن آئی ہے۔

سورہ البقرہ آیت 234

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے ۲۳۴"

ان دونوں معاملات میں ایک استثنیٰ یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہے تو عدت کا حکم بدل جائے گا۔ یعنی ایک عورت کا حمل طلاق یا شوہر کے فوت ہونے کے اگلے دن ظاہر ہو تو اب اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک رہے گی۔ اور اگر وہ پہلے سے حاملہ تھی اور طلاق یا شوہر کے فوت ہونے کے اگلے دن بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو عدت بھی اسی دن ختم ہو جاتی ہے اور وہ نیا نکاح کرنے میں آزاد ہے۔

اس کا حکم سورہ الطلاق آیت نمبر 4 میں آیا ہے۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (۴)

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے اور جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا ۴"

اب سوال یہ ہے کہ جو اعتراض اٹھایا گیا ہے وہ صفیہ بنت حیی سے متعلق ہے جو لونڈی بنائی گئی تھیں۔ اور قرآن میں اس بابت جو احکامات ہیں وہ آزاد عورتوں سے متعلق ہے۔

اسلام کے اصولوں کے مطابق جو حکم قرآن میں نہ ملے اسے حدیث سے اخذ کیا جاتا ہے جیسے گدھے کے گوشت کی حرمت اور زانی کی سزا رجم قرآن میں نہیں ہے مگر ان معاملات کا کوئی اختلاف نہیں۔ پھر اگر حدیث میں بھی کوئی حکم نہ ملے تو اس کے لئے قیاس کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

لونڈی کی عدت مشکوٰۃ کی حدیث نمبر 3330 اور مسند احمد میں واضح کی گئی ہے جو ایک حیض ہے۔

اب آجائیں صفیہ بنت حیی کے معاملے پر۔ ان کے معاملے میں جو حدیثیں مخالفین پیش کر رہے ہیں ان میں جان بوجھ کر ان حدیثوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں ان کی عدت پوری ہو جانے کی وضاحت نہ ہو۔ حالانکہ صحیح بخاری کی کتاب المغازی حدیث نمبر 4211 میں ان کی عدت اور حیض سے پاک ہو جانے کا ذکر موجود ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔

"لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (صفیہ) اپنے لئے منتخب فرما لیا، پھر انہیں
لے کر روانہ ہوئے حتی کہ سد صہباء پہنچے تو وہ حیض سے پاک ہو چکی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان سے خلوت فرمائی۔"

اسی ضمن کی ایک دوسری حدیث میں انہیں ام سلیم کے حوالے کیے جانے کا ذکر
ہے۔ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حیض سے پاک
ہونے تک انتظار کیا تا کہ ان کی عدت پوری ہو جائے۔

اب اس وضاحت سے یہ سارا کا سارا اعتراض زمین بوس ہو جاتا ہے۔
بجائے اس کے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے وہی پرانا اور دقیانوسی اعتراض دوبارہ جڑ دیا
کہ اسلام میں لونڈی کو آزاد عورت کے برابر مقام نہیں دیا جاتا۔ اس اعتراض کی وضاحت
میں کئی مرتبہ اپنی تحریروں میں کر چکا ہوں کہ مسلمانوں میں جنگی قیدیوں کو سزا [illegible]
رواج ہے نہ کہ ان سے ہمدردی جتانے کا۔ وہ مسلمانوں کو تحفے تحائف تقسیم کرتے ہوئے
رنگے ہاتھوں نہیں پکڑے گئے بلکہ قتل و غارت کی منصوبہ بندی میں ناکام ہو کر گرفتار ہوئے
ہیں۔ لہذا ان کے معاملات آزاد لوگوں جیسے ہو کیسے سکتے ہیں؟

کہتے ہیں کہ یہ انسانی ہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک عورت کا باپ اور شوہر
ہے اور مسلمان اس عورت کے ساتھ مباشرت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ یہاں یہ اعتراض تو
اس سے بھی پہلے بنتا ہے کہ مسلمانوں نے ان کے شوہر اور باپ کو مارا ہی کیوں؟ مگر یہ
اعتراض یہ کبھی نہیں کریں گے کیوں کہ جانتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے جنگ لڑنے آئے
تھے۔ اور اگر اخلاقی اعتبار سے کسی لونڈی کے شوہر اور باپ کو قتل کرنے پر اعتراض نہیں کیا
جاسکتا تو اس لونڈی سے ہم بستری پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ الفاظ کے کھیل ہیں جو یہ
کھلیں ہم روز کھیلتے ہیں۔

پھر مزید اعتراض یہ ہے کہ لونڈی کی عدت کا حکم بھی قرآن سے دکھائیں۔ [illegible]
اللہ۔ ہوگیا اور باتیں پکوڑیوں جیسی؟ ہم مسلمان قرآن و حدیث کے قائل ہیں نا کہ صرف

زبان سے۔ ہمارے لئے نبی کا حکم اور اللہ کا حکم ایک جیسا درجہ رکھتا ہے جس کا حکم خود ہمیں زبان دیتا ہے۔

سورۃ النساء آیت 59

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (۵۹)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے ۵۹"

یہاں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اللہ کے حکم کی فرماں برداری کرو اور وہ حکم تمہیں رسول بتا دیں گے۔ مگر ایسا نہیں کہا بلکہ نبی کو اختیار دے دیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ صرف قرآن سے لادینی کرنے لائق نہیں بلکہ منہ پہ مار دینے لائق ہے۔ میرے نزدیک تو وہ شخص بھی اپنے ایمان کی خیر منائے جسے پرویز کی مجبوری کرے کہ حدیث کے بجائے قرآن سے حکم ڈھونڈو اور اس کے مطالبے پر قرآن سے حکم ڈھونڈتا پھرے۔

پھر یہ کیوں بھول گئے کہ اعتراض بھی تو حدیث پر ہی کیا تھا۔ اگر حدیث تمہارے لئے قابل اعتبار نہیں تو صفیہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کیسے قابل بھروسہ ہو گئی؟

○

جنگیں اور اسلام

عموی طور پر اسلام کے خلاف کچھ باتیں مشہور کر دی گئی تھیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور دنیا میں جنگوں کی سب سے بڑی وجہ مذاہب تھے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ دین اسلام میں جنگ کی آرزو کرنا حرام ہے مگر جنگ ہو جانے کی صورت میں پیٹھ دکھا کر بھاگنا بھی حرام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین اسلام کی تبلیغ شروع کی تو بادشاہوں کو خطوط لکھے جن میں تین شرائط پیش کی جاتی تھیں۔

۱۔ ہم دنیا میں اللہ کی نظام چاہتے تھے لہٰذا بادشاہ اللہ کے بھیجے ہوئے آخری نبی پر ایمان لائے اور دین اسلام کی تبلیغ میں مدد کرے۔

۲۔ اگر بادشاہ خود ایمان نہیں لاتا تو ہمارے وفد کو اجازت دی جائے کہ وہ لوگوں میں اسلام پھیلائیں اور پھر جو اسلام لے آئے اس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔

۳۔ اگر ان دونوں شرائط پہ عمل نہیں کیا جاتا تو ہمیں بحالت مجبوری بادشاہ کو ہٹانا پڑے گا اور اس کی جگہ اپنا نمائندہ بٹھانا پڑے گا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ کی جا سکے۔

اب اگر ان شرائط پہ غور کیا جائے تو ان شرائط میں کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ جس آزادیٔ اظہار کو آج دنیا روتی ہے وہی تو مانگا تھا مسلمانوں نے۔ کوئی پابندی نہیں لگائی گئی کہ کوئی شخص اپنی مرضی کے بغیر اسلام قبول کرے۔ پہلے بادشاہ کو دعوت دی گئی اور اس کو اختیار دیا گیا کہ قبول کرے یا نہ کرے۔ قبول نہ کرنے کی صورت میں اس

اجازت سے اس کی باقی رعایا میں اسلام کی تبلیغ کی اجازت۔ یہاں بھی معاملہ مرضی پر منحصر تھا۔ اگر بادشاہ عقلمند ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دیتے۔ خود چاہے نہ قبول کرتے اسلام۔ مگر اسلام کا پیغام ایسا جامع اور مربوط تھا کہ دنیا کی بڑی بڑی اقوام اس بات سے لرزہ دہ تھیں کہ یہ پیغام جس کو بھی دیا جائے گا وہ اسے قبول کئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اسی بنیاد پر دین اسلام کی تبلیغ کو نہ صرف روکنے کی کوشش کی گئی بلکہ اسلام سے ایک خود ساختہ دشمنی قائم کر لی گئی۔ جس کی مثال غزوۂ روم ہے۔ روم کی سلطنت سے اسلام کا کوئی ٹاکرہ نہ تھا مگر جب قیصر روم کو اطلاع ملی کہ دین اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی آمیز خط بھیج دیا۔ جس میں جبراً تبلیغ بند کرنے کو کہا گیا اور بند نہ کرنے کی صورت میں مدینہ پر چڑھائی کی دھمکی دے ڈالی۔ جس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا کہ آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہم خود حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ یہ بات قیصر روم کے لئے حیران کن تھی۔ اس نے شاید کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ مدینے سے اٹھنے والی یہ چھوٹی سی تحریک اسے حملے کی دھمکی بھی دے سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روم پہنچتے پہنچتے روم کی بہت سی ریاستیں مسلمانوں کے ساتھ مل گئیں۔ قیصر روم پر اللہ نے ایسا خوف طاری کر دیا کہ اس نے بغیر لڑے شکست تسلیم کر لی۔

دین اسلام میں غیر ضروری جنگوں کا تصور نہ کبھی تھا نہ ہے۔ بس ایک ہی مطالبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے کہ اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم بند کئے جائیں۔ مگر دنیا نے ہر دور میں ان دو باتوں کی خلاف ورزی کی اور نتیجہ جنگوں کی صورت میں نکلا۔

کچھ غلط فہمیاں اور بھی پائی جاتی ہیں جن میں غلام اور لونڈیوں کا موضوع بہت اہم ہے۔ اس پر بھی بات کر لیتے ہیں۔

دنیا بھر میں جنگ کے نتیجے میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کی آزادی کی بس دو ممکنہ صورت ہوتی ہے کہ ان کی حکومت قیدیوں کے تبادلے میں اس کو چھڑوا لے۔ مگر اگر

ایسا نہ ہو سکے تو جنگی قیدی کی رہائی کی اور کوئی صورت ممکن نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی مثال ہے جس کو امریکی عدالت نے جرم واضح نہ ہونے کے باوجود 80 سال کی لمبی سزا دی۔ یعنی اگر اس نے 120 سال کی عمر پائی تو رہا ہو جائے گی۔ ورنہ قید کے دوران ہی اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایسا سلوک دنیا کی ہر قوم اپنے قیدیوں کے ساتھ کرتی ہے مگر اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

اسلام میں قیدیوں کی آزادی کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ قیدیوں کے تبادلے میں نہ جانے والوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ دینِ اسلام میں دس صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی صورت میں بھی آزاد کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔ پھر کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہو جانے کی صورت میں بھی غلام آزاد کرنے کا قرآنی حکم موجود ہے۔ حتیٰ کہ بغیر کسی وجہ کے غلام آزاد کرنے کو بھی کارِ ثواب کہا گیا ہے۔

یہاں ملحدوں کا اعتراض شروع ہوتا ہے کہ جب غلام آزاد کرنا ثواب ہے تو غلام بناتے ہی کیوں ہو؟

یہاں اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ اسلام آنے سے پہلے غلام بنانے کی کئی صورتیں تھیں جن میں بعض دفعہ آزاد انسانوں کو خرید کر بھی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ مگر اسلام آنے کے بعد اب کسی کے غلام بننے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ "مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جائے۔ اس کے علاوہ کسی کو بھی غلام بنایا گیا نہ لونڈی۔ یہاں تک کہ جن کافروں کو شکست دی ان کے وہ لوگ جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا ان پر مکمل اختیار ہونے کے باوجود ان کو اپنے دین کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کے مواقع دیے گئے۔

اب اگر کسی شخص کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑنے آئے ان کو بھی غلام یا لونڈی نہ بنایا جائے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسے سمجھنے نہیں آتے مسلمان۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام میں لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری بھی جائز ہے۔ حیرت انگیز طور پر معترضین کا تعلق ایسی قبیل سے ہے جو سرے سے نکاح کے قائل ہی نہیں۔ نکاح ایک اسلامی عمل ہے جس کا الحاد سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک اگر مسلمان اپنی بیویوں سے بھی نکاح نہ کریں تو کم از کم ملحدین کا اعتراض تو بنتا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو کسی نکاح کے قائل ہی نہیں۔ مسلمانوں میں نکاح اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہی اللہ اگر لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری کی اجازت دیتا ہے تو پھر کاہے کا گناہ؟

ایک اعتراض اور بھی کیا جاتا ہے کہ لونڈی کے ساتھ جبرا ہم بستری کی جاتی ہے۔ یہ زنا بالجبر کے زمرے میں آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کسی طرح سے کرنا کیا ہوتا ہے؟ مسلمانوں کے دانت لگا کر مسلمانوں ہی پر اعتراض؟

کیا جب کسی مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جاتی ہے تو اس سے اجازت مانگی جاتی ہے؟ غیر اسلامی ملکوں میں جنگی قیدی قتل بھی کر دیئے جاتے ہیں۔ کیا ان کو قتل کرنے سے پہلے ان سے اجازت لی جاتی ہے کہ بھائی کیا ہم تمہیں قتل کر دیں؟ لونڈی کے ساتھ بغیر نکاح کے ہمبستری اس کی سزا ہے اور سزا کے لئے اجازت نہیں لی جاتی۔ بس حکم سنایا جاتا ہے۔

ایک اور بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن میں لونڈی کے ساتھ ہم بستری کی اجازت ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی لونڈی سے بغیر نکاح کئے ہم بستری نہیں کی۔ ملحدین کی طرف سے اس کا بہت پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ نبی کے پاس بہت سی لونڈیاں تھیں مگر یہ محض خودساختہ الزامات ہیں جن کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

آج بھی مسلمان دنیا میں امن ہی کے داعی ہیں۔ مگر دنیا کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔ حالات آج بھی وہی ہے جو کل تھا۔ مسلمانوں پر جاری ظلم وستم کی روک تھام اور آزادیٔ اظہار ہی ایک بہتر امن کا راستہ۔

○

محمد سلیم کی تحریر ''جنگیں اور اسلام'' کا جواب

(میری تحریر ''جنگیں اور اسلام'' پر ایک ملحد نے اعتراضی تحریر لکھی جس کا مجھے
جواب دینا پڑا۔ پہلے سنیہ لاہوری کی تحریر پڑھ لیں۔ پھر میرا ان کو جواب۔)

تحریر: سنیہ لاہوری (ملحد)

نوٹ: برائے کرم مندرجہ ذیل جواب کو اسلام اور الحاد کی عینک آنکھ سے ہٹا
کے غیر متعصب ہو کر پڑھا جائے۔ میں یہ واضح کرتی چلوں کہ میں صرف سچ کا ساتھ دیتی
ہوں چاہے وہ مسلمانوں سے ملے یا ملحدوں سے۔

محمد سلیم صاحب! ماشاء اللہ آپ نے اپنی تحریر میں روایتی طرز تحریر اختیار کرتے
ہوئے محض مسلمانوں کے عقیدت مندانہ جذبات کو ہی انگیخت کیا ہے۔ آپ کو اس امر سے
واقف ہونا چاہیئے کہ ایک جاہل مسلمان اور ایک عالم مسلمان کا رویہ اسلام کے متعلق بالکل
ایک جیسا ہوتا ہے۔ دونوں کے پاس اسلام کو ماننے کا واحد ٹول ایمان ہے۔ مسلمان تو آپ
کی تحریر پہ عش عش ضرور کریں گے، کیونکہ ایمان اور عقائد کو تسلیم کر لینے کے بعد معروضیت
اور اس پر مبنی تحقیق کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر ہر معاملے میں صرف اور صرف
اسلام کو سپورٹ کرنا پڑتا ہے اور مخالف کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ آپ اپنے گروپ
میں جن لوگوں کی حمایت حاصل کیے بیٹھے ہیں، وہ آپ کی قابلیت کی بنیاد پر آپ کی حمایت
نہیں کرتے، بلکہ اس گروپ کے بننے سے برس ہا برس پہلے کے سدھائے گئے مسلمان
ہیں۔ اب آپ کی حمایت کرنا اور اسلام دشمن رویوں کی مخالفت کرنا ان کے ایمان کا حصہ

☆ اخلاق احمد کہا کرتے تھے کہ "ماننے کے لیے جاننا ضروری نہیں" ان کے اسی قول کے مصداق بیشتر مسلمان جاننے سے گریز کرتے ہوئے محض ماننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب کہ ماننے سے پہلے مکمل طور پر جاننا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔

1۔ مسلمانوں کے لیے آپ کی یہ بات تسلی بخش اور روح پرور ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا۔ اسلام کے متعلق اتنی خوبصورت بات سے ان کے جذبات انگیخت نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟ جب کہ تاریخی حقائق آپ کی بات کو سرے سے رد کرتے ہیں۔

رسول اللہ نے نبوت کے ابتدائی 13 سال مکہ میں گزارے، اور باقی دس برس کا عرصہ مدینہ میں گزارا۔ اس اعتبار سے آپ کی نبوی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مکی زندگی اور مدنی زندگی۔ 13 سالہ مکی دور گزارنے کے بعد جب رسول اللہ مدینہ ہجرت کرنے لگے تو آپ کے ساتھ صرف چند مسلمانوں کا ٹولہ تھا۔ اس کے برعکس 10 سالہ مدنی دور مکمل ہونے پر مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ کے پاس آخر وہ کون سی جادو کی چھڑی اچانک آ گئی تھی، جو مکہ میں تو کام نہ آسکی لیکن مدینہ میں وہ اخلاقی چھڑی گھمانے پر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مکی زندگی سے بھی کم عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ آخر کیسے ہوا؟

اگر یہ بات مان لی جائے کہ اسلام اخلاق کے ذریعے پھیلا ہے تو نعوذ باللہ کیا مکی زندگی میں رسول اللہ کا اخلاق پختہ نہیں تھا؟ جو لوگوں کو اسلام کی جانب مائل کر سکتا۔ اور مکی زندگی سے بھی کم مدت پر مبنی مدنی زندگی میں کیا ان کا اخلاق اس قدر بہتر اور پختہ ہو چکا تھا کہ لوگ اسلام کی جانب مائل ہونے لگے؟ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جو شخص جس معاشرہ میں کوئی نئی چیز لے کر آئے، سب سے پہلے اس کے گھر والے، خاندان کے افراد اس کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ چونکہ مکہ میں رسول اللہ کا بچپن گزرا تھا،

اس لیے انہوں نے آپ کی بات کو تسلیم نہیں کیا۔

مدینے والوں کے لیے رسول اللہ کی دعوت اور شخصیت دونوں ہی نئی چیز تھی اور وہ لوگ آپ کے بچپن اور گزشتہ زندگی سے بھی واقف نہیں تھے۔ آخر وہ کون سی وجہ ہے کہ قرآن کی مکی سورتوں میں رحم دلی، بھائی چارے، اخوت، محبت اور پیار کا درس ملتا ہے جب کہ اس کے برعکس مدنی سورتوں میں رحم دلی سے زیادہ جنگ و جدل، جہاد، مال غنیمت اور لونڈیوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اچانک قرآن کے لہجے میں تبدیلی کیوں واقع ہوئی؟

مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اسلام کی پہلی جنگ "غزوہ بدر" تھی۔ جو کفار نے آپ کے خلاف لڑی۔ تاریخ اس بیانیے کو بھی صراحت کے ساتھ رد کرتی ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ سیرت النبی اور تاریخ اسلام کے موضوع پر لکھی گئی دنیا بھر کی اول انعام یافتہ کتاب "الرحیق المختوم" ہی اٹھا لیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے مسلمانوں کو فوجی مہمات کی صورت میں قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کی اجازت خود رسول اللہ نے دی۔ بعض مہمات میں رسول اللہ نے خود بھی حصہ لیا۔ اسلام کا پہلا غزوہ غزوہ بدر نہیں بلکہ "غزوہ ابواء یا ودان" تھا۔ الرحیق المختوم میں بدر سے قبل ہونے والے غزوات و سرایا کی تعداد آٹھ ہے۔ جن کا مقصد قریش کے تجارتی قافلوں کی راہ روکنا تھا۔

انہی میں سے ایک سریہ "سریہ نخلہ" بھی تھا جو دو ہجری میں پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں نے قریش کے ایک قافلے پر دھاوا بول کر ان کا مال لوٹا اور حرمت والے مہینے رجب میں لڑائی کی۔ اسی سریہ میں قریش کے ایک شخص عمرو بن حضرمی کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ دو قیدی بنائے گئے اور قافلے کا سامان لوٹ کر قیدیوں سمیت مدینہ جا پہنچے۔ جس میں کچھ چمڑہ، کشمش اور دوسرا سامان تجارت تھا۔ مال غنیمت سے خمس بھی نکالا گیا۔ اللہ تبارک وتعالی نے مسلمانوں کو اس قدر قیمتی اعزاز سے نوازا کہ اسلامی تاریخ کا پہلا قتل بھی مسلمانوں کے ہی مبارک ہاتھ سے ہوا۔۔۔ سریہ نخلہ کے آخر میں مصنف الرحیق المختوم نے نہایت واضح انداز میں لکھا ہے کہ "یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس، پہلا مقتول، اور پہلے قیدی تھے"۔

زیادہ درست جانیے! غزوۂ بدر کا سبب کیا تھا؟ سبب وہی تھا، جو سبب تھا سرایا و غزوات کا تھا۔ یعنی تجارتی قافلوں کی راہ روکنا اور انہیں لوٹنا۔ مصنف نے غزوہ بدر کا سبب کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"غزوہ عشیرہ کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ قریش کا ایک قافلہ مکے سے شام جاتے ہوئے رسول اللہ کی گرفت سے بچ نکلا تھا۔ یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو رسول اللہ نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو اس کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ فرمایا۔

قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی۔ یعنی ایک ہزار اونٹ تھے۔ جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ جس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔

رسول اللہ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے۔ اس کے لیے نکل پڑو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بطور غنیمت تمہارے حوالے کر دے"۔ (الرحیق المختوم: صفحہ 279)

اب آپ لاکھ سر پٹکتے رہیں کہ اسلام جنگ کے ذریعے نہیں پھیلا۔ مسلمانوں نے کفار کو معاشی و اقتصادی طور پر دیوالیہ کرنے کی منصوبہ بندی ہجرت کے فوراً بعد ہی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لوگ اپنا مال، جان اور عزت و آبرو بچانے کی غرض سے اسلام میں داخل ہونے لگے، نہ کہ رسول اللہ کے اخلاق سے متاثر ہو کر۔ ڈاکہ ڈالنا، مال لوٹنا، دولت کا لالچ رکھنا اور قتل کرنا کہاں کا اخلاق ہے؟

ایک اور بات آپ نے کہی کہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ "دنیا میں جنگوں کی سب سے بڑی وجہ مذاہب ہیں۔ جب کہ یہ بات غلط ہے"۔

آپ یہ بتا دیجیے کہ مسلمانوں نے سرایا و غزوات آخر کس بنیاد پر لڑے؟ اپنے مذہب ہی کو مضبوط کرنے کی خاطر لڑے۔ بنیادی وجہ یہی تھی کہ لوگوں پر دہشت طاری ہو

ے اسلام یعنی مذہب کا بول بالا کیا جائے۔ زیادہ دور مت جایئے! ہندوستان اور پاکستان کی 70 سالہ لڑائی تو لے لیجئے۔ سارے کا سارا ہندو مسلم فساد ہی تو ہے۔ کیا مسلمان ہندوؤں سے صرف اس بنیاد پہ نفرت اور جنگ نہیں کرتے کہ وہ ہندو ہیں؟ اور کیا ہندو مسلمانوں سے صرف اس بنیاد پہ نفرت اور جنگ نہیں کرتے کہ وہ مسلمان ہیں؟ اگر مذہب کو درمیان سے نکال دیا جائے تو ہندو مسلم تصادم کی کیا وجہ باقی رہ جاتی ہے؟

جنگ بنو قریظہ کی وجہ کیا تھی۔ جو اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی انسانیت کش جنگ تھی۔ جس میں انسانی اخلاقیات کی دھجیاں بکھیری گئیں۔ قریظہ سے مدینہ تک راستے میں گڑھے کھود کھود کر بے شمار انسانی گردنوں اور لاشوں کو دفن کیا گیا۔ مسلمانوں نے 700 افراد کو بیہمانہ قتل کیا۔ آخر ان مقتولین کی غلطی کیا تھی؟ بچوں کی شلواریں اتار اتار کر ان کے زیر ناف بال چیک کیے گئے اور جس کے بال آ چکے تھے یعنی جو بالغ ہو چکا تھا اسے قتل کر دیا گیا۔ چاہے دو بارہ چودہ سال کا معصوم بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ اپنے جاہل حمایتیوں کو یہ بھی بتائیں کہ بنو قریظہ کی جنگ میں قیدی بنائے گئے بچوں اور عورتوں کو نجد لے جا کر بیچ دیا گیا اور ان کے بدلے جنگی ساز و سامان اور ہتھیار خریدے گئے۔ جس کا ذکر اسی الرحیق المختوم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ تاریخ انسانی پر بنو قریظہ کی جنگ آج بھی ایک ایسا داغ ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا۔ اگر یہ ظلم آج کے جمہوری دور میں ہوا ہوتا اور چاہے جس نے بھی کیا ہوتا تو کیا آپ پھر بھی اس کی حمایت کرتے؟ قریظہ کی جنگ میں کیا گیا ظلم کیا صرف اس وجہ سے جائز اور مقدس مان لیا جائے کہ یہ ظلم اسلام کی خاطر ہوا؟ کیا کوئی نظریہ بچانے کے لیے انسانی حدود کو عبور کرنا جائز ہے؟

اسلام کی کم و بیش 74 جنگوں کی وجہ اگر مذہب نہیں تو پھر کیا تھی؟ کفار اپنے اور مسلمان اپنے مذہب پہ قائم تھے۔ ہر ایک کے نزدیک دوسرے کا نظریہ اور عقیدہ غلط تھا۔ مذہب ہی بنیادی وجہ تھی جس کے تحت جنگیں ہوئیں اور عرب کی سرزمین خون میں نہلائی گئی۔ اس بات سے صرف نظر کر جنگ کس نے شروع کی اور کس نے کیا کیا۔ بنیادی وجہ

لکھنا پڑھنا سیکھ کر صحابی بنتے تھے؟ اگر ایسا ہی ہے تو رسول اللہ کس مرض کی دوا تھے؟ آپ ساری کائنات کے لیے جو علم اور دین لے کر آئے، کیا وہ صحابہ کے لیے کم پڑ گیا تھا کہ انکو لکھنے پڑھنے کے لیے کافروں اور بت پرستوں کی مجلس میں بیٹھنا پڑا؟ اور یہ کیسے واضح ہوا کہ کافروں نے صحابہ کو جو کچھ سکھایا وہ سب کچھ صحیح سکھایا؟ آپ انہیں کافر، گمراہ، لادین، جھوٹے اور فریبی بھی سمجھتے ہیں اور ان سے صحابہ کو علم بھی دلواتے ہیں۔ اس منطق کی سمجھ نہیں آئی۔

4۔ آپ نے ایک جگہ یہاں تک کہا کہ "اب اگر کسی شخص کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑنے آئے اس کو بھی غلام یا لونڈی نہ بنایا جائے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اتنے سیدھے نہیں ہیں مسلمان"۔

آپ یہ بتائیں کہ کیا بنو قریظہ کے لوگ خود رسول اللہ سے جنگ کرنے مدینہ آئے تھے؟ ایسا بالکل نہیں ہوا تھا بلکہ رسول اللہ خود اپنے لشکر سمیت مدینہ سے بنو قریظہ کے سر پر جا پہنچے تھے۔ اہل بنو قریظہ نے تو جنگ کا کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا تھا اور رسول اللہ سے رو رو کر اپنی جان بخشی کی التجائیں کی تھیں۔ وہ کسی طور جنگ کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ غزوہ بنو قریظہ عقیدے کی عینک آنکھ سے اتار کر پڑھا جائے تو میرے موقف کی تصدیق ہو جائے گی۔

"رسول اللہ نے اپنے لیے بنو قریظہ کی عورتوں میں سے حضرت ریحانہ بنت عمرو بن خنافہ کو منتخب کیا تھا۔ یہ ابن اسحاق کے بقول آپ کی وفات تک آپ کی ملکیت میں رہیں"۔ (الرحیق المختوم صفحہ 432 بحوالہ ابن ہشام)

کیا ریحانہ رسول اللہ سے جنگ کرنے مدینہ آئی تھی؟ تب اسے لونڈی بنایا گیا؟

پھر آپ نے کہا کہ "لونڈی کے ساتھ بغیر نکاح کے ہم بستری اس کی سزا ہے اور سزا کے لئے اجازت نہیں لی جاتی۔ بس حکم سنایا جاتا ہے"۔

دنیا کا کون سا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ سزا کے طور پر عورت کو اپنی

ملکیت میں لے کر اس کا ریپ کیا جائے اور وہ بھی صرف تم سنا کر۔ کیا یہی وہ اسلام ہے جس کے متعلق آپ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام نے عورتوں کو بڑے حقوق دیے ہیں اور اسلام ہی واحد دین ہے جو عورتوں کی عفت و عصمت کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اگر آپ کا کوئی مذہبی حریف اپنے مذہب کے کسی ایسے ہی قانون کے مطابق آپ کی عورتوں سے بھی یہاں ریپ کرے تو آپ پر کیا گزرے گی؟

اپنی تحریر کے آخر میں آپ بہت بڑے جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں اور آپ نے تاریخ کو بڑی شدت کے ساتھ مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے ہی کہا تھا کہ آپ مجھے نہیں ہیں مسلمان۔ آپ کی اس بات سے مجھے مسلمان واقعی بہت تیز سے معلوم ہوئے ہیں، جنہیں سیدھی بات بھی کرنی نہیں آتی۔ آپ نے کہا کہ "ایک اور بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن میں لونڈی کے ساتھ ہم بستری کی اجازت ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی لونڈی سے بغیر نکاح کے ہم بستری نہیں کی۔ ملحدین کی طرف سے اس کا بہت پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ نبی کے پاس بہت سی لونڈیاں تھیں مگر یہ محض خودساختہ الزامات ہیں جن کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے"۔

میں ثبوت دیتی ہوں نا! میں کس لیے ہوں؟ اس قدر سفید جھوٹ میں نے آج تک کسی مسلمان کو بولتے نہیں دیکھا۔ آج مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنے ہی رسول کے کتنے بڑے گستاخ ہیں کہ خود ان کی سیرت و شخصیت کے کئی پہلوؤں کو مسخ کرنے پر تلے ہیں۔ آپ تو ایک طرح سے قرآن کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"اے نبی! ہم نے تمہارے لیے تمہاری بیویاں حلال کر دیں جن کے مہر تم نے ادا کر دیے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آگئی ہیں" (سورۃ الاحزاب آیت نمبر 50)

مولانا صفی الرحمان مبارک پوری نے لکھا ہے کہ

"جہاں تک لونڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ نے دو لونڈیوں کو

اپنے پاس رکھا۔ ایک ماریہ قبطیہ کو، جو مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ (یعنی تحفے کے طور پر) بھیجی تھی۔ ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے"۔

"دوسری لونڈی ریحانہ تھی (جس کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے)۔ ابوعبید نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن میں سے ایک کا نام جمیلہ بتایا جاتا ہے۔ جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور دوسری کوئی اور لونڈی تھی جسے حضرت زینب بنت جحش نے رسول اللہ کو ہبہ کیا تھا" (الرحیق المختوم صفحہ نمبر 237 بحوالہ زادالمعاد جلد 1 صفحہ نمبر 29)

مصر حاضر کے عظیم مفتی فضیلۃ الشیخ مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی نے لکھا ہے کہ "ماریہ قبطیہ کے لیے کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ نے اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا ہو، بلکہ ملکیت ہی کی بنیاد پر اس سے ہم بستری کرتے رہے۔ ماریہ کے بطن سے آپ کا بیٹا ابراہیم پیدا ہوا"۔ (احکام و مسائل، جلد 2 صفحہ نمبر 1050، ناشر دارالاندلس، اشاعت ستمبر 2008)

اسی مسئلہ پر ابن ہشام کی صراحت بھی موجود ہے کہ "اور ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہ نبی کی لونڈی تھیں جن کو مقوقس نے آپ کے لیے ضلع انصناء کے مقام حفن سے بطور ہدیہ بھیجا تھا"۔ (سیرت النبی ابن ہشام جلد 1، صفحہ نمبر 21، ناشر مکتبہ رحمانیہ)

اب آپ اوپر بیان کیے گئے دلائل اور حوالہ جات کو غلط ثابت کریں اور سیرت اور تاریخ اسلام کی کسی بھی کتاب سے یہ ثابت کر کے دکھادیں کہ رسول اللہ نے ماریہ قبطیہ کے ساتھ نکاح کر کے ہی ہم بستری کی تھی۔ کیا مسلمان ماریہ کو رسول اللہ کی 11 ازواج میں شمار کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو کوئی دلیل لے آئیں، جس سے ہمیں بھی پتہ چل سکے کہ ماریہ واقعی آپ کی لونڈی نہیں، بیوی تھی۔ ہمیں امہات المومنین میں ماریہ کا نام کہیں بھی نہیں مل سکا۔ آپ کو ملا ہے تو بتائیں، ہمیں انتظار رہے گا۔ آپ کے بیان سے تو یہ لگتا ہے کہ آپ رسول اللہ کے بیٹے ابراہیم کو ویسی بتانے پر تلے ہیں جو آپ کے عقائد کے مطابق بغیر کسی مرد

کے باوٹا نے کے مریم کے بطن سے پیدا ہو گئے تھے۔ یا پھر ماریہ کو مریم کا رتبہ دے رہے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ آپ یہ دوہرا معیار کیوں کرتے ہیں؟ کیوں سیرت اور تاریخ مسخ کرنے پر تلے ہیں؟

اس کے علاوہ آپ نے کہا کہ یہ بھی محض ایک پروپیگنڈا ہے کہ رسول اللہ کے پاس بہت سی لونڈیاں تھیں۔

جناب! یہ کوئی پروپیگنڈا نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے۔ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (تاریخ ابن کثیر) جلد پنجم صفحہ 434 سے 442 تک رسول اللہ کی بیس لونڈیوں کا ذکر ان کے ناموں سمیت کیا ہے اور ان کے حالات و واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ 11 ازواج ان 20 لونڈیوں کے علاوہ ہیں۔ وقت ملا تو کبھی تاریخ ابن کثیر کا متن بھی دیکھ لیجئے گا۔

کیا اب آپ یہ کہیں گے کہ امام ابن کثیر نے بھی رسول اللہ کے خلاف پروپیگنڈا کیا ہے؟ جناب سلیم صاحب! بہتر ہے کہ آپ اپنے موقف سے رجوع کریں اور تمام گروپ ممبران کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور حقائق پر مبنی تاریخ منظر عام پر لائیں۔ مسلمانوں کے عقیدت مندانہ جذبات کو انگیخت کرنا اور ان سے کھیلنا آپ کو کسی صورت زیب نہیں دیتا۔ میرا آپ سے اختلاف اسلام یا الحاد کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ سچ اور جھوٹ کی بنیاد پر ہے۔ آپ کو اپنی توجہ سچ جاننے پر مبذول کرنی چاہیئے نہ کہ الحاد یا کسی اور نظریئے کے رد کی جانب۔ آپ بے فکر رہیں، مسلمان سچ سامنے آنے پر از خود یہ فیصلہ کر لیں گے کہ انہوں نے مسلمان رہنا ہے یا نہیں رہنا۔ تاریخ کو مسخ مت کریں۔ جو قومیں تاریخ کو مسخ کرتی ہیں، تاریخ اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ ان کو مسخ کر دیتی ہے۔

○

جنگیں اور اسلام (سنینہ لاہوری کو جواب)

آپ نے کہا آپ کی بات اسلام اور الحاد کی عینک اتار کر پڑھی جائے۔ یہ دین ہماری آنکھیں ہیں عینک نہیں جس کو اتار دیا جائے۔ معذرت۔

آپ نے کہا آپ صرف سچ کا ساتھ دیتی ہیں مسلمانوں سے ملے یا ملحد سے۔ سچ صرف مسلمانوں کا ہی وطیرہ ہے۔ ملحد اور سچ بولے یہ ممکن ہی نہیں۔ جن کی بنیاد جھوٹ پہ پڑی ہو وہ سچ کی باتیں کرتے اچھے نہیں لگتے۔

آپ نے کہا کہ میں نے روایتی طرز عمل اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

جی ہاں! کی ہے۔ آپ کے خیال میں اس سے بڑا بیوقوف کون ہوگا جس کو یہ یقین ہو جائے کہ جس عقیدے پر وہ قائم ہے وہ جھوٹا ہے اور پھر بھی اسی سے چمٹا رہے اور دفاع کرتا رہے۔ جس دین کو سچا پایا اسے چھوڑ کر جھوٹے ملحدوں کی ترجمانی شروع کر دوں؟ میرا ہی دین سچا ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔ آپ سے پہلے کتنے آئے اور کتنے گئے۔ کھلے چیلنج کیے ہم نے یہاں کہ آؤ ہمارے دین کو جھوٹا ثابت کرو۔ کس نے کیا؟ منہ کی کھا کر بیٹھے ہیں سارے کے سارے۔ آپ بھی بیٹھیں آپ کا بھی منہ دھو دیں گے۔ ساری حسرتیں پوری کر دیں گے۔

اب آپ جواب لیجئے۔

1۔ آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں اسلام قبول کرنے

والے چند افراد تھے اور مدنی زندگی میں یہ تعداد بڑھ کر ایک لاکھ تک چلی گئی اور اس کی وجہ جہاد ہے؟

کس نے انکار کیا اس بات کا کہ اسلام مدنی زندگی میں جہاد کا علم آجانے کے بعد برق رفتاری سے پھیلا؟ میں نے تو اپنے مضمون میں اس کا کہیں انکار نہیں کیا۔ مگر کیا اس میں اس بات کا اقرار ہوتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک اخلاق کے ذریعے اسلام کی طرف بلاتے رہے فتح مکہ والے دن کسی نے ان کی گردن پر تلوار رکھی تھی کہ آج اسلام قبول کرو؟ جی نہیں۔ طاقت کا توازن دیکھ لیا تھا انہوں نے جو کسی میدان میں شکست نہیں کھا رہے۔ تین سو تیرہ ہزار پر بھاری ہیں وہی سچے ہیں۔ پڑھا الرحیق المختوم میں کہ نبی نے فتح مکہ کے بعد کیا کیا اعلانات کئے تھے کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا اسے امان دی جائے گی؟ یا یہ میں پڑھواؤں؟ انسان کی نفسیات ہے یہ۔ امریکہ کو آج بڑی بڑی گالیاں دینے والے انہی کا طرز رہائش اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ پینٹ شرٹ پہن کر انہی کے خلاف احتجاج کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ جس کو طاقت ور پاتا ہے اس کا طرز رہائش اس امید پر اپنانے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسے طاقت کا راز اسی میں پنہاں ہوں۔ بڑی گہری بات ہے یہ۔ اللہ کرے آپ کو سمجھ آجائے۔ رہبانیت بھرا دین کوئی پسند نہیں کرتا کہ محض بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہیں اور کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا آگے کر دیں۔ یہ دنیا بہادر لوگوں کی قدر کرتی ہے اور بزدلوں سے نفرت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنے ازلی دشمنوں کے خلاف طاقت کا استعمال شروع کیا تو ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے مظالم دیکھ چکے تھے اور کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے تھے۔ اس میں تلوار کا کمال کم اور بہادری اور شجاعت کا زیادہ تھا۔ امید ہے بات اچھی طرح سمجھ آگئی ہوگی۔

آپ نے کہا کہ مسلمانوں نے قریش کے قافلے لوٹے؟ جو مسلمان مکہ میں مظالم

سے تنگ آ کر اپنا گھر بار جوں کا توں چھوڑ کر آ گئے۔ وہ نہ پڑھا آپ نے الرحیق المختوم کا یاد وہ آپ کے کام کا نہ تھا؟ الرحیق المختوم مجھے پڑھوائیں گی آپ؟ میں پڑھواتا ہوں آپ کو جو آپ نے الحاد کی عینک لگا کر پڑھا۔ پڑھیے الرحیق المختوم میں مکہ میں مسلمانوں پر ہونے والے ہوش ربا مظالم کی داستان۔ باب "ظلم و جور" صفحہ 122

جو کچھ اعلان نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اسے چھوڑ دیجیے جو دوسروں کے ساتھ ہوا وہ سنیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا انہیں کھجور کے پتوں کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے آگ کا دھواں دیتا۔ جرم کیا تھا؟ قبول اسلام۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ان کو امیہ گلے میں رسی باندھ کر رسی کا سرا بچوں کو پکڑا دیتا اور وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے۔ کئی کئی دن بھوکا رکھا جاتا۔ ان کو تپتی ہوئی ریت پہ لٹایا جاتا۔ جرم کیا تھا؟ قبول اسلام۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے ان کی شرمگاہ میں نیزہ گھونپ کر ہلاک کر ڈالا۔ جرم کیا تھا؟

عمار کے والد یاسر کو بھی تپتی ریت میں ننگا کر کے لٹایا جاتا جس کو وہ سہہ نہ سکے اور شہید ہو گئے۔ ان کا جرم کیا تھا؟

عمار بن یاسر پر بھی ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی۔ ان کا جرم کیا تھا؟

الرحیق المختوم میں صفحہ 122 سے لے کر صفحہ 130 تک مسلمانوں پر مکہ میں ہونے والے ظلم وستم کی داستان جو ابھی صرف مختصراً بیان کی گئی ہے وہ کس نے پڑھنی تھی۔ کون سی عینک اتار کر پڑھی آپ نے اور کون سے سچ کی پجارن ہیں آپ؟

قریش کا مال لوٹ وہ بیان کر دیا آپ نے۔ جو اپنی جان مال عزت تو گنوا کر آئے خالی ہاتھ۔ انصار کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہوئے وہ کس نے پڑھنا تھا؟

بنی قریظہ؟ کون سے بنی قریظہ؟ وہی جنہوں نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں ...

پیٹ میں چھرا گھونپا تھا؟ آپ نے الرحیق المختوم میں بنی قریظہ کا واقعہ صفحہ نمبر 426 سے پڑھا ؟غزوہ خندق میں جو عہد شکنی بنی قریظہ نے کی وہ کس نے پڑھی تھی؟ عہد و پیمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے اور عین جنگ کے دوران جب مسلمان دو طرف سے پھنس گئے اور اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے تو اپنا وزن مشرکین کے پلڑے میں ڈال دیا؟ اتنی سنگین عہد شکنی کے بعد اور غداری کے بعد کیا امید لگا کر بیٹھے تھے مسلمانوں سے کہ مسلمان واپس آ کر پیار کریں گے؟ کاٹ ڈالنے جوگے تھے تو کاٹ ڈالا۔ کون سا ظلم؟ بچوں کی شلواریں اتار کر ان کے زیر ناف بال دیکھے تو ان کی جان بچانے کی خاطر۔ کیوں کہ ان کے بالغوں کے قتل کے احکامات آسمان سے نازل ہو چکے تھے۔ نابالغ بچوں کو نہیں مارنا تھا اس لئے ان کے زیر ناف بال دیکھے گئے۔ صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا بنی قریظہ کی۔ وہ بھی اس لئے کہ اس نے ایک صحابی کا قتل کیا تھا۔ باقیوں کو لونڈیاں بنایا گیا اور میں اب بھی قائم ہوں اپنی بات پہ کہ اسلام کے خلاف محاذ آرائی کی جائے تو سوچ سمجھ کر کی جائے۔ اپنی عورتوں کو لونڈیاں بنوانا منظور ہے تو آ جاؤ میدان میں۔ تمہاری عورتوں سے بچے پیدا کریں گے اور تم سے ہی لڑوائیں گے۔

اسلامی تاریخ کا پہلا قتل مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تو آپ نے ایسے کہا جیسے اسلامی تاریخ کا پہلا قتل فرشتوں یا جنات کے ہاتھوں ہونا چاہئے تھا۔ یا آپ اپنا الحادی عینک لگا کر اس کو انسانی تاریخ کا پہلا قتل سمجھ رہی ہیں یا آپ یہ سمجھیں کہ قتل غارت گری کی ابتدا مسلمانوں نے کی؟ ابھی پیچھے بیان کیا میں نے کہ اسلام کا پہلی شہیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کو شرم گاہ میں نیزہ مار کر شہید کیا گیا۔ وہ پہلا قتل ہوا یا یہ؟ ان کے شوہر کو قتل کیا گیا وہ پہلا قتل ہوئے یا یہ؟ الحادی عینک لگا کر آپ پڑھ رہی ہیں یا ہم اسلامی عینک لگا کر؟ خود ہی [illegible] انسان پڑھتے ہوئے تھوڑی عقل ہی استعمال کر لیتا ہے یا الحادی عینک ہی [illegible] جاتا ہے۔

آپ [illegible] اب [illegible] رہیں کہ اسلام جنگ کے ذریعے نہیں پھیلا

مسلمانوں نے کفار و معاشی اور اقتصادی طور پر دیوالیہ کرنے کی منصوبہ بندی ہجرت سے پہلے ہی شروع کر دی تھی۔

جی ہاں۔ مگر ہجرت کیوں کی تھی؟ ہجرت سے کون پہلے معاشی اور اقتصادی طور پر دیوالیہ ہوا تھا؟ یہ سب پڑھتے وقت الحادی عینک چڑھالی تھی؟

مسلمانوں نے جو کیا وہ پڑھ لیا۔ کیوں کیا یہ نہ پڑھا؟

جواب نمبر 2۔ میں نے کہا کہ بادشاہ کو کہا جاتا کہ ہمارے وفد کو اسلام پھیلانے کی اجازت دی اور پھر جو اسلام قبول کرے اس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔

میری اس بات کا آپ نے یہ مطلب اخذ کیا کہ جو اسلام قبول نہ کرے اس پر ظلم کیا جائے۔ سبحان اللہ۔ قربان جاؤں میں آپ کی عقل پہ۔ ایکس تو یوں کی سلامی دینے کو دل کر رہا ہے۔ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ عقل والوں پر چھوڑتے ہیں کہ کس نے اسلامی عینک لگا کر کہا اور کس نے الحادی عینک لگا کر میرے الفاظ پہ اپنی تفسیر کی۔

آپ نے تیسری شرط پہ اعتراض کیا جس میں میں نے بادشاہ کو جزیہ دینے کی بات کی۔ اس سے پہلے کی دو شرائط کی قباحت بھی تو بتائیں۔ ٹھیک ہی تو کہا تھا میں نے کہ اسلام قبول کر لے یا اسلام پھیلانے کی امن سے اجازت دے دے اور اگر بادشاہ دونوں کام نہیں کرتا تو پھر کیسا آزادیٔ اظہار؟ احمقانہ اعتراض ہے آپ کا کہ پہلی دو شرائط نظر انداز کر کے آپ تیسری شرط پہ اعتراض کریں۔

جواب نمبر 3۔ اس میں آپ کو یہ کس نے بتایا کہ صحابہ کفار سے دینا کی غرض سے یا سائنسی تعلیمات لیتے تھے؟ او بی بی! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور زیادہ صحابہ بھی۔ امی کا مطلب یہ ہوتا ہے ایسا شخص جس کو لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو۔ یہی الفاظ استعمال کیے میں نے۔ یہ مضمون دوبارہ پڑھیں اور الحادی عینک اتار دیجئے کہ بات جو آپ نے کی۔

جواب نمبر 4۔ آپ نے لکھا کہ بنی قریظہ خود لڑنے آئے تھے مسلمان

جیسے بنی قریظہ کا معاملہ میں نے پہلے بھی بیان کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف امن کا بلکہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دینے تک کا معاہدہ کر رکھا تھا اور جب مسلمان غزوہ خندق میں بری طرح پھنس گئے اور امید لگائی کہ بنی قریظہ اپنے معاہدے کا پاس کریں گے تو انہوں نے مسلمانوں کی پیٹھ پر چھرا گھونپ دیا اور اپنے تئیں مسلمانوں کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ اس سے بڑی غداری کی مثال اور کیا ہوگی؟ پہلے بھی کہا تھا غزوہ خندق سے پورا واقعہ پڑھیں اور الحادی عینک اتار کر پڑھیں۔

پھر آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لونڈیاں منسوب کیں اور بچے جننانے کی کوشش کی اور اس کے لئے صفی الرحمان مبارک پوری کے الفاظ کا پی کئے کہ "مشہور یہ ہے کہ نبی نے اپنے پاس لونڈیوں کو رکھا۔"

سبحان اللہ۔ "مشہور یہ ہے" یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کس قسم کا ثبوت ہے؟ یہی تو میں نے بھی عرض کی تھی کہ نبی کے بارے میں یہ باتیں مشہور کی گئی ہیں جن کا کوئی ثبوت کسی نے بیان نہیں کیا۔ نہ الرحیق المختوم میں صفی الرحمان نے کوئی ثبوت دیا نہ ابن کثیر نے۔ سب نے "مشہور ہے" کی ہی بات کی۔

کیا آپ جانتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لونڈی امیمہ بنت شراحیل کے نام سے بھی لائی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا مگر جب اس کے پاس گئے تو اس نے کہا۔ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ جس پر آپ نے فرمایا تمہیں پناہ دی جاتی ہے اور پھر صحابہ کرام کو باہر آ کر کہا کہ اسے اس کا سامان دے کر گھر بھجوا دو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ماریہ قبطیہ سے زبردستی تعلق استوار رکھا جا سکتا تھا تو امیمہ بنت شراحیل بھی تو بطور لونڈی ہی آئی تھی۔ اس کو کیوں گھر بھجوا دیا؟ پھر ماریہ قبطیہ کی نبی کے وصال کے بعد بھی پندرہ سال تک حیات رہیں مگر دوبارہ کسی اور سے نکاح نہ کیا۔ اگر لونڈی ہوتیں تو نبی کے وصال کے بعد آزاد تھیں جس سے مرضی نکاح کر لیتیں۔

حضرت صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا بھی بطور لونڈی ہی لائی گئی تھیں۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے پاس ان سے ہم بستری کی تو صحابہ نے آپس میں باتیں کیں کہ کیا نبی نے نکاح کیا ہے یا بطور لونڈی خلوت فرمائی ہے۔ جس پر کچھ صحابہ نے کہا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ کو پردہ کروائیں گے تو اندازہ ہو جائے گا کہ نکاح کیا ہے یا نہیں۔ پھر جب آپ نے ان سے پردہ کروایا تو صحابہ کو علم ہوا کہ آپ نے نکاح فرمایا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس خصوصیت پر صحابہ کرام نے صفیہ بنتِ حیی کو منکوحہ تسلیم کیا تھا وہ تو ماریہ قبطیہ میں بھی تھی۔ پھر وہ منکوحہ کیوں نہ ہوئیں؟ کیا یہی پیمانہ ہے کہ جس کے نکاح کی حدیث نہ ملے اسے لونڈی سمجھ لیا جائے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کا جائزہ لینے کے لئے امیمہ بنتِ شراحیل کی حدیث کافی نہیں؟

امام ابن کثیر نے اگر بیس لونڈیوں کے نام بتائے ہیں تو یقیناً ان حدیثوں کا حوالہ بھی دیا ہو گا جہاں سے انہوں نے یہ معلومات اخذ کیں۔ ان حدیثوں کا حوالہ دے دیں تاکہ میں بھی پڑھ لوں۔

امید ہے تسلی ہو گئی ہو گی۔ نہ ہوئی ہو تو دوبارہ بتایئے گا اور تسلی کروا دوں گا۔

○

غلامی

سورہ البقرہ آیت نمبر 177

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں ۱۷۷"

سورہ النساء 24_25

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ

عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾

"اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آجائیں (یہ حکم) خدا نے تم کو لکھ دیا ہے اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرلو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کردو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۲۴ اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں میں ہی جو تمہارے قبضے میں آگئی ہوں (نکاح کرلے) اور خدا تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کر کے نکاح کرلو اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کردو بشرطیکہ عفیفہ ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں پھر اگر نکاح میں آکر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) کے لئے ہے اس کی آدھی ان کو (دی جائے) یہ (لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی) اجازت اس شخص کو ہے

جے گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے ۲۵"

سورہ النساء۔ آیت نمبر 36

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾

"اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسائیوں اور اجنبی ہمسائیوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ خدا (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا ۳۶"

سورہ النور۔ آیت نمبر 32۔33

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

"اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے

خوش حال کر دے گا۔ اور خدا (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے ۳۲
اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاک دامنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرلو۔ اور خدا نے جو مال تم کو بخشا ہے اس میں سے ان کو بھی دو۔ اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔ اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کئے جانے کے بعد خدا بخشنے والا مہربان ہے ۳۳"

قرآن میں جگہ جگہ غلاموں کے حقوق اور ان سے نیک سلوک کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس سے ملحدوں نے اس غلط فہمی کو جنم دیا کہ شائد غلامی کا آغاز ہی اسلام سے ہوا۔ جبکہ یہ بات صریحا جھوٹ پر مبنی ہے۔

اسلام آنے سے پہلے غلام بنانے اور غلاموں کی خرید وفروخت ایک عام معمول تھا۔ بعض لوگ غلام پیدا ہوتے اور غلام ہی مرجاتے۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا جس کی مثال بلال رضی اللہ عنہ جنہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کروایا۔

اسلام میں غلامی کا تصور وہ نہیں ہے جو دنیا میں پہلے رائج تھا۔ اسلام کسی آزاد شخص کو خرید کر غلام بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام میں غلام کا صرف ایک ہی تصور ہے اور وہ ہے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شکست کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا۔ دوسرے لفظوں میں آپ انہیں جنگی قیدی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس پر بھی ملحدوں کو اعتراضات ہیں کہ ایسا بھی آخر کیوں ہیں۔

آیئے اس کی وجوہات پر بات کرتے ہیں۔

جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کے ساتھ آخر سلوک کیا کیا جائے؟

ا۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔

۲۔انہیں غیر مشروط طور پر آزاد کر دیا جائے۔

۳۔ان کے بدلے میں اپنے وہ قیدی آزاد کروا لیے جائیں جو دشمن کی قید میں ہوں۔

۴۔ان کے بدلے میں دشمن سے کوئی مالی فائدہ حاصل کر لیا جائے۔

۵۔انہیں غلام بنا کر رکھا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اب ان میں سے ہر نکتے پر تھوڑی گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔انہیں قتل کر دیا جائے۔

غلام کو قتل کرنے کا حکم اسلام میں قصاص کے طور پر ہے یعنی وہ جنگ لڑنے آیا تو مسلمانوں کو قتل کرنے کے ارادے سے ہی آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی آزاد شخص پر مسلمان کے قتل کا الزام ثابت ہو جائے تو کیا اسے چھوڑ دیا جاتا ہے؟ جی نہیں اسے بھی قصاص میں قتل ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ قانون غلاموں کے لیے خاص نہیں بلکہ ایک عمومی حکم ہے جو نہ صرف اسلام بلکہ پوری دنیا میں رائج ہے۔

۲۔انہیں غیر مشروط طور پر آزاد کر دیا جائے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ کیوں آزاد کر دیا جائے؟ تاکہ وہ دوبارہ قوت پکڑیں اور ایک بار پھر حملہ کریں مسلمانوں پر؟ وہ کرنے کیا آئے تھے؟ کیا ان کا مقصد جیتنے کی صورت میں مسلمان عورتوں کی عصمت دری اور مردوں اور بچوں کا قتل عام نہیں تھا؟ جنگی قیدیوں کو غیر مشروط طور پر آزاد کرنا ایک احمقانہ فعل ہے اور مسلمان احمق نہیں ہوتے۔

۳۔ان کے بدلے میں اپنے وہ قیدی آزاد کروا لیے جائیں جو دشمن کی قید میں ہوں۔

یہ دانشمندانہ اصول ہے جو پوری دنیا میں رائج ہے۔ سادہ حساب کہ ایک ہاتھ سے دو ہاتھ لو۔ ایک بندہ اپنا لے لو ایک بندہ ان کا دے دو۔ اس میں کیا بات قابل

اعتراض ہے؟

۴۔ان کے بدلے میں دشمن سے مالی یا علمی فائدہ حاصل کرلیا جائے۔

یہ وہ اصول ہے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا کہ جو قیدی دس صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا وہ آزاد ہو گا۔ ملحد عموماً مسلمانوں پہ ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کافروں سے اتنی نفرت ہے تو مسلمان ان سے علم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ ان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ علماء کے بچے تعلیم حاصل کرنے باہر کیوں جاتے ہیں؟ مسلمان علاج کی غرض سے کفار کی طبی سہولیات سے استفادہ کیوں حاصل کرتے ہیں؟ یہ غیر منطقی اعتراضات ہیں۔ جن کا نہ کوئی سر ہے نہ کوئی پیر۔ گویا کفار کے تعلیمی ادارے اور ہسپتال مسلمانوں کو فی سبیل اللہ سہولیات فراہم کرتے ہوں۔ یہ ایک سادہ کاروباری نکتہ ہے جس کی اسلام میں اجازت ہے۔ آپ کسی کافر کو وہ مال یا سہولت دیتے ہیں جو آپ کے پاس موجود ہے اور اس کے عوض اس سے وہ سہولت لے لیتے ہیں جو اس کے پاس موجود ہو۔ چاہے وہ علمی ہو یا طبی۔

۵۔انہیں غلام بنا کر رکھا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہ وہ آخری نکتہ ہے جس پر اعتراض ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر دشمن کے پاس اوپر درج کی گئی سہولیات میں سے دینے کو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ میں پہلے درج کر چکا کہ مسلمان احمق نہیں ہوتے کہ غیر مشروط طور پر غلام آزاد کر دیا جائے۔ اگر دشمن کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو تو پھر قیدی کو غلام بنا کر انتظار کیا جائے گا کہ یا تو دشمن کے پاس ہمارے فائدے کی کوئی چیز یا ہمارا کوئی مسلمان بھائی قید ہو کر چلا جائے تو اس کو اس سے بدل لیا جائے۔ ورنہ قرآن و حدیث میں ایسے اصول بھی موجود ہیں جن میں کئی کبیرہ گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے بھی غلام اچھے سلوک اور دوبارہ مسلمانوں سے محاذ آرائی نہ کرنے کے وعدے پر آزاد کر دیئے جاتے ہیں۔

اب چلتے ہیں ملحدوں کے پسندیدہ موضوع کی طرف یعنی لونڈی سے بغیر نکاح

ہمبستری اسلام میں کیوں جائز ہے۔

اس بات پر اعتراض کے دو ممکنہ طریقے ہیں۔

۱۔اعتراض بغیر نکاح کے ہمبستری پر کیا جارہا ہے یعنی اگر نکاح کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں؟

۲۔لونڈی کی مرضی کے بغیر اس سے زبردستی ہمبستری کرے۔

ان دو اعتراضات کے علاوہ کوئی اعتراض اس موضوع پہ بنتا نہیں ہے لہٰذا انہی کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔اعتراض بغیر نکاح کے ہمبستری پر کیا جارہا ہے یعنی اگر نکاح کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں؟

یہاں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا کہ اعتراض کرنے والا ملحد ہے جو سرے سے نکاح کو ہی نہیں مانتا لہٰذا اس کا تو یہ اعتراض کرنا بنتا ہی نہیں ہے۔کیا نکاح کے بغیر ہمبستری سائنسی لحاظ سے غلط ہے؟ یا منطقی لحاظ سے غلط ہے؟ یقیناً یہاں اعتراض دینی خیالوں پر کیا جارہا ہے اور کرنے والا بدقسمتی سے وہ جو کسی دین کو نہیں مانتا۔مگر چونکہ ہمارا کام ہے بغیر تخصیص کے جواب دینا لہٰذا اعتراض کرنے والے کی سوال کرنے کی قابلیت بالائے طاق رکھ کر جواب دیا جائے گا۔

اس بات کا جواب میں پہلے اپنی تحریر حلال اور حرام میں بھی دے چکا ہوں کہ حرام صرف وہ ہوتا ہے جسے اللہ یا اللہ کا رسول حرام قرار دیں۔ساری اخلاقیات کے سوتے یہیں سے نکلتے ہیں۔اگر ہم آج اپنی بہن سے نکاح اخلاقی اعتبار سے غلط سمجھتے ہیں تو یہ اخلاقیات ہمارے دلوں میں ڈالنے والا اللہ ہے۔جب حرمت کا حکم آ گیا تو اخلاقی اعتبار سے بھی اس کو غلط سمجھا جانے لگا۔جب حکم نہیں تھا تو آدم کے بیٹوں کا آدم کی بیٹیوں سے نکاح بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔گدھے کا گوشت پہلے کھایا جاتا تھا۔جس وقت احد کے موقعے پر گدھے کی حرمت کا حکم آیا تو دیگوں میں گدھے کا گوشت ہی پک رہا تھا۔لیکن

جب حرمت کا حکم آ گیا تو اخلاقیات کے تقاضے بدل گئے۔ آج مسلمان جانتے بوجھتے گدھے کا گوشت چکھ بھی نہیں سکتے۔ حالانکہ قرآنی اور طبی اعتبار سے گدھے کے گوشت کی کوئی خرابی نہیں۔ صرف بار برداری کے کام آتا تھا لہٰذا حرمت کا حکم آ گیا۔ اخلاقیات تو حکم ہی اللہ رہا ہے۔ ورنہ بغیر اللہ کے حکم کے کون سی اخلاقیات؟ کہاں کی اخلاقیات؟

کسی عورت سے ہمبستری سے پہلے نکاح کا حکم ہمیں اللہ نے ہی دیا ہے تو ہم نکاح کرتے ہیں۔ ورنہ میں نے کبھی کسی ڈاکٹر کے منہ سے نہیں سنا کہ اگر نکاح کے بغیر ہمبستری کی جائے گی تو بچے معذور پیدا ہوں گے۔ جس اللہ کے حکم پہ نکاح کیا جا رہا ہے اسی اللہ نے لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری کی اجازت دے دی تو یہاں دینی یا اخلاقی اعتراض تو بنتا ہی نہیں۔ اگر اللہ عام عورتوں سے نکاح کے بغیر ہمبستری کی اجازت دے دیتا تو کون مسلمان نکاح کرتا؟ ہم مسلمان اللہ کے حکم پر چلتے ہیں اور انہی پر اپنی اخلاقیات کی بنیادیں کھڑی کرتے ہیں۔ اگر کسی عورت سے بغیر نکاح کے ہمبستری غیر اخلاقی ہے تو یہ اخلاقیات الحاد نہیں سکھا رہا، اسلام سکھا رہا ہے۔ اسی اللہ کے حکم پر لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری اخلاقی طور پر غلط کیسے ہو گئی؟ پھر اللہ نے لونڈی سے ہمبستری میں بھی کھلی شہوت رانی کی اجازت نہیں دے رکھی کہ جیسے ملحد ابن عمر سے متعلق ضعیف احادیث دکھا دکھا کر شور مچاتے ہیں۔ لونڈی بھی صرف اپنے مالک کے لیئے حلال ہے نہ کہ سارے مسلمانوں کے لیئے۔ اوپر کی آیات کا ترجمہ پڑھ لیں تاکہ سارے اصول سمجھ آ جائیں۔ لونڈی کی بھی آزاد شہوت رانی منع ہے۔ جس طرح بیوی ایک مرد کے لیئے مخصوص ہوتی ہے اسی طرح لونڈی بھی ایک مرد کے لیئے مخصوص ہوتی ہے اور یہی مقصد نکاح کا بھی ہے کہ عورت کسی ایک مرد کے لیئے مخصوص ہو جائے۔

اب ایک ہی اعتراض باقی بچتا ہے۔

۲۔ لونڈی کی مرضی کے بغیر اس سے زبردستی ہمبستری کرنا۔

اس بات کی وضاحت بھی میں متعدد بار اپنی تحریروں میں کر چکا ہوں کہ لونڈی

سے بغیر نکاح کے ہمبستری اس کی سزا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت کسی مجرم کو سزا سنانے کے بعد اس سے اخلاقی طور پر بھی کبھی پوچھتی ہے کہ تمہیں یہ سزا منظور ہے یا نہیں؟ ایک چور کو دس سال قید با مشقت کی سزا دینے کے بعد کیا جج کو مجرم سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ تمہیں یہ سزا منظور ہے یا نہیں؟ کہیں ہم تمہارے ساتھ کسی زبردستی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ یا جنگ میں معاونت کے جرم میں پکڑی گئی ہے تبھی لونڈی بنی۔

پھر ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ جس ملک پہ مسلمان جنگ کے ذریعے قبضہ کرتے ہیں اس ملک کے تمام عوام غلام بنا لیئے جاتے ہیں۔ یہ محض غلط فہمی ہے جو پھیلائی جا رہی ہے ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان دنیا کے ستر فیصد رقبے پر حکمرانی کر چکے ہیں۔ کیا ساری دنیا کو غلام بنالیا گیا تھا؟ ہندوستان پہ محمد بن قاسم کی یلغار کے بعد کیا سب ہندوستانی غلام بن گئے تھے؟ جی نہیں۔ غلام صرف وہ بنایا جاتا ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا ہو یا کسی قسم کی مالی یا طبی معاونت کی ہو۔ یعنی جو شخص جنگ لڑا وہ۔ جس نے مال فراہم کیا وہ۔ یا جس خاتون نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور اپنی فوج کو طبی سہولت فراہم کی وہ۔ یا جن کا تعلق شاہی خاندان سے ہو ان کو غلام بنایا جاتا ہے۔ پوری عوام غلام نہیں بن جاتی۔

پھر طبقات الاسد اور سیرت ابن ہشام سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث بیان کی جاتی ہیں کہ وہ لونڈی خریدنے سے پہلے ان کے جسم ٹٹولا کرتے تھے۔ یہاں پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ طبقات الاسد اور سیرت ابن ہشام مسلمانوں میں کہاں رائج ہے؟ کیا مسلمان ان سے استفادہ کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں کرتے؟ طبقات الاسد اور سیرت ابن ہشام مسلمانوں کے بے بھروسہ ذرائع ہیں جو صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ تحقیق کون کرے گا کہ کیا صحیح ہے کیا غلط؟ صحیح احادیث کی کتابوں میں ایسی ایک بھی حدیث موجود نہیں جس میں یہ احادیث درج ہوں۔

○

ماضی، حال اور مستقبل

ذرا پلک جھپکیے۔ جھپک لی؟ اب یہ پلک جھپکنا آپ کا ماضی بن چکا۔

کیا آپ مجھے اپنی گھڑی میں دیکھ کر بالکل ٹھیک وقت بتا سکتے ہیں؟ سیکنڈز کے ساتھ؟

میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ کوشش کر دیکھیے۔

فرض کریں جس وقت میں نے آپ سے وقت پوچھا اس وقت 3 بج کر 25 منٹ اور 45 سیکنڈز ہوئے تھے۔ جس وقت آپ نے میرا جملہ سن کر وقت دیکھا اس وقت تک 3 بج کر 25 منٹ اور 50 سیکنڈز ہو چکے تھے۔ پھر جب آپ نے مجھے وقت بتایا اس وقت تک 3 بج کر 25 منٹ اور 55 سیکنڈز ہو چکے تھے۔

تو کیا آپ نے مجھے ٹھیک وقت بتا دیا؟

جی نہیں۔

اگر آپ نے مجھے وہ وقت بتایا جس وقت میں نے وقت پوچھا تھا تو آپ مجھے ماضی کا وقت بتا رہے ہیں۔ اور اگر وہ وقت بتا رہے ہیں جو آپ نے گھڑی میں دیکھا تو جھوٹ بول رہے ہیں کیوں کہ بتاتے بتاتے وہ وقت بھی ماضی بن چکا۔ اور اگر اپنی طرف سے پانچ سیکنڈز بتانے کے شامل کر کے وقت بتا دیں گے تو وہ تو میں نے آپ سے پوچھا ہی نہیں تھا۔ آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے وقت ماضی بن گیا اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔

وقت اصل میں ہے کیا؟

آپ کا ایک طویل ماضی۔
آپ کا متوقع طویل مستقبل۔

اور؟

اور بس۔

حال کا وجود کیا ہے؟
حال کو پکڑنا ممکن نہیں۔
اگر آپ نے اسے نوٹس کر لیا تو آپ کے نوٹس کرتے ہی وہ ماضی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور جو ماضی ہو چکا وہ حال کیسے ہو سکتا ہے۔ مستقبل کو ماضی بننے کے لئے صرف پلک جھپکنے کا وقفہ درکار ہے۔

آئن اسٹائن کے مطابق وقت دو چیزوں کی حرکت کے درمیانی وقفے کا نام ہے۔ جتنے عرصے میں زمین اپنے محور پر ایک چکر پورا کرتی ہے وہ دن کہلاتا ہے۔ جتنے عرصے میں چاند زمین کے گرد ایک چکر پورا کرتا ہے وہ ایک ماہ کہلاتا ہے۔ جتنے عرصے میں زمین سورج کے گرد اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے وہ ایک سال کہلاتا ہے۔

وقت کا پیمانہ ہمیشہ چیزوں کی حرکات رہی ہیں۔
پہلے ہم مٹی کی گھڑی استعمال کرتے تھے۔ جتنے وقت میں گلاس کے ایک طرف سے مٹی نکل کر دوسری طرف چلی جائے وہ پیمانہ بن گیا۔ ہم نے گول گھڑی پتہ نہیں کب ایجاد کی مگر یہ کائنات گول گھڑیوں سے بھری پڑی ہے۔ سب کا وقت مختلف۔

قرآن بھی ایسی ہی تشبیہات دیتا ہے۔
اللہ کے نزدیک ایک دن ایسا ہے جیسے ایک ہزار سال جو تم گنتے ہو۔ فرشتے اور ارواح چڑھتے ہیں ایک ایسے دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔
قرآن میں بھی وقت کا تعین حرکات سے ہے۔ اور حرکت ہر چیز کی مختلف۔
میں جب کالج میں تھا تو اس مستقبل کے متعلق خواب دیکھتا تھا جو میں اس وقت

گزار رہا ہوں۔ ہر انسان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

آپ کا مستقبل کب آپ کا ماضی بن جائے گا آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ
کی سب سے تیز رفتار چیز جس کا کسی سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ کیا کل اور کیا روشن کل کچھ
مت سوچیے بس جیتے جائیے۔ زندگی گزارتے جائیے۔

بچپن کچھ ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک صرف ایک لمحے کا سفر ہے
اسے اچھے کاموں میں گزاریں۔

○

انسان اور امتحان

کچھ ایسے اعتراضات ہیں جن کے جواب مانگے گئے ہیں۔

1۔ کیا صرف مسلمان ہی جنت میں جائیں گے؟

2۔ پھر مسلمانوں میں سے بھی صرف ایک ہی فرقہ جنت میں جائے گا؟

3۔ ہٹلر نے پانچ لاکھ افراد کو گیس چیمبر میں ڈلوا کر قتل کر دیا۔ کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

4۔ مشرک کون ہیں اور کیا مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟

5۔ اللہ کسی کو گناہ کرنے سے بزور طاقت کیوں نہیں روکتا تاکہ وہ جہنم سے بچ جائیں؟

6۔ کیا کسی امتحان کا ایسا پرچہ سیٹ کرنا عقل ہے جس میں ننانوے فیصد لوگ فیل ہو جائیں؟

7۔ اللہ نے تمام انسانوں کی ارواح پیدا کیں اور ان سے عہد لیا۔ اب جبکہ ہمیں عہد یاد ہی نہیں تو پاسداری کیوں ضروری ہے؟

8۔ جن لوگوں تک دعوت نہیں پہنچی کیا وہ بھی جہنمی ہیں؟

اب آجایئے جوابات کی طرف۔ سوالات چونکہ زیادہ ہیں لہٰذا مختصر مگر جامع جواب دینے کی کوشش کروں گا۔

1۔ کیا صرف مسلمان ہی جنت میں جائیں گے؟

جواب۔ عموماً لوگ مسلمان سے مراد امت محمدی لیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن تمام

...کو پس پشت ڈال کر کسی فرقے سے منسلک رہیں۔

اب یہاں بھی وہی بحث ہے۔ جو شخص اپنے فرقے کی محبت میں قرآن و حدیث کا ...ہم چھوڑ دے اس کے جنت میں جانے کا کیا جواز ہے؟

۵۔ ہٹلر نے پانچ لاکھ افراد کو گیس چیمبر میں ڈلوا کر قتل کر دیا۔ کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

جواب۔ جن صاحب نے یہ سوال پوچھا انہوں نے یہ بھی اعتراض کیا کہ ہٹلر کو ہمیشہ کی جہنم کا یہ جواز غلط ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہٹلر کو پانچ لاکھ مرتبہ اسی طرح قتل کی سزا ...دی جائے اور بس۔

اب یہاں سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہٹلر پانچ لاکھ افراد کو قتل کرنے کے جرم میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا یہ بات آپ نے کہاں سے اخذ کی؟

کیا یہ قرآن میں لکھا ہے یا حدیث میں؟

قرآن کے مطابق ہمیشہ کی جہنم صرف کافر اور مشرک کے لئے ہے (اس کی بھی وضاحت آگے آئے گی)۔

حدیث میں تو واقعہ موجود ہے کہ ایک شخص نے سو قتل کیے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل رحمت سے اسے معاف کر دیا۔ یہ واقعہ آپ کی ہٹلر والی مثال سے بالکل مختلف ہے۔

اللہ کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دینے والا۔ ہٹلر اگر ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتا ہے تو اس کی وجہ اس کا کفر اور شرک تو ہو سکتی ہے مگر پانچ لاکھ انسانوں کا قتل نہیں۔

قرآن کسی بھی مقام پر چوری۔ زنا۔ قتل اور دیگر برائیوں پر ہمیشہ کی سزا کی وعید لکھتا۔ مگر کوئی شخص قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ کافر یا مشرک بھی ہو تو اس جرم میں یقیناً ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔

جنتی شخص اور جہنمی شخص کا جو معیار آغاز میں بنا دیا گیا وہ آج بھی ایک سا ہے

آغاز میں معیار کیا تھا؟

ابلیس کو کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس نے نہیں کیا۔ اللہ کی نافرمانی کی۔ آدم علیہ السلام کو کہا اس درخت کا پھل مت کھانا۔ انہوں نے کھا لیا۔ اللہ کی نافرمانی کی۔

فرق کیا ہے؟ نافرمانی تو دونوں نے کی؟

فرق صرف یہ ہے کہ ابلیس نے نہ صرف غلطی کی بلکہ بہانگ دہل اس غلطی کی اصلاح کرنے اور شرمندہ ہونے سے انکار کر دیا۔ اسے بغاوت کہتے ہیں۔ جبکہ آدم علیہ السلام کو جیسے ہی غلطی کا احساس ہوا۔ انہوں نے فوراً توبہ کر لی۔

یہ سادہ سا کلیہ ہے۔ فیصلے آج بھی اسی کلیئے پر ہوتے ہیں اور آئندہ بھی اسی پر ہوں گے۔ ایک شخص جانتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ مگر وہ اصلاح نہیں کرتا۔ ضد پہ اڑ جاتا ہے اور اسی حال میں مر جاتا ہے۔

اس کے جہنم میں جانے کا ذمے دار کون ہے؟ اللہ یا وہ خود؟

4- مشرک کون ہیں اور کیا مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔

سورہ النساء آیت 48

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

"اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا ۴۸"

شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا کہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا۔ اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی کہ جس نے شرک کیا اس نے بڑا بہتان باندھا

اگر آپ غور کریں تو دنیا میں تمام برائیوں کے سوتے شرک سے ہی پھوٹتے ہیں۔ دنیا حاصل کرنے کی خواہش انسان کو ایسے در پر جھکا دیتی ہے جس میں پاکیزگی کی جگہ غلاظت لے لیتی ہے۔ اپنے تیار کردہ بتوں کو خوش کرنے کے لئے زمین پر ایک فساد برپا کیا جاتا ہے۔ اپنی دنیاوی خواہش کے حصول کی خاطر دوسرے انسان کی قربانی دی جاتی ہے یعنی ہر برائی کا آغاز اسی شرک سے ہوتا ہے۔

پھر جیسے کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ اصل جرم گناہ کا کرنا نہیں بلکہ اس پر ڈٹ جانا ہے۔ اس کو بغاوت کہتے ہیں۔ کفر و شرک بغاوت کے زمرے میں آتے ہیں کہ انسان جیسی صاحب شعور مخلوق محض کچھ وقتی فائدوں کے لئے جانتے بوجھتے حقیقی خدا کا انکار کر کے ایسے در پر سر جھکا دے جسے خود اس کی اپنی عقل تسلیم کرنے سے قاصر ہو۔ یہاں معاملہ لاعلمی کا نہیں بلکہ علم رکھنے کے باوجود کفر کا ہے۔ اسی لئے اس جرم کی معافی نہیں رکھی گئی۔

S-اللہ کسی کو گناہ کرنے سے بزور طاقت کیوں نہیں روکتا تا کہ وہ جہنم سے بچ جائیں؟

جواب۔ اللہ اگر چاہے تو اس دنیا سے گناہ کو مٹا دے اور عبادات کو بزور عام کر دے۔ پھر کسی کی مجال نہیں کہ دنیا میں کوئی فساد برپا کر سکے۔

مگر یہاں سوال یہ ہے کہ اس طرح کی غیر اختیاری مخلوق جو گناہ پر ہی قادر نہ ہو بلکہ صرف عبادات کرتی ہو کیا پہلے موجود نہ تھی؟ بالکل موجود تھی اور موجود ہے۔ اللہ کے فرشتے اللہ کے مکمل مطیع و فرماں بردار ہیں۔ ان کا کام اللہ کا حکم بجالانا اور اللہ کی عبادات کرنا ہے۔ پھر دوبارہ انسان کے روپ میں ایک نئی مخلوق انہی خصوصیات کے ساتھ پیدا کر دی جاتی تو اس کا جواز کیا تھا؟ کیا فرق ہوتا فرشتے میں اور انسان میں؟

ایک شخص کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگا دیجیے۔ پھر اپنے کام میں لگ جایئے۔ شام کو واپس آئیں گے تو وہ شخص بندھا ہوا ملے گا اور سونے

چاندی کے ذخیرکو اس نے چھوا بھی نہیں ہوگا۔ کیا وہ شخص قابل تعریف ہے کہ اس نے چھوا نہیں کی؟ اب آپ اسے انعام واکرام سے نوازیں گے؟

معذرت کے ساتھ اس قسم کی بے ڈھنگی پلاننگ اور امتحان کوئی انسان ہی سوچ سکتا ہے۔ خدا کو یہ زیب نہیں دیتا۔ اللہ آپ کو علم عقل اور ہدایت کے ذریعے برائی سے بچا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ طاقت صرف اس صورت میں استعمال کی جائے گی جب الہٰی پلاننگ میں کسی بڑی تبدیلی کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ بصورت دیگر صرف انبیاء کے ذریعے ہدایت آپ کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ آپ قبول کریں یا رد کریں آپ کی مرضی۔

اسی پر جزا و سزا ہے۔

6- کیا کسی امتحان کا ایسا پرچہ سیٹ کرنا منطقی ہے جس میں ننانوے فیصد لوگ فیل ہو جائیں؟

جواب۔ یہاں پہلا سوال تو یہ بنتا ہے کہ کیا واقعی امتحان اتنا مشکل ہے؟ جی نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس امتحان میں فیل صرف وہ ہو سکتا ہے جو سرے سے امتحان دینے سے ہی انکار کر دے۔

فرض کیجیے آپ کو ایک امتحان گاہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک پرچہ رکھا جاتا ہے کہ اسے حل کرو۔ آپ کے سامنے کتابیں کھول دی جاتی ہیں کہ لو ان سے نقل کر لو۔ پھر ہر چند منٹ بعد کسی کو آپ کی مدد کے لئے امتحان گاہ کے اندر بھیج دیا جاتا ہے جو آپ کی بھرپور مدد کرتا ہے۔ آپ غلطی کرتے ہیں تو محض اتنا تقاضہ کیا جاتا ہے کہ اسے ستا کر معافی مانگ لو۔ پھر غلطی کرو پھر معافی مانگ لو۔ پھر غلطی کرو پھر معافی مانگ لو۔ کروڑ ہا بار غلطی کرو کروڑ ہا بار معافی مانگو۔ تم پھر بھی پاس ہو جاؤ گے۔

پھر فیل ہو جانے کا جواز کیا بچتا ہے؟

آپ کا کہنا یہ ہے کہ خود آپ امتحان دینے کو تیار نہیں مگر اسی امتحان گاہ میں جو

دوسرے لوگ موجود ہیں ان کے لیے مصیبت کھڑی کر رہے ہیں۔ جو امتحان دینا چاہتے ہیں ان کو امتحان دینے سے روک رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں وسوسے ڈال رہے ہیں کہ یہ امتحان گاہ ایک جھوٹ ہے۔ یہ ممتحن جھوٹا ہے۔ جو مدد گار آ رہے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ اور جو امتحان دینے بیٹھے ہیں وہ سب کے سب بے وقوف ہیں۔ تو کیا سزا ہونی چاہیے پھر آپ کی؟ یقیناً جو شیطان کی سزا وہ آپ کی۔ کیوں کہ جو کام شیطان نے کرنا ہے وہی آپ کر رہے ہیں۔ آپ کو لگتا ہے یہ امتحان غیر منطقی ہے؟ مجھے آپ کی تبلیغ غیر منطقی لگتی ہے۔ کس کا پرچار کر رہے ہیں؟ سائنس کا؟

جب آپ کو یقین ہے کہ خدا نہیں ہے تو ڈر کس بات کا؟ آپ خود بخود پیدا ہوئے۔ خود بخود مر جائیں گے۔ کہانی ختم۔ پھر اگر کوئی خدا ہوا تو وہ آپ کو خود ہی اٹھا کر کھڑا کر دے گا۔ نہ ہوا تو نہ کھڑا کرے گا۔

آپ کی تبلیغ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خالی ریڑھی لے کر سخت مشقت میں سارے بازار میں صبح سے شام تک گھوم رہا ہے۔ ہر تھوڑی دیر بعد آواز لگاتا ہے "پچاس روپے کلو پچاس روپے کلو"۔ جب کوئی پوچھتا ہے کہ تم کیا بیچتے ہو پچاس روپے کلو جبکہ ریڑھی پہ تمہاری کچھ بھی نہیں۔ جواب میں آپ کہہ رہے ہو کہ میں پچاس روپے کلو میں کچھ بھی نہیں بیچ رہا۔

جب خدا نہیں ہے اور ہر ایک نے مر کر مٹی ہو جانا ہے تو خدا کے خلاف یہ تبلیغ کس لیے؟ اور اگر خدا ہے اور آپ لوگوں سے یہ جھوٹ بولیں کہ خدا نہیں ہے تو ہمیشہ کی جہنم کا فکر کیوں؟ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کرتوت آپ کے غلط ہیں یا خدا کی پلاننگ؟

7۔ اللہ نے تمام انسانوں کی ارواح پیدا کیں اور ان سے عہد لیا۔ اب جبکہ ہمیں وہ عہد یاد ہی نہیں تو پاسداری کیوں ضروری ہے؟

جواب۔ یہ عہد آپ کو یاد ہو نہ ہو مگر انسان میں اس کو سمجھنے کی صلاحیت ڈالی گئی

ہے۔ انسان کو اتنی عقل دی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص اس کائنات کو دیکھ کر خدا کا انکار ہی نہیں سکتا۔

ایک چرواہا جانوروں کے معاملات دیکھ کر خدا کو پہچانتا ہے۔ ایک لکڑہارا درختوں اور پودوں کو دیکھ کر خدا کو پہچانتا ہے۔ ایک کسان ایک بیج سے اگنے والے پودے کے معاملات دیکھ کر خدا کو شناخت کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر انسانی جسم میں نصب مشینری کو دیکھ کر پختہ یقین کرتا ہے۔ ایک سائنسدان کائنات کے راز سمجھ کر خالق کو پہچانتا ہے۔

انسان تو انسان کہلانے کے لائق ہی نہیں جب تک اپنے رب سے روشناس نہ ہو۔ جتنی مرضی ضد لگا لے۔ جتنا مرضی ہٹ دھرم ہو۔ اس کا اپنا دل گواہی دے گا کہ خدا کا یہ انکار محض ایک جھوٹ ہے۔ خدا کی دنیا میں جہاں قدم رکھیں گے خدا اپنے ہونے کا یقین دلائے گا۔

آپ کہتے ہیں آپ کو وہ عہد نامہ یاد نہیں؟ میں کہتا ہوں وہ عہد نامہ انسانوں کے دلوں پہ نقش کر دیا گیا ہے۔

8۔ جن لوگوں تک دعوت نہیں پہنچی کیا وہ بھی جہنمی ہیں؟

جواب۔ اگر کوئی شخص روزِ آخرت میں اللہ کے روبرو کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کر دے کہ مجھ تک دعوت نہیں پہنچی۔ اور نہ ہی مجھے اتنی عقل دی گئی کہ میں خدا کے وجود کو سمجھ پاتا۔ پھر اپنے اس دعوے کو ثابت بھی کر دے تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

مگر یہاں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ آپ روزِ آخرت کی اللہ کی عدالت، انسانوں کی عدالت پہ قیاس کر رہے ہیں کہ جہاں آپ اپنے آپ کو پاگل بے وقوف یا احمق قرار دے کر سزا سے بچ جائیں گے۔ یاد رکھیں آپ کی جس عدالت میں پیشی ہونی ہے اس خدا کی عدالت ہے جس نے آپ کا انگ انگ بنایا ہے۔ آپ کو عقل اسی نے دی۔ آپ اسی کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو پاگل ثابت کر سکیں تو ضرور کر دیجیے گا۔ میری طرف سے آپ کو کھلی چھوٹ ہے۔

اللہ نے کوئی قوم ایسی پیدا نہیں کی جس کی طرف نبی نہ بھیجا ہو۔ چائنیز ہوں یا ہندوستانی۔ امریکی ہوں یا جاپانی۔ انبیاء ہر قوم پر آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کا ذکر الہامی کتابوں میں نہیں آیا۔ جس وقت انسان کا انسان سے رابطہ مشکل تھا اس وقت اس زمین پر ایک ایک وقت میں کئی کئی انبیاء مختلف خطوں میں پیغام پہنچانے کا کام کرتے تھے۔

اب جب کہ انسان کا انسان سے رابطہ اتنا آسان ہو گیا ہے تو اس بات کا انکار کیا کیسے جا سکتا ہے کہ مجھ تک خبر نہ پہنچی؟

۹۔ کیا جنت میں انسان بور نہیں ہو جائے گا؟

جواب۔ یہ سوال صرف اس دماغ میں پیدا ہو سکتا ہے جس کے لئے جنت محض چراگاہوں تک محدود ہوگی۔ بس انسان وہاں پھل فروٹ کھاتا رہے گا۔ اپنی بیویوں سے ہم بستری کرتا رہے گا اور آرام کرے گا۔

معذرت کے ساتھ میں اس کا قائل نہیں۔

ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی پر قیاس کر کے اپنی آنے والی زندگی کے متعلق اندازے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ کا واضح اعلان ہے کہ جنت میں انسان کو وہ نعمتیں عنایت کی جائیں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا۔ نہ کسی کان نے کبھی سنا۔ نہ کسی دل میں ان کا خیال آیا۔ ملحدوں کے خیال میں سیکس دنیا کی سب سے بڑی عیاشی ہے۔ لہٰذا جنت کا ذکر کرتے وقت ان کی سب سے زیادہ توجہ سیکس پر ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سیکس کے متعلق ہم جانتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ سنتے ہیں۔ ہمارے دل تک اس کا خیال بھی موجود ہے۔

تو وہ کون سی نعمتیں ہوں گی۔ جن کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے؟

اگر اس دنیا میں ہمیں سیکس کی لذت سے روشناس نہ کروایا جاتا تو کیا ہم اس کی کوئی توضیح کرنے کے قابل تھے؟ کیا ہم اس کے بارے میں سوچ سکتے تھے؟ مجھے یقین

آتا کہ کائنات کی وسعتوں کو دیکھنے کے باوجود انسان خدا کی طاقتوں اور اس کی عظمت کا اندازہ لگانے سے کیوں قاصر ہے؟

ایک کنویں کا مینڈک سمندر کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس دنیا کو کنواں سمجھیے جنت کو سمندر۔ تب بات سمجھ آئے گی۔

انسان کو عقل کے ساتھ پیدا کر کے اس کی فرماں برداری کا امتحان لینے سے اللہ تعالیٰ انسان سے آگے کیا کام لینے والا ہے۔ یہ اندازہ ہم آج نہیں لگا سکتے۔

○

انسانی جبلت

الحاد میں کچھ سوال پوچھے جاتے ہیں کہ مغرب کے لوگ خواتین کے اتنے دلدادہ نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی خاتون بے لباس بھی ہو جائے تو وہ نگاہیں پھیر لیتے ہیں۔ یہ مومن ہی چسکولے ہوتے ہیں کہ ذرا عورتوں کی ٹانگیں نظر آ گئیں اور لٹو ہو گئے۔

یہ بات سو فیصد درست ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں۔

اگر آپ آج سے ہزاروں سال پیچھے چلے جائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس دور کا انسان کپڑوں کے جھنجھٹ سے آزاد تھا۔ عورتیں مردوں کے سامنے بے حجاب گھومتی تھیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ یعنی یہ مسئلہ اس وقت تھا ہی نہیں۔ جس کا جب دل کرتا تھا کسی بھی عورت سے اپنی ہوس پوری کرتا تھا بعد میں حاجی بن جاتا تھا۔ پورن انڈسٹری کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ ہر طرف پورن ہی پورن۔ کسی کا کسی سے کوئی پردہ نہیں تھا۔

شرافت میں وہ لوگ اہلِ مغرب سے کئی گنا آگے تھے۔ کیوں کہ جو معیار الحاد دنیا کو سکھا رہا ہے اس کی رُو سے مہذب قوم وہی ہوتی ہے جس کے سامنے عورت نیکر پہن کر بھی آ جائے تو وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ دنیا کے آغاز کے جس انسان کی میں بات کر رہا ہوں ان کے سامنے تو عورتیں بغیر کپڑوں کے گھومتی تھیں اور وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔

تو کیا وہ لوگ اہلِ مغرب سے زیادہ تہذیب یافتہ نہ تھے؟

بالکل تھے۔ کیوں کہ آج اگر مغرب میں بھی کوئی عورت سرتاپا برہنہ ہو کر سڑک پہ آ جائے تو اہلِ مغرب بھی اسے ایسے ہی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے جس طرح اہلِ

مشرقی عورتوں کی آنکھیں دیکھتے تھے۔

اس بنیاد پر تو میڈیکل کی فیلڈ میں شوگر کی بیماری کا بہترین علاج دریافت کیا جا سکتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جتنا شوگر کے مریض پر میٹھا کھانے کی پابندی عائد کرو اتنی اس کی میٹھا کھانے کی طلب بڑھتی ہے۔

تو کیوں نہ اسے مٹھائی کی دکان میں بند کر دیا جائے جہاں ٹھونس ٹھونس کر مٹھائی کھلائی جائے؟

جب وہ کھا کھا کر سیر ہو جائے گا تو اسے خود ہی مٹھائی سے نفرت ہو جائے گی۔

دل کے مریض کو ڈاکٹر مرچوں سے پرہیز بتاتا ہے۔ اتنا ہی وہ مرچوں کے لئے تڑپتا ہے۔ کیوں نہ ایک ہی بار اس کے سامنے ایک کلو ہری مرچوں کا ڈھیر لگا دیا جائے؟ سیر ہو کر کھائے۔ بعد میں جی بھر جائے گا؟

یہ دونوں معاملات اپنی اپنی جگہ حقیقت ہیں۔ جس چیز پر پابندی ہو انسانی طبع اس چیز کی طرف جلدی مائل ہوتی ہے۔ اور جس چیز کی فراوانی ہو وہ چاہے جتنی بھی دلکش ہو۔ انسان اس سے اکتا جاتا ہے۔

شیر کا جب پیٹ بھرا ہو تو باقی جانور آزادانہ اس کے پاس سے گزر سکتے ہیں۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شریف ہو گیا ہے۔ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ جب دوبارہ بھوک لگے گی تو اس سے بڑا درندہ کوئی نہیں۔

اس اصول سے کیا اسلام واقف نہیں تھا؟

ذرا حدیث ملاحظہ فرمایئے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

''حضرت ابو کثیر انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہ جس کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے اور دل سے اس کی طرف ملتفت ہو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے قربت کرے کیونکہ اس کا یہ عمل اس کے دل کے وسوسوں کا ازالہ کر دے گا۔''

اسلام کوئی حکم فطرت کے خلاف نہیں دیتا۔ صرف ایک جائز راستے تک محدود
رہنا ہوتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ امریکہ میں 83% لڑکیاں جن کی عمریں 12 سے 16 سال
کے درمیان ہوتی ہیں وہ اپنے اسکولوں میں ہی جنسی زیادتی کے تجربے سے گزر جاتی ہیں؟

امریکہ آج سے تین چار سال پہلے جنسی زیادتیوں کے معاملے میں دنیا میں نمبر 1
تھا۔ اب تیسرے نمبر پر آ گیا ہے۔ برطانیہ جیسے مہذب ملک میں ہر پانچویں عورت جنسی
زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔ اس کے لئے عمر کی بھی کوئی قید نہیں۔ جس 59 سالہ خاتون کو
ہمارے یہاں ماں جی کہہ کر پکارا جاتا ہے برطانوی اسے بھی نہیں چھوڑتے۔ برطانوی خاتون
کی عمر چاہے 16 سال ہو یا 59 سال کی بڑھیا ہی کیوں نہ ہو۔ لوٹنے والے لوٹ لیتے ہیں۔

امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور کینیڈا۔ یہ دنیا کی وہ مہذب اقوام ہیں جنہیں
عورتوں کی ٹانگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کی دلچسپی کا معیار بہت "اعلیٰ" ہے۔

اس وقت کی تازہ رپورٹ کے مطابق جنسی جرائم کی ٹاپ ٹین لسٹ یہ ہے:

1۔ ساؤتھ افریقہ — 2۔ سویڈن
3۔ امریکہ — 4۔ برطانیہ
5۔ بھارت — 6۔ نیوزی لینڈ
7۔ کینیڈا — 8۔ آسٹریلیا
9۔ زمبابوے — 10۔ ڈنمارک

یہ وہ ممالک ہیں جہاں بلا مبالغہ ہر تیسری عورت جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔
یہ جاننے کے بعد یہ کہنا کہ یہاں عورتوں کی ٹانگیں نہیں دیکھی جاتیں؟ انہیں ضرورت کیا ہے
ٹانگیں دیکھنے کی؟

○

بن مانگے موتی ملیں۔۔۔

ایک بار ایک سوداگر شہر آیا جس کے پاس کچھ مال تھا۔ ایک تاجر نے اس سے پوچھا کہ "تمہارے پاس کیا مال ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "میرے پاس دنیا کا بہترین مال ہے جس کی قیمت صرف سو روپے ہے مگر ایک شرط ہے۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" تاجر نے پوچھا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ سودا بغیر دیکھے ہوگا اور اگر دیکھنے پہ اصرار کیا یعنی مجھ پہ بھروسہ نہ کیا تو اس مال کی مکمل قیمت ادا کرنی پڑے گی۔" سوداگر نے جواب دیا۔

تاجر کو اس کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ مسلسل اصرار کرتا رہا کہ اسے سودا دکھایا جائے ورنہ وہ بغیر دیکھے سودے کی قیمت سو روپے بھی ادا کرنے سے قاصر ہے۔

سوداگر نے اسے بہت سمجھایا کہ نادان بندے مجھ پہ بھروسہ کر لے۔ تو نقصان میں نہیں رہے گا۔ مگر تاجر نہ مانا۔ آخر تنگ آ کر سوداگر نے اپنے مال کے بورے کھولنے شروع کیئے۔

کھرے سونے کی بڑی بڑی اینٹیں۔ لعل۔ یاقوت اور ہیرے جواہرات کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ تاجر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اتنی بڑی مقدار میں، اتنا قیمتی مال اس نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا اور یہ سب کچھ اسے صرف سو روپے میں مل سکتا تھا۔ مگر وہ بھروسہ نہ کر پایا۔ اب شرط کے مطابق یا تو اسے اس مال کی مکمل قیمت ادا کرنی تھی یا سودا منسوخ کرنا تھا۔

[illegible] ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس پوری بستی کا مال جمع کر لیا جاتا تو اس سے پھر سے محل کی ایک اینٹ کی قیمت ادا نہ ہو پاتی۔ نتیجہ یہ کہ وہ اس مال سے محروم ہو گیا۔

یہ مثال میں نے خصوصی طور پر اپنی ان ماؤں اور بہنوں کے لیے دی ہے جو شیطان کے بہکاوے میں آ کر اپنے رب کی منصف مزاجی پر سوال کھڑے کر دیتی ہیں۔

جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟

کیا عورتیں جنت میں بھی ایک مرد کے تصرف میں دے دی جائیں گی؟

دنیا میں سوکن کی شراکت سہنے والی عورت کیا جنت میں حوروں کو برداشت کرے گی؟

یہ وہ سوال ہیں جن کے پوچھتے ہی جنت حرام ہو جاتی ہے کجا یہ کہ ان کا جواب دیا جائے۔ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ اپنی رضا سے جنت کی کچھ چیزوں کے بارے میں ہمیں قرآن میں بتا دیتا ہے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ جو یہ سوال پوچھے کیا اس کو اپنے رب کی منصف مزاجی پہ بھروسہ ہے؟

اور جس کو اپنے رب کی ہی منصف مزاجی پہ شک ہو کیا وہ جنت میں جائے گا؟

اعمال؟ کون سے اعمال؟

ایک مومن بندہ اپنی پہلی سانس سے لے کر آخری سانس تک ہر لمحہ عبادت میں رہے تو ان نعمتوں کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہے جو دنیا میں اسے اللہ نے من مانگے دے رکھی ہیں۔ پھر جنت کا سوال کس بل بوتے پہ؟

جنت اللہ کی خاص رحمت سے ملے گی۔

جنت اللہ کی محبت میں پنہاں ہے۔

جنت اللہ کے خوف کا بدل ہے۔

اے میری ماؤ بہنو! خدارا جنت کی قیمت ادا کرنے کے بارے میں مت سوچو کہ ہماری اتنی اوقات ہی نہیں۔ اپنے رب پہ بھروسہ کرو۔ ورنہ پچھتاوہ مقدر بن جائے گا۔

○

پنک کلر کی گڑیا

راحت علی ہاسپٹل کے زچہ بچہ وارڈ کے باہر بڑی بے چینی سے کھڑے تھے۔ ان کی زندگی میں بہار آنے والی تھی اور انہیں اس بہار کا بے صبری سے انتظار تھا۔ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے انہیں پہلے ہی پتہ تھا کہ آنے والا کوئی فرشتہ نہیں بلکہ ننھی پری ہوگی۔ مگر وہ خوش تھے۔ بہت خوش۔ اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے میں مصروف تھے۔ معمولی نوکری تھی۔ جمع پونجی کچھ خاص نہیں تھی۔ جو بچی ابھی اس دنیا میں آئی نہیں تھی اس کے کپڑے خریدے جا چکے تھے۔ اس کے فیڈر سے لے کر ہیمپر تک ہر چیز خریدی جا چکی تھی۔
دوائیوں اور ہسپتال کے سارے اخراجات ملا کر اب تک تقریباً بیس ہزار روپے خرچ ہو چکے تھے۔ انہوں نے دس ہزار تک کا تخمینہ لگایا ہوا تھا۔ مزید پیسے ایک دوست سے ادھار پکڑے تھے۔ کوئی بات نہیں خوشی کے موقعوں پر اتنا خرچ تو ہو ہی جاتا ہے۔

پھر ایک خوش خبری اور ساتھ ہی نرسوں اور آیاؤں کی قطار۔ سب کی تھوڑی تھوڑی خدمت ضروری تھی۔ سب کو مٹھائی کے پیسے دیے تو ایک ننھی منی سی پری کو گود میں لینا نصیب ہوا۔ گود میں لیتے ہی کلیجے کو ٹھنڈ پڑ گئی۔ پیسے پورے ہو گئے۔

آج راحت علی صاحب کی بیٹی کی پہلی سالگرہ تھی۔ زیادہ خرچ افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ آفس سے کچھ پیسے ایڈوانس پکڑ کر ایک چھوٹی سی پارٹی رکھی تھی۔ کچھ اپنے رشتے دار کچھ بیگم کے اور بس۔

"آپ کی سارہ کو محبت ہو گئی ہے۔" بیگم کے جملے نے راحت علی صاحب کو ہلا دیا۔ بچیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔

"کون ہے وہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"غلام مصطفیٰ کا بیٹا احسن۔ اس کے کالج میں ساتھ پڑھتا ہے۔" بیگم نے ہم بتایا اور راحت علی صاحب کے قدموں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ غلام مصطفیٰ ان کے گاؤں کا سب سے بدنام شخص تھا۔ پرائز بونڈ کی پرچیوں کے حرام کاروبار سے چلنے والا یہ شخص آج دنیا میں ایک مقام حاصل کر چکا تھا۔

"سارہ کو پیار سے سمجھا دو۔ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔" انہوں نے فیصلہ سنایا۔

"بابا! آپ کون ہوتے ہیں میری قسمت کا فیصلہ کرنے والے؟ احسن میری محبت ہے اور میں اپنی محبت پہ کمپرومائز کرنے کے لئے تیار نہیں۔ میں نئے زمانے کی پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ کوئی بھیڑ یا بکری نہیں جسے آپ اپنی مرضی سے کسی بھی کھونٹے سے باندھ دیں گے۔ اگر آپ اپنی مرضی سے میری شادی احسن سے نہیں کریں گے تو میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی۔" سارہ کا جواب دوٹوک تھا۔

ایک پڑھی لکھی بیٹی کے آگے باپ لاجواب ہو چکا تھا۔ زبان گنگ تھی۔ سارہ اپنا فیصلہ سنا کر واپس اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور راحت علی صاحب کو ہکا بکا چھوڑ گئی تھی۔

اگلے دن صبح لوگوں کو کمرے سے ایک باپ کی لاش ملی۔ جس کی زندگی کا سارا سرمایہ ڈوب چکا تھا۔ موت کا سبب دل کی دھڑکن کا بند ہو جانا تھا۔ لاش کے پاس ایک گڑیا پڑی تھی۔ پنک کلر کی گڑیا۔

○

جہنم کی سزا

ایک سوال آج کل لوگوں میں بڑا رائج ہے کہ جب خدا اپنے بندوں سے محبت
کرتا ہے تو انہیں جہنم میں کیوں گرائے گا؟ وہ بھی ہمیشہ کی جہنم۔
پھر ایک خیال یہ بھی ہے کہ اصل کام انسانیت کی خدمت ہے نہ کہ خدا کو ماننا۔ تو
جو شخص خدا کو نہ مانتے ہوئے انسانیت کی خدمت میں مشغول ہے تو کیا وہ بھی جہنم میں
جائے گا؟ کیا یہ انصاف ہوگا؟

جواب: سب سے پہلے تو اس نکتے کو اچھی طرح دل و دماغ میں بٹھا لیں کہ اس
دنیا میں جو بھی زندگی آپ کو ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ آپ بادشاہ ہوں یا فقیر۔
صاحب اولاد ہوں یا بے اولاد۔ صحت مند ہوں یا معذور۔ یہ فیصلہ اللہ کرتا ہے اور انسان اس
فیصلے کو قبول کرتا ہے۔ مگر اس کے بعد آنے والی زندگی میں کون جنت میں جائے گا اور
کون جہنم میں۔ یہ فیصلہ اللہ نہیں کرتا بلکہ انسان خود کرتا ہے۔ اپنے عمل کے ذریعے۔ اللہ
انسانوں کے کیے گئے اس فیصلے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل درآمد کرواتا ہے۔ اب
ملاحظہ کیجیے۔

اس موضوع کو ہمیں انسانیت کے آغاز سے سمجھنا پڑے گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں:

سورۃ البقرہ 34 سے 37
وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا
اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ
﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ
﴿٣٧﴾

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا ۳۴ اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۳۵ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے ۳۶ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے ۳۷"

اب یہاں دو باتیں توجہ طلب ہیں۔

ابلیس کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اس نے نہیں کیا۔ یہ اللہ کی حکم عدولی تھی۔

آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ایک درخت کا پھل نہیں کھانا۔ انہوں نے کھا لیا۔ یہ بھی حکم عدولی تھی۔

فرق کیا تھا؟

صرف توبہ اور تکبر کا۔

ایک نے تسلیم کیا کہ غلطی میری ہے اور پھر اپنی غلطی کی معافی مانگ لی۔ توبہ

ی۔دوسرے نے کہا غلطی میری نہیں خدا کی ہے۔ اگر خدا نہ چاہتا تو میں یہ غلطی نہ کرتا۔ یعنی بجائے اس کے کہ اپنی غلطی تسلیم کرتا۔ الٹا الزام خدا پر ڈال دیا۔ اسے کہتے ہیں تکبر۔ یہ وہی عمل ہے جو طرین میں پایا جاتا ہے۔

اس دن سے لے کر آج تک انسان کی اور شیطان کی ایک جنگ جاری ہے۔ شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس میں قصور وار تم نہیں بلکہ خدا خود ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو تم گناہ گار نہ ہوتے۔ مگر اللہ کے مومن بندے اس کے اس جال میں نہیں پھنستے اور توبہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹے جب تک تم مجھ سے دعا کرتے رہو گے اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھو گے میں تم کو معاف کرتا رہوں گا جو گناہ بھی تم نے کئے ہوں گے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں (تم نے کتنے گناہ کئے)۔ اے آدم کے بیٹے، اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم مجھ سے معافی طلب کرو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹے، اگر تم زمین کے برابر گناہوں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کرو لیکن جب تیری مجھ سے ملاقات ہو تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں تیرے پاس ان گناہوں کے برابر بخشش کے ساتھ آؤں گا۔ (ترمذی)"

پچھلی قرآنی آیت اور اس حدیث میں یہ بات واضح کی جا رہی ہے کہ جہنم میں جانے والوں کا اصل جرم گناہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس گناہ پر ڈھٹائی اختیار کر لینا ہے۔ اسی طرح جنتیوں کی اصل خصوصیت یہ نہیں کہ وہ گناہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی اصل خصوصیت گناہ کے بعد توبہ کر لینا ہے۔

اب اس میں جنت کا حصول کتنا آسان ہے۔

انسان خطا کار ہے یہ بات اس کے خالق سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ اسی لئے

بجز خطاؤں کے بجائے اس ڈھٹائی پر رکھی گئی ہے جو ان گناہوں کے بعد اختیار کی جاتی ہے۔ پھر مزید یہ کہ ہر گناہ کی معافی رکھی گئی ہے سوائے دو گناہوں کے۔

ایک کفر دوسرا شرک۔

کفر کیا ہے؟

خدا کو ماننے سے انکار کر دینا کفر کے زمرے میں آتا ہے۔

پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ کیا خدا کا انکار خدا کے وجود کا بھی انکار ہے؟

جی نہیں۔

خدا کے وجود کا انکار کرنا انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ شائد ملحد وہ مخلوق ہے جو خدا کے وجود کا انکار کرتی ہے تو یقین جانیئے ایسا نہیں ہے۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے جو انسان اپنے آپ کو دیتا ہے۔ ملحد کا خدا کو نہ ماننا بس ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی بیٹا اپنے باپ سے کار کی فرمائش کرے اور پوری نہ ہونے کی صورت میں کہہ دے کہ تو میرا باپ ہی نہیں۔ ملحد خدا کے منکر نہیں ہوتے بلکہ اپنی محرومیوں کی وجہ سے خدا سے نفرت کر بیٹھتے ہیں۔ بالکل شیطان کی طرح۔

جس انسان کو اللہ نے عقل دے کر اس دنیا میں بھیجا وہ ازل سے گواہ ہے کہ یہ پوری کائنات کسی خدا کی کاریگری کے بغیر بننا ممکن ہی نہیں۔ اور قیامت تک اس بات پر گواہ رہے گا۔ ازل سے لے کر قیامت تک اس کی زندگی میں کوئی ایسا دن نہیں آنے والا جس دن اس کے پاس ایسی کوئی دلیل آ جائے جو ثابت کرے کہ خدا نہیں ہے۔ جس خدا کی تسبیحات بے جان چیزیں تک کرتی ہوں ان کا انکار صاحب عقل انسان کیسے کر سکتا ہے؟ عقل رکھتے ہوئے خدا کے وجود کا انکار ناممکنات میں سے ہے۔ وقتی طور پر کوئی بغیر سوچے سمجھے کسی کی باتوں میں آ کر بھٹک ضرور سکتا ہے۔ مگر جب اس کو تھوڑا وقت ملے گا سوچنے کا تو دوبارہ اپنے خدا ہی کی طرف لوٹے گا اور ان کو اس کا موقع خدا کی طرف سے ہی دیا جاتا ہے۔

زیادہ تعداد ان ملحدوں کی ہوتی ہے جو جانتے بوجھتے شیطان کے نقش قدم پہ چلتے

ہیں۔ میرا کئی ملحدوں سے خدا کی ذات کے موضوع پر مکالمہ ہو چکا ہے۔ مگر آج تک کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملا جس نے شکست کھانے کے بعد خدا کو مان لیا ہو۔ دلیل میں شکست کھا جانے کے باوجود یہ بھاگنا تو پسند کر لیتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ یہ رویہ ہی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ معاملہ عقل کا نہیں دشمنائی ہے۔ زیادہ تر ملحد خدا کا انکار کسی آزمائش میں فیل ہو جانے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

ایاز نظامی کا دس سالہ بچہ بم دھماکے میں مارا گیا تو وہ ملحد ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ جس خدا کو وہ کل تک مانتا تھا اس کو آج اچانک ماننا کس دلیل پر چھوڑا؟ بیٹے کے مرنے پر؟ تو کیا بحیثیت مسلمان یہ معلوم نہیں تھا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم بھی کم عمری میں وفات پا گیا تھا؟ اللہ نبیوں کو آزما سکتا ہے تو عام بندے کو کیوں نہیں؟

یعنی یہ بحث خدا کے وجود اور عدم وجود کی نہیں ہے بلکہ بدلے اور آگ کی ہے۔

ایک ابلیس تھا جس نے عہد کیا تھا کہ ایک آزمائش میں مبتلا کر کے مجھے بھٹکنے کا جذبہ دیا گیا۔ لہٰذا میں ہر شخص کی آزمائش کو مشکل سے مشکل ترین بناتا چلا جاؤں گا۔

ایاز نظامی کا عمل بھی وہی تھا۔ انہوں نے بھی اللہ کی طرف سے عائد کردہ آزمائش کو اللہ کا ظلم سمجھا اور عہد کیا کہ اب وہ بھی باقیوں کو بھٹکائیں گے۔ یعنی ہم ڈوبے تو سب کو ڈبو دیں گے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم انسان خود کرتا ہے اپنے آپ پر۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

''اور اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

اس آیت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے سے مراد اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اللہ کا ہر ہر حکم انسان کی ذاتی، معاشرتی اور دینی زندگی کے امن کے لئے ہوتا ہے اور اللہ کی ہر نافرمانی انسان کی ذاتی، معاشرتی یا دینی زندگی میں ابتری پیدا کرتی ہے چاہے اس بگاڑ کی مقدار بہت معمولی سی ہو۔

کسی شخص کے گناہ کے بعد توبہ کر لینے پر اس کی اخروی سزا کو معاف کر دینا اللہ کی

پلیسی میں شامل ہے مگر اس گناہ سے دنیا میں جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے اسے بدلنا اللہ کی پالیسی میں شامل نہیں۔ مثلاً اگر کوئی اپنا سر زور سے دیوار پر دے مارے اور زخمی ہو جائے تو یہ گناہ ہے۔ پھر وہ توبہ کرلے تو توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ مگر زخم اپنے وقت پر ہی بھرے گا۔ گویا توبہ سے اخروی سزا معاف ہو سکتی ہے مگر دنیاوی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ کسی شخص سے قتل ہو جائے تو وہ اس پر توبہ کر سکتا ہے۔ اللہ اسے معاف بھی کر سکتا ہے مگر اس کی دنیاوی سزا اسے مل بھی دی جائے گی۔ کیوں کہ اس عمل میں جو ایک جان ضائع ہوگئی توبہ سے وہ واپس نہیں آئی۔

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک خیر پھیلانے والے اور دوسرے شر پھیلانے والے۔ اللہ جب یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے تو اس سے مراد خیر پھیلانے والے بندے ہوتے ہیں نہ کہ شر پھیلانے والے۔

جن بدبختوں کو اللہ کے وجود کا ہی انکار ہے ان کے نزدیک جہنم کیا چیز ہے۔ اگر خدا کا کوئی وجود ہی نہ ہو تو کونسی جنت اور کونسی جہنم؟ کیا مجھے کوئی سمجھائے گا کہ ملحد لوگوں کو یہ یقین کیوں دلانا چاہتا ہے کہ خدا نہیں ہے؟ اسے کون سی جنت ملنی ہے اس تبلیغ سے؟ جان جوکھم میں ڈال کر لوگوں کو یہ سمجھانا کہ خدا اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا تو انہیں جہنم میں کیوں ڈالتا؟ اگر خدا کا وجود ہی نہ ہو تو ڈر کس بات کا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ منصف مزاج ہے۔ اتنی زیادہ آسانیوں اور سہولتوں کے باوجود کوئی شخص دنیاداری کی بناء پر شرک یا کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ظالم وہ خود ہے اپنے جہنم میں جانے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

چند روزہ زندگی محض کچھ محرومیوں یا آزمائشوں کی بناء پر برباد نہ کریں۔ جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جس سے محروم رکھا اس پر صبر کریں۔ یہی جنت میں جانے کا راستہ ہے۔

اب آتے ہیں دوسرے موضوع پر۔

اگر کوئی شخص خدا کو نہ مانتے ہوئے انسانیت کی خدمت میں مشغول ہے تو یہ وہ بھی جہنم میں جائے گا اور کیا یہ انصاف ہوگا؟

یہ بات میں پہلے بیان کر چکا کہ اللہ تعالیٰ بغیر حجت قائم کیے کسی کو جہنم میں نہیں ڈالے گا۔ جس شخص کا جو جرم ہوگا اس کا اس سے اقرار کروایا جائے گا پھر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس سے زیادہ انصاف اور کیا ہوگا؟

میں نے بتایا کہ اس دنیا میں صرف دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔
ایک خیر کے نمائندے اور دوسرے شر کے نمائندے۔

ہم آج ایسے کئی کیسز عدالتوں میں دیکھتے ہیں جس میں انسانیت کی خدمت کرنے والے آج عدالتوں کو یہ جواب دینے سے قاصر ہیں کہ یہ دولت ان کے پاس آئی کہاں سے۔ ان کی نیکی کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کی حق تلفی کر کے ہزار روپے لوٹے اور پھر اس میں سے سو روپے کا کسی کو کھانا کھلا کر اخبار میں اشتہار چھپوا دیا۔ کیا یہ نیکی ہے؟ کسی شخص کا حق مارنے سے معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہوا اس کا ازالہ کیا اس کا دس فیصد خیرات کر دینے سے ہو جاتا ہے؟ جو اپنے پیدا کرنے والے کا حق پورا نہیں کر رہا اس سے یہ امید کہ وہ انسانیت کا علمبردار ہے؟ کیسے؟ جو اپنے پیدا کرنے والے کا احسان ماننے کو تیار نہیں وہ پوری انسانیت پہ احسان کرنے نکلا ہے؟ سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ دلوں کے حال جانتا ہے۔ کون نیکی کر رہا ہے اور کون لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے ایک خالق سے بہتر کسے پتہ ہوگا۔ میرا ایمان ہے کہ جن کے دلوں میں خیر ہوتی ہے وہ بے شک پہلے اللہ کو نہ مانتے ہوں مگر مرنے سے پہلے وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ

"اس سے (خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔"

○

دعا کی قبولیت

ہم دعائیں مانگتے ہیں مگر وہ قبولیت کے درجے میں نہیں پہنچتی۔ اس کی کیا وجوہات ہیں۔ پھر مزید اعتراضات یہ بھی ہیں کہ کیا دعا مقدر پہ غالب آسکتی ہے؟

مقدر کے بارے میں بارہا لکھ چکا ہوں کہ مقدر یہ نہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ہے اس لیے وہ ہوتا ہے بلکہ مقدر یہ ہے کہ جو ہوتا ہے وہ اللہ کو پہلے سے پتہ ہے لہٰذا اللہ نے اپنے علم غیب کی بنیاد پر اسے لکھا۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کے مقدر میں بیماری لکھی تھی تو وہ بیمار پڑ گیا۔ پھر اس نے اللہ سے دعا مانگی اور اللہ نے اس کی دعا کے نتیجے میں اس کو صحتیاب کر دیا۔ تو کیا یہ دعا مقدر پہ غالب آ گئی؟ جی نہیں۔ یہ سارا کچھ اسی ترتیب میں اس شخص کے مقدر میں لکھا تھا۔ یعنی اس کا بیمار ہونا پھر اس کا دعا مانگنا پھر اس دعا کے نتیجے میں اللہ کا اس کو تندرستی دینا۔ یہ سب اس کے مقدر میں لکھا تھا۔ یعنی کوئی شخص یہ اعتراض نہیں اٹھا سکتا کہ میرے جو مقدر میں ہوگا وہ تو ہوگا تو میں دعا کیوں مانگوں۔ ایسی صورت میں آپ کے مقدر میں یہ لکھا ہوگا کہ یہ شخص بیمار ہوگا اور دعا نہیں مانگے گا لہٰذا صحتیاب بھی نہیں ہوگا۔

اس کو یوں سمجھ لیں کہ مقدر ہمارے اس عمل کا نام ہے جو کرنا تو ہم نے ہے مگر لکھا اللہ نے ہے اور چونکہ اللہ عالم الغیب ہے لہٰذا وہ پہلے سے جانتا ہے کہ ہم نے کیا عمل کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ دعا مانگنی نہیں چھوڑنی چاہیئے چاہے اس کی قبولیت میں جتنا مرضی وقت لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اللہ غفلت زدہ غیر متوجہ دل کی دعاء قبول نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی/حدیث 3816 کتاب الدعوات/باب 66، امام الالبانی رحمۃ اللہ نے "حسن" قرار دیا)

اس حدیث میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر میں اللہ سے اپنی ہدایت کی دعا مانگوں تو اللہ کیوں نہ مجھے ہدایت دے؟ ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں گمراہوں کی کوئی کمی نہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو پانچ وقت کے نمازی ہوں گے۔ نماز کا آغاز ہی سورہ الفاتحہ سے ہوتا ہے جو ہدایت کی دعا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۷﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۷﴾.

"ہم کو سیدھے رستے چلا۔ ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔"

فجر کی نماز میں چار مرتبہ یہ دعا مانگ کر آمین کہہ رہا ہے۔ ظہر میں کم از کم چار بار۔ عصر میں چار بار۔ مغرب میں تین بار۔ عشاء میں چار بار۔ مگر ہدایت نہیں مل رہی۔ دعا قبول نہیں ہو رہی۔ کیوں؟ کیا وجہ ہے؟

کیوں کہ جو دعا مانگ رہا ہے اسے خود نہیں پتہ کہ وہ دعا مانگ رہا ہے۔ اسے بس یہ پتہ ہے کہ نماز میں فاتحہ نہ پڑھو تو نماز نہیں ہوتی اور بس۔ تو قبول کیسے ہو جائے۔ غفلت زدہ اور غیر متوجہ دل اس کو کہتے ہیں کہ جو مانگ رہے ہو آپ کی پوری نیت اسے حاصل کرنے کی ہے ہی نہیں۔

پھر اسی حدیث میں یقین کی بات کی گئی ہے۔ یعنی جو آپ مانگ رہے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا یقین پختہ ہو کہ اللہ آپ کو ضرور دے گا۔ وقت کی قید نہیں کر سکتا۔ اور اگر یقین ہی نہ ہو تو؟ ذرا ڈاکٹر سے دوائی لیجئے اور اس سے کہیئے کہ میں تم سے دوا لے تو رہا ہوں مگر مجھے پتہ ہے میں تمہاری دوا سے ٹھیک نہیں ہوں گا۔ وہ ڈاکٹر آپ سے دوائی واپس چھین لے گا کہ جب مجھ پہ یقین ہی نہیں تو جس پہ یقین ہو اس سے دوا لو جا کر۔

کیا کہیے گا اس شخص کو جو اللہ سے دعا مانگے اور یقین اس کا یہ ہو کہ اللہ دینے پر قادر نہیں۔ یا اتنا غیر منصف مزاج ہے کہ دوسروں کو تو دے گا مگر مجھے نہیں دے گا۔ حالانکہ سب سے زیادہ عبادت گزار میں ہوں۔ سورہ الفاتحہ میں اللہ کی تسبیح اور تحمید کے بعد دعا مانگنے کی تربیت کی جا رہی ہے اور بندہ اللہ کی قدرت اور منصف مزاجی جیسی دو صفات کا انکار کر کے اسی اللہ سے کچھ مانگے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ دعا قبول کروانے کے یہ آداب نہیں۔

مزید اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يُسْتَجَابُ لأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ يَقُولُ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي

"تم میں سے کسی دعاء کرنے والے کی دعاء اُس وقت قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی نہیں کرتا اور ایسا نہیں کہتا (یا ایسا نہیں سمجھنے لگتا) کہ میں نے دعاء کی اور میری دعاء قبول نہیں کی گئی (صحیح البخاری/حدیث/ 6340 کتاب الدعوات/باب 22)"

لاَ يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ

"بندے کی دعاء اُس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ گناہ یا صلہ رحمی کے خلاف دعاء نہ کرے، اور جب تک وہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا، جلد بازی کرنا کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول۔"

تو ارشاد فرمایا۔ **يَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ أَرَ يَسْتَجِيبُ لِي فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ** جلد بازی) یہ کہنے لگے کہ میں نے دعاء کی، اور دعاء کی لیکن مجھے (اپنی دعاء کی) قبولیت ہوتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، پس پھر وہ حسرت کا شکار ہو جاتا ہے اور دعاء کرنا چھوڑ دیتا ہے (صحیح مُسلم/حدیث/ 7112 کتاب الذکر والدعاء والتوبہ/باب 25۔)

اس حدیث میں دعا کو مسلسل مانگتے رہنے کی تربیت کی جا رہی ہے۔ ضروری نہیں کہ ادھر آپ دعا مانگیں ادھر اللہ اس کو قبول فرمالے۔ ہو سکتا ہے اللہ ان دعاؤں کے بدلے

آپ کے درجات بلند کرنا چاہتا ہو۔ پھر جب بندہ یہ کہنا شروع کر دیتا ہے کہ دعا قبول ہی نہیں کرے گا تو اللہ اس کے گمان پہ پورا اتر جاتا ہے یعنی دعا قبول نہیں کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قرآن۔ سورہ الانبیاء۔ آیت نمبر 90

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ

"تو ہم نے ان (زکریا) کی پکار سن لی۔ اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو ان کے (حسن معاشرت کے) قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔"

اب یہاں دعا کی قبولیت کے لئے مزید تربیت کی جا رہی ہے۔ لپک لپک کر نیکیاں کرتے۔ یعنی نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور نیکیوں میں جلدی کرتے۔ ہمیں کوئی نماز کی تلقین کر دے تو ہم کہتے ہیں کل سے شروع کریں گے۔ دعا ہمیں ہاتھوں کے ساتھ قبول کروانی ہوتی ہے۔

"اور ہمیں امید سے پکارتے" یعنی جو مانگا جا رہا ہے وہ اس امید سے مانگا جا رہا ہے کہ اللہ ہمیں یقینی طور پر دے گا۔ یہی بات حدیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔

"اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے" یعنی جو مانگا جا رہا ہے اس کو اللہ ہی دے سکتا ہے ورنہ ہمارے پاس طاقت نہیں کہ اللہ سے چھین سکیں۔ اللہ کو قادر مطلق ماننے کا مطلب ہی یہی ہے۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بھی مسلمان جب کوئی ایسی دعاء کرتا ہے جس میں گناہ نہ ہو، اور نہ ہی صلہ رحمی کے خلاف ہو تو اللہ اُس کو (اس کی دعاء کی قبولیت میں) تین میں سے کوئی ایک چیز عطاء کرتا ہے، (1) یا تو اُس کی دعاء کو جلد ہی پورا کر دیتا ہے، اور (2) یا اُس کی دعاء کو اُس کی آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے، اور (3) یا اُس کی اُس دعاء کے بدلے اُس پر آنے والی کوئی پریشانی ٹال دیتا ہے۔ (مسند احمد / حدیث 11432 / مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ میں سے حدیث 156، امام الالبانی رحمہُ اللہ نے کہا ”حدیث حسن صحیح“ ہے، صحیح الترغیب والترھیب / حدیث 1633۔)“

اس حدیث میں دعا کی قبولیت کے تین مدارج بیان ہو رہے ہیں کہ

یا تو دعا جلدی قبول ہو جاتی ہے

یا آخرت کے لیے سنبھال لی جاتی ہے

یا اس دعا کے بدلے میں کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے

یعنی جو دعا جلدی قبول نہ ہو وہ روز آخرت میں اس کی نیکی بن کر اس کے جنت میں جانے کا سبب بن جاتی ہے۔

اس سلسلے کی ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

”ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں بہت بیمار ہوں۔ مجھ پر دورے آتے ہیں اور میں انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا نصیب فرما دے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اے عورت! میں اللہ سے دعا کروں تو ضرور اللہ تجھے شفا دے دے گا۔ مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ اس بیماری میں جو تکلیف تُو جھیلتی ہے اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ نے تجھے جنت کے انعامات سے نوازنا ہے۔ وہ عورت یہ سن کر خوش ہوئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر یہ میرے رب کی آزمائش ہے تو میں نے اس آزمائش پہ صبر کیا۔“

اب ذرا اس حدیث میں اس عورت کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھیے۔ فرض کریں کہ آپ

بہت بیمار ہیں اور روز اپنی شفا کے لیئے دعا مانگ رہے ہیں مگر وہ دعا قبول نہیں ہو رہی۔ قبولیت کی وجہ ہو سکتا ہے وہی ہو جو عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی۔ مگر آپ کو یہ بات کون بتائے گا؟ یعنی اگر میں یہ فرض کرلوں کہ آپ دنیا کے سب سے نیک اور پرہیز گار انسان ہیں اور پھر بھی آپ کی دعا قبول نہیں ہو رہی تو یہ یقین کر لینے میں کیا قباحت ہے کہ اس دعا کو مسلسل مانگنے سے میرے گناہ مٹ رہے ہیں؟ میری نیکیاں بڑھ رہی ہیں، جنت میں میرے درجات بڑھائے جا رہے ہیں؟ اور اگر دعا کے قبول نہ ہونے کی صورت میں آپ کے ذہن میں یہ خیال آ رہا ہے کہ خدا ہے ہی نہیں تو دعا مانگ کیوں رہے ہیں؟ وہ تو یقین سے مانگی جاتی ہے۔ اس سے بڑی بے وقوفی کیا ہوگی کہ آپ ایک ایسی ہستی سے مانگنے بیٹھ گئے ہیں جس کا وجود ہی آپ کی نظر میں مشکوک ہو؟

اپنے آپ کو پہلے ایک کشتی میں سوار کر لیں کہ یا تو خدا ہے یا پھر خدا نہیں ہے۔ اگر خدا ہے تو یہ جو کچھ بھی میں نے لکھا سولہ آنے سچ ہے۔ اور اگر خدا نہیں ہے تو اس سے مانگیں جس کے ہونے کا آپ کو یقین ہو۔

اوپر جو حدیث میں نے بیان کی اس کا تیسرا درجہ یہ تھا کہ دعا کے بدلے میں اللہ آپ کی کوئی مصیبت ٹال دے یا جو مانگا جا رہا ہے اس کا کوئی متبادل عنایت کر دے۔

یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں ہمیں قطعیت کے ساتھ پتہ نہیں ہوتا۔ ہم دن بھر بسوں میں گاڑیوں میں موٹر سائیکلوں پہ سفر کرتے ہیں۔ کیا جانے ہمارا کوئی حادثہ کسی دعا کی بناء پر ٹال دیا جاتا ہو اور ہم اس زعم میں مبتلا ہوں کہ ہماری کمال مہارت کام آ گئی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جو مانگا گیا ہے وہ دینا اللہ کی مشیت میں نہ ہو مگر اللہ اس سے بھی بہتر کوئی چیز ہمیں عنایت کر دے۔ میں اس کے لیئے اکثر لوگوں کو کرسٹوفر کولمبس کی مثال دیا کرتا ہوں۔ یہ وہ شخص تھا جس کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر وہ دنیا میں نام کمانا چاہتا تھا۔ وہ ہندوستان دریافت کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ہندوستان دریافت نہیں کیا۔ اللہ کی مرضی نہیں تھی کہ وہ ہندوستان دریافت کرتا۔ مگر اس نے محنت کی تھی اور محنت کرنے

جو کوئی بھی ہو اسے اللہ صلہ ضرور دیتا ہے۔ اس نے ہندوستان دریافت نہیں کیا مگر جس مقصد کی خاطر وہ ہندوستان دریافت کرنا چاہتا تھا وہ مقصد امریکہ کی دریافت سے پورا ہو گیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شاید ہندوستان دریافت کر کے اسے وہ شہرت نہ ملتی جو اس کی محنت کے شایانِ شان تھی۔

پھر دعا کے ساتھ ذاتی کاوش بھی ضروری ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ شام و فلسطین کے لوگوں کے لیے ساری دنیا کے مسلمان دعا مانگ رہے ہیں قبول نہیں ہو رہی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس معاملے میں محض اللہ سے دعا مانگنے کا حکم ہے؟ محمد بن قاسم کو جب سندھ سے ایک خاتون نے مدد کی درخواست بھیجی تھی تو کیا وہ مصلا بچھا کر بیٹھ گیا تھا؟ اس کو دعا مانگنی نہیں آتی تھی؟ دعا اس نے بھی مانگی ہوگی مگر کوشش کے ساتھ۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ کسی کو مال۔ کسی کو نیک اولاد۔ کسی کو اچھی صحت۔ کسی کو دولت و ہدایت۔ کسی کو امن و سلامتی۔ یہ سب کچھ بانٹ کر دینا اللہ کا دستور ہے۔ ضروری نہیں کہ دنیا میں یہ تمام چیزیں کسی ایک ہی شخص کی جھولی میں ڈال دی جائیں۔ یہ دنیا اللہ نے انسان کے لیے بنائی ہے۔ اس میں وہی ملے گا جو آپ کے نصیب میں اللہ نے لکھا ہے۔ مگر اس کے بعد آنے والی زندگی میں ہم نے ہمیشہ جنت میں رہنا ہے یا جہنم میں یہ ہم نے اپنے نصیب میں خود لکھنا ہے۔ اپنے اعمال کے ذریعے۔

○

دنیا کی تکلیف۔آخرت کا کفارہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کی۔
"یارسول اللہ! میں زنا کی مرتکب ہوگئی ہوں۔"
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"اے عورت! کیا تو ہوش میں ہے؟"
اس عورت نے کہا۔"میں اپنے پورے ہوش وحواس میں ہوں اور میں واقعی زنا کی مرتکب ہوئی ہوں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔
"کیا تو شادی شدہ ہے؟"
اس عورت نے اس بات کا بھی اقرار کرلیا۔
پھر پوچھا کیا اس زنا کے نتیجے میں حمل بھی ٹھہرا ہے تو اس عورت نے اس بات کا بھی اقرار کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تیرے اس گناہ میں بچے کا کوئی حصہ نہیں لہٰذا تو ابھی واپس چلی جااور بچے کی پیدائش کے بعد آنا۔"
وہ عورت چلی گئی اور کچھ مہینوں بعد بچے کی پیدائش کے بعد واپس آگئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو دیکھ کر فرمایا کہ ابھی اس بچے کا ایک حق اور باقی ہے کہ تو اسے دو سال اپنا دودھ پلائے۔لہٰذا ابھی واپس چلی جا اور دو سال بعد آنا۔وہ عورت پھر واپس چلی

گئی اور پھر دو سال بعد آئی۔ اس بار اس بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بچے کو کھلا کر دکھایا کہ اب یہ بچہ کھانے کے قابل ہو گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے رجم کے احکامات جاری کیے۔ جب اس عورت کو پتھر مارے جا رہے تھے تو اس کے خون کے کچھ چھینٹے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر گرے جس پر انہوں نے اس عورت کو برا بھلا کہہ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا۔

"اے خالد بن ولید! ذرا سنبھل کر۔ جس قسم کی توبہ اس عورت نے کی ہے اگر اس توبہ کو مدینے کے ستر گناہ گاروں میں تقسیم کر دیا جائے تو اللہ ان سب کو بخش دے۔"

قارئین! یہ صحیح مسلم کتاب الحدود کی ایک حدیث ہے۔ ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے۔

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں بہت بیمار ہوں۔ مجھ پر دورے آتے ہیں اور میں انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا نصیب فرما دے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اے عورت! میں اللہ سے دعا کروں تو ضرور اللہ تجھے شفا دے دے گا۔ مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ اس بیماری میں جو تکلیف تُو جھیلتی ہے اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ نے تجھے جنت کے انعامات سے نوازنا ہے۔ وہ عورت یہ سن کر خوش ہوئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر یہی میرے رب کی آزمائش ہے تو میں نے اس آزمائش پہ صبر کیا۔

محترم قارئین! یہ ہیں مومن کی اللہ سے محبتوں کے وہ تقاضے جس پر ملحدوں کو شدید ترین اعتراضات ہیں۔ کوئی اپنے رب سے اتنی محبت کیسے کر سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی خطا کوئی گناہ ہو جانے کی صورت میں بیماری یا موت تک کی تکلیف برداشت کرلے۔ کسی کے گھر معذور اولاد پیدا ہو جانے کی صورت میں اللہ کی رحم دلی پہ سوال اٹھانے جاتے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ یہ دنیا کی زندگی ہے کتنی مختصر۔

الحاد کا مقصد انسان کو محض اپنے رب کی محبتوں سے دور کرنا نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی محبت اور جذباتی تعلق جو اس دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے اس کا خاتمہ الحاد کا اصل مقصد ہے۔ فلموں میں جو ذومعنی دکھائے جاتے ہیں اس قسم کی انسانی زندگی کا وسیع تر منصوبہ ہے جس کا ایک چھوٹا سا جز الحاد ہے۔

اگر منطقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلامی یا مذہبی تبلیغ اپنے اپنے خداؤں کی خوشنودی کے لئے کی جاتی ہے۔ مگر الحاد کے فروغ کی کوششوں کے مقاصد سمجھ نہیں آتے۔ یہ کس خدا کو خوش کرنے چلے ہیں؟

میں آج یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے اس پر اجر دے گا۔ مگر اگر مجھے یہ گمان ہو کہ کوئی خدا ہے ہی نہیں تو پھر مجھے کیا لگے کوئی کسی خدا کو پوجتا ہے تو پوجتا رہے۔ مگر الحاد کی طرف سے خداؤں کی اور مقدس شخصیات کی مسلسل تضحیک کوئی اور ہی کہانی سناتی ہے۔

اگر اوپر دی گئی دونوں احادیث پر غور کیا جائے تو پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر اللہ کی طرف سے مطلع کیا جا چکا تھا کہ اس عورت کی توبہ قبول ہوگی مگر اس کے باوجود اس عورت کی سزا رکوانے کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ دوسری حدیث میں بھی عورت کو دنیاوی تکلیف سے بچانے کے لئے دعا نہ فرمائی۔ ایک اور حدیث بھی سن لیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس دنیا کی وقعت اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالی یہاں سے کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پینے دیتا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیاوی آسائشیں اللہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ بلکہ اصل اہمیت آخرت کی ہے۔

یہ بھی ایک اعتراض ہے الحاد کی طرف سے بھولے بھالے اور کم علم مسلمانوں کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالی چاہتا ہے کہ برائی نہ ہو تو انسانوں کو روک کیوں نہیں دیتا یا کفار کی پکڑ کیوں نہیں ہوتی۔ اللہ کی طرف سے رسی دراز کیے جانے پر بات میں بات

وہاں کی جب پکڑ ہوگی تو پکار اٹھیں گے کہ کاش ہم جب مٹی کے ساتھ مٹی ہوئے تھے تو ہمیں
اٹھایا نہ جاتا یا پھر ہم سرے سے پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ
﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ
﴿٤٥﴾

○

روح کا وجود

قارئین! کسی چیز کے وجود کو نہ ماننا اور کسی چیز کے وجود کا انکار کر ڈالنا دو مختلف باتیں ہیں۔ ان کے محرکات بھی مختلف ہیں اور نتائج بھی۔

کسی چیز کو نہ ماننا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ آپ کی کم علمی کی دلیل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ چیز موجود ہو مگر آپ کے علم میں نہ ہو۔

مگر کسی چیز کا انکار کر ڈالنا کم علمی کی دلیل نہیں بلکہ باقاعدہ ایک دعویٰ ہے۔ اس دعوے کے لئے ثبوت درکار ہیں۔ علم درکار ہے۔ یہ دعویٰ اگر علم کے ساتھ کیا جائے تو قابل ستائش ہے اور اگر بغیر کسی علم کے کیا جائے تو اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں۔

اگر ہم دنیا کو دینی اور لادینی لوگوں میں تقسیم کریں تو لادینی لوگ مزید فرقوں میں تقسیم ہوتے نظر آئیں گے۔ جن میں قابل ذکر ہیں ملحد اور اگناسٹک۔

اگناسٹک وہ ہوتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے۔ مگر خدا کا انکار بھی نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنی کم علمی اور کم فہمی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو خدا کے بارے میں مذہبیوں کے پاس موجود ہے وہ اگناسٹکس کے پاس موجود نہیں۔ جیسے ہی وہ علم آ جائے گا وہ بھی خدا کو مان جائیں گے۔

ملحدوں کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ خدا کا برملا انکار کرتے ہیں۔ جس کے لئے ثبوت درکار ہیں۔ یعنی ایک طرح سے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اس کائنات اور اس کے گردونواح کے چپے چپے کا علم رکھتے ہیں اور اس میں خدا کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ دعویٰ اس وقت باطل

ذرہ پاتا ہے جب اس زمین پر موجود سمندر میں ایک نئی مچھلی دریافت ہوتی ہے۔ یعنی اس زمین پر ابھی دریافتوں کا سلسلہ جاری ہو اور کوئی اٹھ کر دعویٰ کر دے کہ اس پوری کائنات میں یہاں سے باہر کہیں خدا کا وجود ممکن نہیں۔ سبحان اللہ۔

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کسی چیز کو ماننے کے لئے اس کا سائنسی اصولوں پر پورا اترنا ضروری ہو۔ سائنس انسانوں کے علم پر صرف دو طرح سے اثر انداز ہو سکتی ہے۔

پہلا یہ کہ وہ ثبوتوں اور مشاہدوں کی بنیاد پر کسی چیز کا وجود ثابت کر دے۔

دوئم یہ کہ وہ ثبوتوں اور مشاہدوں کی بنیاد پر کسی چیز کے عدم وجود کو ثابت کر دے۔

نہ تو کسی چیز کو بغیر ثبوتوں کے تسلیم کرنا سائنس کا دائرہ کار ہے اور نہ ہی بغیر ثبوتوں کے کسی چیز کا انکار کر دینا سائنس کے لئے ممکن ہے۔

پہلا طریقہ آسان ہے۔

مثال کے طور پر میں نے مینار پاکستان دیکھا تو اب میرے لئے اس کا وجود ثابت کرنا بہت آسان ہے۔ میں اس کی تصاویر دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ اس کی موجودگی کی جگہ بتا سکتا ہوں۔ اس کے آس پاس موجود عمارات کو بطور ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔ مگر اگر میں نے مینار پاکستان نہیں دیکھا تو بغیر ثبوتوں کے یہ دعویٰ بھی باطل ہی ہوگا کہ مینار پاکستان کا کوئی وجود ہی ممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے موجود ہو مگر میرے علم میں نہ ہو۔ اس قسم کے دعوے کے لئے ایک اور دعویٰ بھی درکار ہے کہ میں نے دنیا کی ہر چیز دیکھ رکھی ہے اور ان میں مینار پاکستان کا کوئی وجود نہیں۔ یہ دعویٰ کرنا سائنس کے لئے بڑا مشکل کام ہے۔

میری معلومات کے مطابق سائنس ابھی تک روح کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ مگر حقیقت سائنس روح کا انکار کرنے جوگی بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ جس طرح سائنس کو ماننے کے لئے ثبوت درکار ہیں اسی طرح اس کا انکار کرنے کے لئے بھی ثبوت درکار ہیں۔ یہ دعویٰ بھی بے سود ہوگا کہ ہم نے پورا جسم تول لیا روح نہیں ملی۔ کیوں کہ روح کی

بات ہوتی ہی ایک نہ نظر آنے والے جسم کا ہے۔ یعنی جس طرح عقل کو بغیر دیکھے تسلیم کیا جاتا ہے اس طرح روح کو بھی مشاہدات کی بناء پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک مثال کشش ثقل کی بھی ہے کہ جب تک دریافت نہ ہوگئی سائنس نے اس کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر اگر سائنس اس کا انکار کر ڈالتی تو جس دن نیوٹن نے قانون کشش ثقل پیش کیا سائنس کو اپنا تھوکا چاٹنا پڑتا۔ لہٰذا کسی بھی ایسے وجود جس کے ہونے یا نہ ہونے کا سائنس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو اس پر سائنس کی خاموشی بہتر ہے۔ نہ اقرار نہ انکار۔ جب تک مشاہدات سامنے نہیں آجاتے۔

اب مشاہدات کیا ہیں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

سائنس ابھی تک اس بات کا تسلی بخش جواب دینے سے قاصر ہے کہ انسانی جسم کا وہ کون سا عضو ہے جس کے پیدا ہونے سے زندگی شروع ہوتی ہے اور جس کے ختم ہونے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر میرے پاس ایک کمپیوٹر ہے۔ میں اس کا پلگ آن کرتا ہوں تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جیسے ہی میں پلگ آف کرتا ہوں تو زندگی دم توڑ دیتی ہے۔ اس کا ماخذ کرنٹ ہے جو اس میں زندگی کی لہر دوڑا رہا ہے۔

ماں کے پیٹ میں بچے کے تمام اعضاء شروع کے چار مہینوں میں باری باری بنتے ہیں۔ دوسرے مہینے میں دل اور دماغ کی تشکیل شروع ہو جاتی ہے۔ ہر وہ عضو جس کے نہ ہونے سے جان جا سکتی ہے وہ بن جانے کے باوجود زندگی کی لہر نہیں دوڑ رہی؟

کس کا انتظار ہے؟ کون سا کرنٹ دوڑے گا جو زندگی کا آغاز ہوگا؟

پھر چوتھے مہینے میں بچے کی حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسا عضو ہے جس کی تشکیل چوتھے مہینے میں ہوئی اور جس کی وجہ سے انسان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی؟

تو جواب ہے ایسا کوئی عضو نہیں ہے۔ چوتھے مہینے میں جن اعضاء کی تشکیل ہوتی ہے وہ سارے کے سارے بے جان۔ بال۔ ناخن اور دانت۔ ان میں سے کسی کا بھی تعلق زندگی سے نہیں۔

تو وہ کیا چیز تھی جو چوتھے مہینے میں شامل ہوئی اور جسم میں کرنٹ دوڑ گیا؟

سائنس اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔

موت کے معاملے میں بھی یہی اسرار و رموز ہیں۔

ایسا ممکن ہے کہ کچھ اعضاء کا تباہ ہو جانا فوری موت کا سبب بن جائے۔ جیسے دل و دماغ۔ مگر پھر ان کی موجودگی کے باوجود موت کا واقع ہو جانا سمجھ نہیں آتا۔ یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دماغ کی موت پورے جسم کی موت کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا دماغ ہی وہ عضو ہے جو زندگی کی لہر دوڑاتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ صحیح الدماغ ہونے کے باوجود کیوں مر جاتے ہیں؟

یہی معاملہ باقی اعضاء کے ساتھ بھی ہے۔ سائنس اب تک موت کی حتمی وجہ کا تعین کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام کے مطابق موت جسم سے روح نکل جانے کا نام ہے۔ یہ عمل قلیل مدتی بھی ہو سکتا ہے اور طویل مدتی بھی۔

قرآن۔ سورۃ الانعام۔ آیت نمبر 60

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

"اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ رکھ کر زندگی کی) معین مدت پوری کر دی جائے پھر تم (سب) کو اسی کی طرف

لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو (ایک ایک کرکے) بتائے گا۔۲۰"

سورہ الزمر۔ آیت 42

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

"خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں ۴۲"

پھر جب تمام ارواح تخلیق کی گئیں تو ان سے توحید کا وعدہ لیا گیا۔

سورۃ الاعراف۔ آیت نمبر 172

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ

"اور (یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔"

جس طرح روح کا انکار ممکن نہیں اس طرح روح کی صحیح توجیہ بھی ایک مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر 85

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۸۵"

انسان کی سمجھ بوجھ کا ماخذ سائنس ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر علم سے واقف ہے۔ سائنس ان میں سے صرف ایک چھوٹا سا علم ہے جو انسان کو دیا گیا ہے۔ اس آیت سے یہ لگتا ہے کہ یہ ین ممکن ہے کہ روح کے علم کا تعلق انسان کی محدود عقل سے بالاتر ہو۔ واللہ عالم

○

امراؤ قیس اور تین سال وحی بند رہنے کا جواب

ملحدوں نے قرآن پر ایک اعتراض کیا ہے جس کے مطابق قرآن کی کچھ آیتیں (شاید چار یا پانچ) عرب کے ایک "مشہور" شاعر امراؤ القیس کی شاعری سے لی گئی ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ قرآن چار یا پانچ آیتوں پہ مبنی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ چھ ہزار سے زائد آیات پر مشتمل ہے۔ یعنی اگر اس کو مکمل کرنے والے نے شاعری ہی ادھر ادھر سے چرائی تھی تو کم از کم ہزار شاعروں کی شاعری سے پانچ پانچ مصرعے لئے جاتے تو قرآن مکمل ہوتا۔ مگر پھر ایک مسئلہ اور ہے۔ شاعری کی سمجھ رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر شاعر کا رنگِ کلام مختلف ہوتا ہے۔ مگر قرآن کا رنگِ کلام شروع سے آخر تک ایک جیسا ہی ہے۔ کسی بھی مقام پہ اس کے پڑھنے والے کو یہ شائبہ نہیں ہوتا کہ یہ ایک سے زیادہ مصنفین کا کلام ہے۔ ملحدین کے لئے سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت کی کوئی ایک بھی ایسی شخصیت نہیں ہے جس پہ مکمل قرآن کو لکھنے کا سہرا باندھا جا سکے۔ ورقہ بن نوفل کو قرآن کا مصنف کہا جاتا ہے تو مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ورقہ بن نوفل کی زندگی میں صرف سورہ علق کی چند ابتدائی آیات اور سورہ مدثر کی ابتدائی آیت نازل ہوئیں پھر وہ انتقال کر گئے۔ اب ایک اور نام میں پہلی بار سن رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے سے شاید تیس سال پہلے ایک شاعر ہوا کرتا تھا جس نے کچھ ایسے شعر لکھ رکھے تھے جو مِن و عن قرآن کی کچھ آیتوں میں موجود ہیں۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے اس شاعر کا نام پہلی بار سنا

ہے۔اس پر تحقیق کی تو پتہ چلا موصوف کے کچھ اشعار میں اور قرآن کی کچھ آیات میں حد درجے مماثلت پائی جاتی ہے۔ان آیات پر بھی بات ہوگی۔

امراؤ القیس کے بارے میں جو مبہم سی معلومات ہم تک پہنچی ہیں ان کے مطابق وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کچھ سال پہلے انتقال کر گیا۔ کتنے سال پہلے؟ اس میں مختلف آراء ہیں کچھ کے مطابق تیس سال پہلے کچھ کے مطابق چالیس سال پہلے۔ امراؤ القیس پیدا کب ہوا اس پر بھی کوئی بات یقین سے نہیں کی جا سکتی۔ اس بارے میں بھی مختلف آراء ہیں۔ امراؤ القیس کا مذہب کیا تھا اس بارے میں بھی دو آراء ہیں۔ ایک کے مطابق وہ بت پرست تھا دوسری کے مطابق عیسائی۔ جو واحد بات یقین سے عربوں میں کی جاتی ہے وہ یہ کہ مذکورہ شاعری اسی کی ہے اور مکمل محفوظ ہے۔ کہاں محفوظ ہے؟ مجھے کیا پتہ۔ یہ تو معترضین ہی بتا سکتے ہیں۔ میں تو آپ کو بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ جس مذہب سے امراؤ القیس کا تعلق بتایا جاتا ہے اس کی الہامی کتاب بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صبح کے نو بج کر چھ منٹ پر پھانسی دی گئی تھی۔ اور یہ بات بائبل میں بقول عیسائیوں کے دو ہزار سال سے لکھی ہوئی ہے جب گھڑی بھی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ بائبل کے جتنے بھی ایڈیشن محفوظ تھے سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر سب کے بارے میں یہی دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دو ہزار سال پہلے نازل کیے گئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب کو محفوظ نہ رکھ سکے انہوں نے ایک عام شاعر کی شاعری کو چودہ سو سال سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔

جن آیات کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

قرآن (سورہ القمر آیہ ۱):

اقتربت الساعۃ وانشق القمر

ترجمہ: "قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا"

قرآن (سورہ القمر آیہ 29)

"فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ.

ترجمہ: "تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ ڈالیں۔"

قرآن (سورہ القمر آیہ 31)

"فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ.

ترجمہ: "تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔"

(اس آیت کا مکمل ترجمہ: اور ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔)

قرآن (سورہ الضحیٰ آیہ 2،1)

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى.

ترجمہ: "سورج کی روشنی کی قسم۔ اور رات کی تاریکی کی جب وہ چھا جائے۔"

قرآن (سورہ الصافات آیہ 61):

لمثل هذا فليعمل العاملون.

ترجمہ: "ایسی ہی نعمتوں کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔"

قرآن (سورہ عبس آیہ ۱۷):

قتل الانسان ما اكفره

ترجمہ: "انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔"

قرآن (سورہ الزلزال آیہ ۲،۱):

اذا زلزلت الارض زلزالها واخرجت الارض اثقالها

ترجمہ: "جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی۔"

اور زمین اپنے (سب) بوجھ نکال باہر پھینکے گی۔

اب ذرا تھوڑی سی بات اس شاعر کے کردار کے حوالے سے بھی ہو جائے۔ وکی پیڈیا اور دوسری ویب سائٹس پر مذکورہ شاعر کے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں ان میں ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ اس شاعر کو اس کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا۔

کیوں نکال دیا تھا؟

تمام ویب سائٹس پر اس کو گھر سے نکالنے کی تین وجوہات بتائی گئی ہیں۔

1۔ شراب نوشی

2۔ لڑکیوں میں دلچسپی

3۔ شہوت انگیز شاعری (Erotic poetry)

زیادہ تر ویب سائٹس کے مطابق تیسری وجہ نے اس کو گھر سے نکلوانے میں زیادہ اہم کردار ادا کیا۔

اب آ جاتے ہیں اس کی شاعری کی طرف جس کے بارے میں ملحدین کا دعویٰ ہے کہ وہ اس شاعر کا کلام تھا جو قرآن نے چوری کر لیا۔

"قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔

تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ ڈالیں۔

اور ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔ سورج کی روشنی کی قسم۔ اور رات کی تاریکی کی جب وہ چھا جائے۔ ایسی ہی نعمتوں کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔

انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔

جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی،

اور زمین اپنے (سب) بوجھ نکال باہر پھینکے گی۔"

اس شاعری کو غور سے بار بار پڑھیں۔ کیا آپ کو یہ کسی ایسے شخص کا کلام لگتا ہے جس کے باپ نے شراب نوشی اور شہوت انگیز شاعری کی بناء پر گھر سے نکال دیا تھا؟

ہلکہ مجھے یہ پوچھنا چاہئے کہ کیا آپ کو یہ شاعری کسی بھی انسان کی لگتی ہے؟

کوئی شرم ہوتی ہے۔ کوئی حیا ہوتی ہے۔ ملحدوں نے کیا عقل بیچ کر چنے کھالیے؟ افسوس اس چنے والے پر جس نے ان کو ان کی عقل کے بدلے چنے بھی عنایت کر دیے۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی ملحد چولوں میں ترقی کر رہے ہیں؟ پہلے چھوٹی چھوٹی چولیں مارتے تھے اب اتنی بڑی چول؟ کیا چولوں میں ارتقاء ہو رہا ہے؟ مرزا قادیانی کو بھی مشورہ دے گا کہ وہ بھی دیوانِ غالب چوری کرے اور دعویٰ کر دے کہ یہ خدا کی کلام مجھ پر نازل ہوا ہے۔ ملحدوں نے اس پر بھی یقین کر لینا ہے۔

لیتا۔ نہ اگر دل تمہیں دیتا۔ کوئی دم چین
کرتا۔ جو نہ مرتا۔ کوئی دن آہ و فغاں اور

غالب نے تو اسی قسم کی شاعری کی ہے۔ کسی شاعر کا استاد ماغ خراب نہیں ہوتا کہ اپنی شاعری میں دعویٰ کرے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں میں نے کاٹیں یا ان پر جو چیخ کا عذاب آیا وہ میں لے کر آیا۔ کم از کم مرزا غالب نے تو ایسا ایک بھی شعر نہیں کہا۔

انشاء جی سے مدد لیجیے۔

دل سی چیز کے گاہک ہوں گے دو یا ایک ہزار کے بیچ
انشاء جی کیا مال لئے بیٹھے ہو تم بازار کے بیچ؟

انشاء جی نے بھی ایسا کوئی شعر نہیں کہا جس میں لکھا ہو کہ ہلاک ہوا وہ شخص جس نے انکار کیا۔

ابھی تو سوا نو سے شاعر اور ڈھونڈتے ہیں۔ اقبال کی شاعری تو خود قرآن سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔

سچ کہا ہے کسی نے کہ گدھے پر کتابیں لاد دینے سے گدھا عالم نہیں بن جاتا۔ اگر ملحدان آیات کا ترجمہ پڑھ لیتے تو شاید ان کو سمجھ آجاتی کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو کیسے سکتا ہے۔

○

قرآن پر ایک اعتراض (النضر بن الحارث)

ملحدین نے ایک تحریر میں قرآن پر اعتراضات کیے ہیں۔ اعتراضات یہ ہیں کہ ایک شخص جس کا نام النضر بن الحارث تھا وہ پچھلے ادیان یا اقوال ملحدین کے پچھلی روایات سے متعلق بہت زیادہ علم رکھتا تھا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب ان کی باتیں سنیں تو لوگوں کو قرآن اور پچھلی باتوں کی مماثلت بتا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب پچھلی کتابوں سے گھڑ لیا گیا ہے۔

مزید ملحدین نے اس تحریر میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ جو تین سوالات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے گئے کہ ذوالقرنین کون تھے؟ اصحاب کہف کون تھے؟ اور روح کی حقیقت کیا ہے؟ یہ تینوں سوالات بھی در حقیقت اسی شخص نے یہودیوں کو بتائے تھے جو وہ دوسرے ملک کے عالموں سے سیکھ کر آیا تھا۔ پھر یہ بھی ملحدین نے دعویٰ کیا کہ النضر کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگوں کو قرآن کی حقیقت کھول کھول کر بتاتا تھا لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کھا کے اس راز چھپانے کے لیے اسے قتل کروا دیا۔

پھر ملحدین نے اس پورے معاملے کے لیے جو حوالہ دیا ہے وہ تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام کا ہے۔

جواب

سب سے پہلے تو میں تاریخ، تاریخ دان اور سیرت ابن ہشام سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہوں گا جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ کوئی علمی نہیں بلکہ [illegible] ہے

جس کا جواب منطق سے ہی دیا جائے گا۔

سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ تاریخ دان کون ہوتا ہے اور وہ کس طریقے کار سے تاریخ رقم کرتا ہے۔ یہ اس لیئے ضروری ہے کہ تاریخ کے نام سے عموماً کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ شائد یہ کوئی قدرتی طریقہ ہے واقعات کو محفوظ کرنے کا جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تاریخ لکھنے والے انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان کسی بھی شخصیت کے متعلق کبھی بھی غیر جانبدار نہیں ہوتا۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ کسی شخص کو جانتے ہوں اور اس کے متعلق کوئی اچھی یا بری رائے نہ رکھتے ہوں۔

کسی بھی شخصیت کے متعلق رائے قائم کرنے والے عموماً تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ایک وہ جو اس شخص کے حامی ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ جو اس شخص کے مخالف ہوتے ہیں۔

اور تیسرے وہ جو اس کو جانتے ہی نہیں۔

دنیا میں بس یہی تین اقسام پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ تاریخ دان غیر جانبدار ہوتا ہے یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تیسری قسم کے لوگوں کو تو آپ خارج از بحث سمجھیں کہ جو جانتا ہی نہیں وہ تاریخ لکھنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ اب جو جانتے ہیں وہ دو گروہ یا تو حامی ہوں گے یا مخالف۔ مگر غیر جانبدار ہرگز نہیں ہوں گے۔ آپ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تاریخ مسلمانوں کی بھی پڑھ لیجئے اور انگریزوں کی بھی پڑھ لیجئے۔ صرف وہ بنیاد ایک ہوگی جس کو بدلنا ممکن نہیں۔ ورنہ جہاں جہاں بھی انگریز کو موقع ملے گا وہ ڈنڈی ضرور مارے گا۔ کس پر یقین کریں گے یہ بات میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا کہ منطق بیرایوں پر کسی بات پر یقین کرنے کا پیمانہ کیا ہے۔ پہلے سیرت ابن ہشام کی بات کر لیتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام کی مسلمانوں میں اس سے زیادہ کوئی وقعت نہیں کہ یہ نبی کریم

یہ علیہ وسلم کی زندگی پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب کی نقل ہے۔

اب آپ پوچھیں گے نقل سے کیا مراد ہے؟

نقل سے میری مراد یہ ہے کہ اس سے پہلے سیرت کی ایک کتاب ابن اسحاق نے
لکھی تھی۔ وہ کتاب کسی وجہ ضائع ہو گئی تو ابن اسحاق کے ایک شاگرد ابن ہشام نے اپنی
یادداشت کے سہارے اس کتاب کی نقل لکھی۔

اب ذرا اس بات کو اپنے ذہن میں رکھ کر سوچئے کہ آپ نے ایک کتاب پڑھی۔
بارہ سالوں بعد آپ یادداشت کے سہارے اسے لکھیں تو وہ کتنی مستند ہو گی؟ یقیناً آپ اس
میں آپ بزاروں غلطیاں کریں گے۔ واقعات کے تانے بانے تو ملانے ہیں۔ کیسے ملائیں
گے یہ کسی کو نہیں پتہ کہ سیرت ابن ہشام من وعن ویسی ہی ہو جیسی سیرت ابن اسحاق تھی۔

مگر بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی۔

ابھی ہمیں یہ بھی پرکھنا ہے کہ جس سیرت ابن اسحاق کی یہ نقل تھی وہ خود کتنی مستند
تھی۔

سیرت ابن اسحاق پر بھی اس دور کے علماء نے اچھی خاصی تنقید کر رکھی ہے جس
میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔ کئی واقعات ابن اسحاق نے ایسے لوگوں سے
منسوب کر دیے جن سے وہ کبھی ملے ہی نہیں۔ امام مالک یہ بھی فرماتے تھے کہ اس کے زیادہ
تر واقعات ان لوگوں سے لیے گئے ہیں جنہوں نے مجبوری میں یہودیت سے اسلام قبول
کیا۔

اسلام کے اوائل میں مسلمانوں کے علاقوں میں امن سے رہنے کی دو شرائط تھیں
یا تو اسلام قبول کر لیا جائے یا جزیہ دیا جائے۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن میں
لوگوں نے یا تو جزیے سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا یا مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ ڈالنے
کے لئے۔ عبداللہ بن سبا اس کی بدترین مثال ہے۔

تاریخ طبری کے بارے میں بس اتنا کہنا بہت ہو گا کہ یہ سیرت ابن ہشام سے

متاثر ہو کر لکھی گئی۔

اس لحاظ سے اسناد کے اعتبار سے ان تینوں کتابوں کی دین اسلام میں کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔ سوائے اس کے کہ سیرت لکھنے والے اور تفاسیر لکھنے والے علماء واقعات کے تانے بانے ملانے کے لیے اس سیرت سے بے ضرر سی مدد لے لیتے ہیں۔ ورنہ یوں سمجھئے کہ ملحدین اور مستشرقین کے جتنے بھی اعتراضات ہیں تقریباً تمام انہی کتابوں سے لیے جاتے ہیں۔

اب اس بات کو سمجھ لیجیے کہ کسی کی تاریخ لکھنے کے لئے وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جو کسی کے لیے بھی قابل اعتراض نہ ہو؟

"اس کا بڑا آسان سا طریقہ ہے جو آج دنیا بھر کی عدالتوں میں رائج ہے۔ آپ جس معاملے پر گواہی دے رہے ہیں اس میں آپ کی اپنی پوزیشن کیا ہے؟ کیا آپ اس واقعے کے وقت وہاں موجود تھے؟ یا آپ نے یہ واقعہ کسی ایسے شخص سے سنا جو وہاں موجود تھا؟ یا پھر کسی ایسے شخص سے جس نے کسی ایسے شخص سے سنا جو وہاں موجود تھا؟

اس کو روایات کی کڑی کہتے ہیں۔

اس میں اس جملے کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ جو بات میں آپ کو بتا رہا ہوں وہ میں نے کسی سے سنی ہے جس کا نام میں نہیں جانتا۔ آپ پر اسی وقت جھوٹا ہونے کی مہر لگ جائے گی۔ پھر اس پورے معاملے کو اس نظر سے بھی پرکھا جائے گا کہ جتنے بھی راوی ہیں ان کی شہرت کیسی ہے؟ ان میں سے کوئی جھوٹ کی وجہ سے مشہور تو نہیں؟ کوئی بھلکو تو نہیں؟ کوئی ایسا تو نہیں جو مذکورہ شخص سے کوئی ذاتی عناد رکھتا ہو یا ذاتی فائدہ مطلوب ہو؟

یہ طریقہ احادیث میں سب سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رائج کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آج تمام دنیا کے مسلمانوں میں قرآن کے بعد جس کتاب کو سب سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے وہ صحیح بخاری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ اپنے سے پہلے آنے والے اماموں میں علمی بنیاد پر فضیلت نہیں رکھتے۔ مگر اس طریقے نے انہیں سب سے ممتاز

کر دیا۔

اس سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مسلمانوں میں اعلیٰ افضل درجہ رکھتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند شافعی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند احمد

ان تمام کتابوں پر بعد میں لکھی جانے والی صحیح بخاری بھی اسی بنیاد پر مرتب کی گئی اس میں گواہان اور شاہدین کو خصوصی درجے پر رکھا گیا۔

اب آتے ہیں ظہرین کی تحریر کے بنیادی متن کی طرف کہ یہود کی علماء نے تین سوال بتائے کہ اصحاب کہف کون تھے؟ ذوالقرنین کا معاملہ کیا تھا اور روح کی کیا حقیقت ہے؟

یہاں دو سوال تک تو بات ٹھیک ہے مگر تیسرے سوال میں کچھ گڑبڑ ہے۔

روح سے متعلق سوال اس موقع پر نہیں پوچھا گیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ روح سے متعلق سوال کا جواب سورۃ الکہف میں نہیں بلکہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جو مکہ میں سوال کے بعد نازل ہوئی۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت 85

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے 85"

اب یہاں یہ ممکن نہیں ہے کہ دو سوالوں کے علاوہ [illegible] میں تیسرا سوال بھی شامل ہو۔ تیسرے سوال کا جواب کئی سالوں بعد دیا گیا۔

اس بات کی تصدیق صحیح بخاری کتاب العلم کی حدیث نمبر ۱۲۱ [illegible]
ہے۔ جس کے مطابق عبداللہ بن مسعود رض فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ کھیتوں سے گزر رہا تھا کہ راستے میں چند یہودیوں کا وہاں سے گزر [illegible]
آپس میں مشورہ کیا کہ ان سے روح کے متعلق پوچھو اور جب انہوں نے [illegible]
وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جو اوپر آیت میں بیان ہوئی۔

یعنی یہاں پندرہ دن تو کیا پندرہ منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہے [illegible]
گیا اسی وقت جواب دے دیا گیا اور یہ وہی جواب ہے جو یہودیوں میں بھی [illegible]
روح سے متعلق اس سے زیادہ علم رکھنے کا دعویٰ خود یہودیوں کا بھی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہودیوں کا تیسرا سوال کیا تھا؟

تو اس کی وضاحت سورہ کہف سے ہی ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ان سوالوں کے
جواب میں یہی سورہ نازل ہوئی تھی اور اس میں تین متواتر قصے بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ اصحاب کہف کا واقعہ

۲۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ

۳۔ ذوالقرنین علیہ السلام کا واقعہ

لہٰذا تیسرے سوال کے بارے میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ موسیٰ اور
خضر علیہ السلام کے واقعے سے متعلق ہوگا۔

اب مزید اعتراضات ملحدین نے یہ کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو
پندرہ دن لگا دیے جواب دینے میں پھر جو جوابات دیے وہ بھی معیاری نہیں تھے۔

ذرا اس کا بھی منطقی جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن و احادیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان شاء اللہ کہنا بھول گئے
تھے [illegible] جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کی بابت وحی دیر میں نازل کی۔ ملحدین کہتے
ہیں کہ یہ بہانہ تھا۔ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سوالات کے جوابات کا

ناموں سے جوابات نکالیں یا اسرار الکلمات میں سے
جہاں سے مرضی لائیں۔
بس دو شرائط ہیں۔
جواب صحیح اور معیاری ہونے چاہیئے۔
میں دیکھنا چاہوں گا کہ آپ کے پاس یا کھوجیوں کے پاس وہ کون سا چشمہ
ہے جس سے صحیح جوابات ہیں جن کی بنیاد پر آپ ان جوابات کو غلط قرار دے سکتے ہیں۔
آپ کو کتنے دن لگیں گے یہ ہم بھی دیکھتے ہیں۔

○

ملحدین کا قرآن پر ایک اعتراض
(عبداللہ بن ابی السرح)

ملحدین کے دماغ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کی اپنی ایک بات دوسری بات سے ٹکراتی ہے۔

کل کی تحریر میں میں نے النضر بن الحارث والے معاملے کا جواب دیا تھا اس میں ملحدین نے دو مدعے ایک ساتھ اٹھائے تھے اور دونوں مدعے ایک دوسرے سے الٹ تھے۔

ایک اعتراض یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ پچھلے ادیان کی کتابوں میں موجود قصوں سے مماثل ہوتی تھی۔ جس کا ثبوت النضر بن الحارث تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محفل سے اٹھ جانے کے بعد وہی قصہ تفصیل کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتا۔

پھر دوسرا اعتراض اسی تحریر میں یہ بھی کر دیا کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین والا قصہ پوری طرح پچھلے ادیان کے قصوں سے مماثل نہیں ہے۔

یعنی ایک ہی تحریر میں دو اعتراضات اور دونوں ایک دوسرے کا الٹ۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی بات پچھلی کتابوں سے مماثل ہو تب بھی اعتراض ہے اور مماثل نہ ہو تب بھی اعتراض ہے۔
خیر یہ عرض کرتا چلوں کہ قرآن انبیاء پر نازل ہونے والے ایک طویل ترین

سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اور یہ ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے
نے نازل فرمائیں۔ اصولاً قرآن کے بتائے گئے قصوں میں اور پچھلے ادیان میں بیان
گئے قصوں میں فرق ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ مگر چونکہ پچھلی کتابیں وقت کا ستم سہتے سہتے تبدیل
ہوتی چلی گئیں لہٰذا اب ان میں اور قرآن میں کچھ اختلاف دکھتا ہے۔ لہٰذا اب نئی نوع
انسان کے لئے اس زمین پر کوئی معتبر ترین کتاب ہے تو وہ قرآن ہی ہے اور اسی سے انبیاء
کی تاریخ کو پرکھا جائے گا۔ ورنہ ملحدین کو گل کی تحریر میں چیلینج کیا جا چکا ہے۔ اگر ہمت ہے
تو جو سوال انہوں نے اٹھائے تھے ان کے صحیح جوابات کے ساتھ اپنے گروپ میں اپ
تحریر ڈال دیں۔ آخر گوگل کو خدا مانتے ہیں جس کے پاس بقول ان کے ہر سوال کا جواب
ہوتا ہے۔ اپنے اس گوگل بابا سے جا کر پوچھیں کہ اصحاب کہف کا قصہ اگر ایسا نہیں تھا جیسے
قرآن بیان کرتا ہے تو پھر کیسا تھا؟ ذوالقرنین کا قصہ کیا تھا؟ روح کی حقیقت کیا ہے؟

گوگل کے پاس ان سوالوں کا یقیناً جواب ہوگا۔ آپ کو صرف کاپی پیسٹ ہی
کرنا ہے۔ کر دیں۔

پھر ایک اعتراض اور تاریخ طبری سے لیا گیا ہے جو عبداللہ بن ابی السرح سے
متعلق ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

"عبداللہ بن ابی السرح مسلمان ہوکر مہاجرین کے ساتھ یثرب آگیا تو
جہاں اسے وحی کی کتابت کا عہدہ دیا گیا۔ ابن سید الناس اپنی کتاب "عیون الاثر
المغازی والسیر" میں کہتا ہے کہ عبداللہ بن ابی السرح قریش میں سے سب سے پہلا
تھا جس نے وحی لکھی تھی جبکہ انصار میں سے سب سے پہلے وحی کی کتابت کعب بن ابی
کی تھی۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں وحی لکھنے والا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بیٹھتا
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے کچھ آیات لکھواتے تھے جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا
یہ جبرئیل کے ذریعے بھیجی جانے والی اللہ کی وحی ہے۔ ایک دن جب محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) عبداللہ بن ابی السرح کو سورہ المومنون کی کچھ آیات لکھوا رہے تھے تو آپ پر

ڈرامہ ہوا، آیات یہ تھیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿12﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿13﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ﴿14﴾

سیرت کی کتابوں کے مطابق جن میں الطبری، القرطبی اور البیضاوی شامل ہیں: عبداللہ بن ابی السرح نے حیران ہو کر کہا: ''تبارک اللہ احسن الخالقین۔'' یہ فقرہ محمد کو بڑا پسند آیا، چنانچہ محمد نے عبداللہ بن ابی السرح کو حکم دیا ''اکتبها، ہکذا نزلت (اسے لکھ دو یہ ایسے ہی اتری ہے)۔'' عبداللہ بن ابی السرح نے اسے لکھ دیا اور آیت یوں ہوگئی:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿14﴾

یہ ہے جناب نیا اعتراض۔

سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری کتنی مستند ہیں یہ میں آپ کو کل ہی بتا چکا ہوں لہٰذا بغیر وقت ضائع کیے اس اعتراض کی طرف آتے ہیں۔

پہلے تو میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کمال حکمت سے اللہ تعالیٰ نے ملحدوں اور کافروں کو ایسا زچ کر رکھا ہے کہ یہ اپنے تمام گھوڑے کھول لیں مگر قرآن پر کیے گئے کسی ایک بھی اعتراض کو عقل اور منطق کے میدان میں ثابت ہی نہیں کر سکتے۔

میں حیران ہوتا تھا کہ اللہ کے سب سے آخری رسول ہوں۔ اللہ کے سب سے عظیم انسان ہوں۔ اور اللہ انہیں ''امی'' رکھے؟ یعنی نہ لکھ سکیں نہ ہی کسی کا لکھا پڑھ سکیں؟ مگر آج جب ملحدوں کے سوالوں کے جواب دیتا ہوں تو اللہ کی حکمت پہ شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے اس ایک حکمت سے قرآن پر تنقید و اعتراض کے دروازوں کو ایسا بند کر

میں نے جو تحریر کل لکھی تھی اس کا ہر ہر لفظ میرا اپنا سوچا ہوا تھا۔ مگر آج آپ مجھ سے مطالبہ کیجئے کہ میں وہ تحریر آپ کو زبانی سنا دوں تو میں نہیں سنا سکتا۔ یعنی یہ میرے لئے اس حالت میں بھی ناممکن ہے کہ الفاظ میرے اپنے ہوں۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں نے کچھ ہیرا پھیری کر کے لکھے تھے؟ تب یہ ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہو جائے گا۔ اور یہ اس صورت میں کہ میں اپنی تحریر کو جتنی بار چاہوں پڑھ بھی سکتا ہوں اور پڑھتا ہوں۔ مگر پھر بھی یاد نہیں ہوتی۔

اور جو پڑھ ہی نہ سکتا ہو؟

سبحان اللہ۔

اللہ میرے رب کی حکمتیں۔

آپ حفاظ سے پوچھیں کہ قرآن کو حفظ کر لینا کیا بچوں کا کھیل ہے؟

ایک ایک سورت کئی کئی دن بار بار پڑھنی پڑتی ہے تب جا کر کہیں پکی یاد ہونا شروع ہوتی ہے۔ وہ بھی چھوٹی عمر کے بچوں کو حفظ کروایا جاتا ہے۔ بالغ بندے کے لئے تو اور مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ہم ایک ایسے رسول کو دیکھتے ہیں کہ جس پر کل وحی نازل ہوئی اور آج وہ اسے نمازوں میں محض یادداشت کے سہارے پڑھنا شروع کر دے۔ سبحان اللہ

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾

"اور (اے محمد ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو کہ اس کو جلد یاد کر لو ۱۶ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے ۱۷ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو ۱۸"

وحی نازل کرنے والے کی ضمانت کہ آپ کو بار بار دہرانے اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو نازل کردہ ہے وہ یاد کروانا بھی جانتا ہے۔

آئے۔ اور لاہور لا کر کیلیں ٹھوک کر فٹ کر دیا۔ جاؤ تم لوگوں سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔

جب اعتراض ہی اتنا احمقانہ ہو تو بندہ اس کا کیا علمی جواب دے؟ میرے پاس تو پھر اسی قسم کا جواب ہے۔

پھر کہتے ہیں اس قرآن میں جو سائنسی علوم ہیں وہ قدیم یونانیوں سے کاپی شدہ ہیں۔ اس میں بھی منہ کی کھائی کہ قدیم یونانیوں کے سائنسی عقائد اور قرآن کی سائنس میں فرق ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ بیچارے کافر کریں کیا۔

دنیا کا کوئی بھی انسان ہو وہ کسی ایک علم پر مکمل عبور رکھتا ہوگا۔

امراؤالقیس سے آپ شاعری کروا لیجیے مگر اس کو سائنس کا نہیں پتہ ہوگا۔

آئن اسٹائن سے فلکیات کی سائنس کا پوچھ لیجیے مگر اسے طبی سائنس کا نہیں پتہ ہو گا۔

کسی طبیب کو انجینئر نگ سے متعلق معلومات نہیں ہوں گی۔

یعنی دنیا کا ہر شخص کسی ایک علم میں عبور رکھتا ہے تو دوسرے علم میں مار کھا جاتا ہے۔

مگر قرآن؟

ایک ایسی کتاب جو اپنے حسنِ کلام سے بڑے بڑے کلام لکھنے والوں کو شرما دے۔ طبی سائنس پر بات کرے تو اچھے بھلے پڑھے لکھے ڈاکٹرز حیران رہ جائیں۔ پھر فلکیاتی سائنس، فلسفہ، قدیم واقعات، غیب کی خبریں غرض قرآن جس موضوع پر بات کرتا ہے اس موضوع پر علم رکھنے والے بڑے سے بڑا عالم اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔

تو کیا یہ سب کچھ ایک انسان نے اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا؟ وہ بھی [illegible] ایسے انسان نے جو لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتا؟ بس ادھر ادھر سے سن کر؟ ایسے کسی دوسرے انسان

کی مثال تاریخ میں ہمیں ملتی ہے جو بیک وقت اتنے سارے علوم پر مہارت رکھتا ہو اور آئن اسٹائن شاعرانہ کلام لکھنے پر بھی عبور رکھتا تھا؟

سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟

غار حرا میں کچھ دن کا توشہ لے کر جاتے تھے۔ توشہ ختم ہوتا تھا تو واپس آ جاتے تھے۔ یعنی یہ غیر حاضری اتنی طویل نہیں ہوتی تھی جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ ملک سے باہر علم حاصل کرنے چلے گئے۔ اونٹوں کا دور تھا کون سے ہوائی جہاز ایجاد ہوئے تھے۔

یہ کافروں کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

قرآن جتنے علوم کی بات کرتا ہے ان تمام علوم کو کسی انسان سے منسوب کرنا اسے ایک سپر نیچرل شخص تسلیم کرنے کے مترادف ہے جس کی کوئی دوسری نظیر ہمیں آج تک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ شاید وہ ملنے کا امکان ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ اسے اللہ کا رسول تسلیم کر لیا جائے۔

○

طلاق کا اختیار

ملحدین اعتراض کرتے ہیں کہ نکاح بیوی اور مرد کے رضا سے ہوتا ہے پھر طلاق کا اختیار صرف شوہر کو کیوں؟؟؟؟

جواب۔ یہ سچ ہے کہ اسلام عورت کو براہ راست طلاق کا اختیار نہیں دیتا۔ مگر اسے خلع کی راہ دکھاتا ہے۔ جس کے مطابق عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو عدالت سے رجوع کر کے علیحدگی کی درخواست دے سکتی ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ عدالت کے فیصلے کے باوجود اگر مرد طلاق نہ دینے پر ڈٹ جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی یا عدالت مرد کو مجبور کرے گی کہ وہ طلاق دے۔ عدالت کی ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ عدالت کے فیصلے کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ نکاح عورت اور مرد کے درمیان جنسی تسکین حاصل کیے جانے اور نسب پیدا کرنے کے لئے کیے جانے والے ایک شرعی معاہدے کا نام ہے۔ اس معاہدے پر چار گواہ کیے جائیں گے تاکہ معاشرے میں انہیں ایک قانونی حیثیت حاصل ہو جائے۔ پھر اگر معاشرے ہی کی عدالت اس رشتے کو باطل قرار دے دے تو وہ باطل ہو جائے گا۔

مرد و زن میں جنسی جذبے چونکہ خود خدا کے ہی پیدا کردہ ہیں لہذا ان کی تسکین کے لئے ایک قانون وضع کیا گیا ہے۔ اسلام جانوروں کی طرح انسانوں کی جنسی آزادی کا قائل نہیں۔ ایک خاتون سے بغیر نکاح کیے ایک رات جنسی تعلق قائم کرنا اور پھر اس کو اس

کے حال پر بے یار و مددگار چھوڑ کر اگلی رات دوسری خاتون کا انتخاب کر لینا اسلام میں جائز نہیں۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی وجہ صرف باپ کا تعین ہے۔ لہٰذا آج کے کم فہم لوگ ڈی این اے کی دریافت کو نکاح کا متبادل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ معاملہ صرف باپ کی شناخت تک محدود نہیں بلکہ تاحیات اس تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے اور اس کی ماں کے تمام حقوق تک جاتا ہے۔

جو خاتون اپنی ایک رات کی قیمت خود مقرر کرتی ہے وہ ایک لحاظ سے اپنے آپ کو بہت سستا بیچنے پر مجبور ہوتی ہے۔ کیوں کہ جو بھی قیمت وہ وصول کرے گی وہ اس کے پیدا ہونے والے بچے کی اور اس کی تا عمر کفالت کے لیے کافی نہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ پیدا ہونے والے بچے کے پیدا ہونے سے پہلے قتل کی صورت میں ہی نکلے گا۔

اسلام نکاح کے قانون کی صورت میں اس شیطانی قتل و غارت گری کا خاتمہ کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تعلق کو ختم کرنے کا اختیار براہ راست عورت کے پاس کیوں نہیں؟ اسے کیوں عدالت میں جانا پڑے؟

اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی تو یہ کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ جذباتی ہوتی ہیں۔ عورتوں کی یہ فطرت مشرقی معاشرے سے خاص نہیں بلکہ دنیا کے ہر معاشرے کی عورت کی یہی فطرت ہے۔ بہت کم خواتین ہوتی ہیں جو اپنی اس خامی پر قابو پاتی ہیں ورنہ اکثریت کی قوتِ فیصلہ خود ان کے حق میں سازگار نہیں ہوتی۔ کاروبار کوئی نہیں۔ نوکری کر نہیں سکتیں۔ باپ مر چکا۔ شوہر سے طلاق لے لی ہے۔ تو اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہاں معاملہ یہ بھی نہیں کہ طلاق کی وجہ بعد کی مجبوری ہے۔ اکثر خواتین کا اختلاف محض محبت کی کمی پر ہوتا ہے۔

مرد کے محبت کے انداز میں اور عورت کے محبت کے انداز میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ عورت اسی معاملے میں اکثر دھوکہ کھاتی ہے۔ محض وارفتگی اور خودسپردگی

کے جذبات کے تحت محبت کرنے والی عورت مرد سے بھی اسی قسم کی محبت کی امید رکھتی ہے۔
جبکہ مرد میں محبت کا یہ انداز فطری طور پر موجود ہی نہیں ہوتا۔ مرد کی محبت کا انداز صرف یہ ہے
کہ وہ کفالت کرتا ہے۔ فطرتاً کمزور عورت کو معاش کی مشقت سے بچاتا ہے۔ اکیلا کماتا
ہے اور سارے کنبے کو کھلاتا ہے۔ ان کے کپڑے تعلیم و تربیت اور بہتر آسائش زندگی کا خیال
رکھتا ہے۔ اس کی جان کی حفاظت عزت کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک دینے سے گریز
نہیں کرتا۔ یہ تمام سہولیات عورت کو صرف نکاح کے سائبان تلے ہی ملتی ہیں۔ ایک رات
کے تعلق میں یہ سہولیات میسر نہیں۔

پھر یہ بھی معاملہ ہے کہ مرد پر صرف اپنے بیوی بچوں کی کفالت فرض نہیں بلکہ اس
کے ماں باپ بہن بھائی اور معاشرے کے کچھ دیگر افراد کی بابت بھی اس پر کچھ ذمہ داریاں
عائد ہوتی ہیں جو بطور بیوی خواتین کے لئے کبھی قابل قبول نہیں ہوتیں۔

مغربی معاشروں میں تو ماں باپ کے جھنجٹ سے جان چھڑالی جاتی ہے۔ مگر
مشرقی معاشروں میں ماں باپ کو جھنجٹ نہیں سمجھا جاتا بلکہ تقدیس کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان
تمام ذمہ داریوں کے ساتھ میاں بیوی کے رشتے کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے یہ
ضروری ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے پاس ہو۔

پھر طلاق کے اختیار کا تعلق طاقت سے بھی ہے۔ بغیر طاقت کے اختیار کی بات
میرے نزدیک ایک مذاق ہے۔ مجھ سے ایک خاتون نے پوچھا تھا کہ اسلام شوہر کو بیوی کی
پٹائی کا اختیار دیتا ہے۔ یہی اختیار بیوی کے پاس کیوں نہیں؟ میں نے جواب دیا
کہ ٹھیک ہے بندہ میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ کا جب دل چاہے اپنے شوہر کی
پٹائی کر لیا کریں تو کہنے لگیں کہ اس کو ماروں گی تو وہ مجھے چھوڑ دے گا؟

اب اس کا حل تو میرے پاس نہیں کہ مرد کے پاس اگر اختیار ہے تو اس اختیار پر
عمل کے لئے اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جبکہ خاتون کو اختیار دینے کے بعد وہ
ساتھ ساتھ اسے کہتی ہیں کہ آپ کا جب دل کرے اپنے شوہر کی پٹائی لگوانے کو تو

سوال ہمیشہ ممکن صورت حال پر ہوتا ہے۔ جو صورت ہی ممکن نہیں اس پر سوال کا کیا مطلب ہے؟

اللہ کو معلوم ہے کہ دنیا میں کون سے خطے کا سورج کب ڈوبتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں شریعت کے عمومی احکامات واضح کر دیے ہیں۔ بعض خصوصی معاملات کے لیے اجماع کی سہولت موجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اتنے طویل دن اور رات خط استوا پر ہوتے ہیں جہاں انسان کی رسائی ہی نہیں ہے۔ پھر وہاں زندگی کا وجود بھی ممکن نہیں۔ اگر کوئی کسی تحقیقی غرض سے وہاں گیا ہے تو اس پر تو ویسے بھی سفری احکامات کا اطلاق ہوگا۔ اور اگر وہاں چند لوگ کسی طریقے سے رہائش پزیر ہو بھی جائیں تو ان پر خصوصی احکامات کا اطلاق ہوگا کہ جس کے لئے اجماع کا راستہ موجود ہے۔

دوسرا سوال ناروے کے 22 گھنٹے طویل روزے کے متعلق ہے۔ وہاں کے لوگ اتنا طویل روزہ کیسے رکھیں گے؟ مغرب کی نماز پھر عشاء کی نماز پھر تراویح؟ یہ سب معاملات کیسے طے ہوں گے؟

سوال کرنے والا شاید واقف نہیں کہ پچھلی امتوں پر جو روزہ فرض تھا وہ 24 گھنٹے کا ہوتا تھا۔ بیچ میں صرف ایک کھانے پینے کا وقفہ ہوتا تھا اس کے بعد اگلا روزہ شروع۔ لوگ دو روزے بھی رکھتے تھے۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ امت مسلمہ کے لئے اس نے نمازیں بھی پچاس سے گھٹا کر پانچ کر دیں اور روزہ کا دورانیہ بھی کم کر دیا۔ لہذا 22 گھنٹے کا روزہ خلاف عقل تو نہیں ہے۔ زیادہ مشقت پر اعتراض کیا جا سکتا ہے تو اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ روزہ مشقت والی عبادت ہے۔

آگے چلیے۔

باجماعت تراویح کیسے پڑھیں؟

یہ بھی ایک غلط فہمی ہمارے ہاں رائج ہے کہ رمضان میں جس طرح روزہ فرض

یہ اسی طرح شامل کر تراویح بھی فرض ہے۔ حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن تراویح پڑھی اس کے بعد جان بوجھ کر چھوڑ دی۔ اگلے دن صبح فجر میں فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ تم لوگ رات نماز پڑھنے کثیر تعداد میں مسجد نبوی میں موجود ہو مگر میں اس خیال سے باہر نہ آیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔

جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کریں اور کبھی چھوڑ دیں اس پر سنت غیر مؤکدہ کا حکم لگتا ہے۔ آپ اسے پڑھ بھی سکتے ہیں چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ نہ ہی اس میں قرآن ختم کرنا ضروری ہے نہ ہی اسے پورے تیس دن پڑھنے کی شرط ہے نہ ہی اس میں رکعتوں کی کوئی قید ہے۔ یہ تو ثواب ہے جو جتنا کما سکے کما لے۔ معلوم صرف یہ ہے کہ رمضان میں عبادت کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے لہٰذا صحابہ کرام نے اس کے لیے خصوصی اہتمام فرمائے ہیں۔

یعنی ان ملکوں میں جن کے پاس افطار کا وقت صرف دو گھنٹے تک محدود ہے وہ اس میں صرف افطار کریں گے اور مغرب کی نماز پڑھیں گے۔ پھر جب ذرا اندھیرا ہو جائے تو عشاء کی نماز ادا کر لی جائے اور اگلے روزے کی تیاری۔ اگر افطار و سحری میں کل دو ہی گھنٹے ملتے ہوں تو ان میں سے صرف ایک ہی کی ضرورت پیش آئے گی۔ یعنی یہ کوئی اتنا مشکل مسئلہ نہیں جسے سمجھا نہ جا سکے۔

قرآن و احادیث میں جو احکامات دیے جاتے ہیں وہ عمومی طور پر اکثریت کے لحاظ سے ہیں۔ اگر کوئی اقلیت اس میں تبدیلی چاہے مگر کسی پابندی تو اس کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔

○

گھر میں تین دن چولہا نہیں جلتا تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری زندگی حتیٰ کہ ایک بھی سال ایسا نہیں گزرا جب آپ کو زکات ادا کرنی پڑی ہو۔ کبھی غنیمت سے یا دیگر آجاتا تو رات گزارنی بھاری ہو جاتی جب تک اس مال کو تقسیم نہ کردیتے۔ یہ تھی وہ صورت اس کامل نبی [illegible] تھی جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ تھا وہ ہدف جس کو پانے کے لئے دین مصنوعی تخلیق کیا گیا۔

اب آجائیے جسمانی فوائد پر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں گیارہ نکاح فرمائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسے فائدہ تصور کیا جائے تو کیا اس فائدے کے حصول کی یہی ایک صورت تھی؟ جی نہیں۔ عرب معاشرے میں کثرت ازدواج اور لونڈیوں سے جنسی تعلق کا امکان تو پہلے سے موجود تھا۔ اور اس کے لئے کسی قسم کی پابندی بھی نہ تھی۔ دین تو عورت کی بھی حاجات اور ضروریات پوری کرنے کا پابند بناتا ہے جبکہ کہ عربوں میں جو طریقے موجود تھے ان میں بغیر کسی پابندی کے اس سے کہیں زیادہ خواتین سے لطف اندوز ہوا جا سکتا تھا۔ تو پھر کسی دین کی تخلیق کیوں ضروری تھی؟ یہ بات عقل و شعور کے معیار پر کسی طرح پوری نہیں اترتی۔

○

معاشرتی زاویہ

معاشرتی زاویہ سے اگر دیکھیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے سب سے معزز قبیلے قریش کے معزز خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ جو پوری دنیا کے مذاہب کی عبادت کا مرکز تھا کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا اگر اس مناسبت سے بھی جائزہ لیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت سے کوئی ایسا دنیاوی فائدہ حاصل نہیں ہوا جس کو ان کے اعلان نبوت کا سبب قرار دیا جا سکے۔ بلکہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ان کی سیدھی سادی اور آسان ترین زندگی ایک مشکل ترین زندگی میں تبدیل ہو گئی۔

اب اس سارے معاملے کا ایک دوسرے پہلو سے جائزہ لیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کوئی نیا عقیدہ یا کوئی نیا دین دنیا میں متعارف کرواتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہو کہ اس کے بتائے ہوئے دین کو زیادہ سے زیادہ لوگ اپنائیں تو اسے کیا سہولیات لوگوں کو دینی چاہئیں؟

۱۔ اس دین میں امراء کو شامل کرنا چاہئے اور غرباء کے لئے بھی سہولیات کا سامان ہونا چاہئے۔

مگر دین اسلام کو شروع میں اپنانے والوں میں غرباء کی کثرت تھی۔

ایک حدیث کے مطابق ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب فرمایا۔ کیا تم لوگوں میں

عمار کے والد یاسر کو بھی تپتی ریت میں لٹا کر کے مارا جاتا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔ ان کا جرم کیا تھا؟

عمار بن یاسر پر بھی ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔

یہ تھے وہ انعام جو اکرام جو اسلام قبول کرنے کے عوض ملا کرتے۔ کیا خاصیت تھی اس پیغام میں کہ جو اسے قبول کرتا وہ مار مرنے کو تو راضی ہو جاتا مگر دین چھوڑنے پر کسی طور راضی نہ ہوتا؟

سہولیات کیا تھیں؟

صبح صبح سخت سردی میں اپنی نیند خراب کر کے اٹھو اور ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے (غسل یا) وضو کر کے نماز پڑھو۔ پھر یہاں بات ختم نہیں ہوتی۔ دوپہر ہو تو دوبارہ ظہر کی نماز ادا کرو۔ سہ پہر کو پھر شام کو اور رات کو جب نیند اپنے عروج پر ہو تو نماز ادا کر کے سو جاؤ۔ پھر آدھی رات گزرنے پر دوبارہ اٹھ کر تہجد بھی پڑھنی ہے۔ رمضان میں فجر سے لے کر مغرب تک نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے۔ حج کرتا ہے۔ پرائی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اپنے کمائے ہوئے مال سے غریبوں کا حصہ زکوٰۃ یا صدقات کی صورت میں نکالتا ہے۔ شراب جیسی نشہ آور چیز جس میں عرب گھٹنوں گھٹنوں ڈوبے ہوئے تھے اسے یکسر چھوڑ دیتا ہے۔ غرض ہر وہ کام جو انسان کی خواہش ہوتا ہے۔ جس میں اس کی تمام تر دلچسپیوں کا سامان ہوتا ہے۔ اسے چھوڑتا ہے اور ہر وہ کام جو تکلیف دہ ہے۔ نفس کے خلاف ہے اسے اپناتا ہے۔ بدلے میں ملے گا کیا؟ جنت۔ کب؟ مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوں گے تب۔ اور اس زندگی میں؟ صرف تکالیف اور مصائب۔

کیا یہ کوئی بہتر پلان تھا جس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا جا سکتا تھا؟ کیا دنیا کا کوئی ایک بھی کاروباری شخص مجھے اس قسم کے پلان پر اپنی کوئی پراڈکٹ مارکیٹ میں متعارف کر کے دکھا سکتا ہے؟ ہم سے تو ریزر کا بلیڈ نہیں بکتا جب تک اس میں ایک عدد خوبصورت لڑکی نہ دکھا دیں۔ تو پھر یہ کس انسان کا پلان تھا جس نے محبت کو سرتا پا کہہ سے

زبردستی کسی کے حلق سے قرآن اتارنا اللہ کی حکمت نہیں ہے۔ آپ کو عقل دی گئی ہے اور آپ کے سامنے حق رکھ دیا گیا ہے۔ باقی کام آپ کا اپنا ہے۔ عقل والی مخلوق بھی اگر اس قسم کے مطالبے شروع کر دے کہ ہم سے زبردستی نیک کام کروا لیے جائے اور اللہ تعالیٰ بزور طاقت ہمیں برے کاموں سے روک دیتا تاکہ دنیا میں برائی نہ ہوتی محض اچھائی ہی اچھائی ہوتی اور سب جہنم سے بچ جاتے اور جنت میں چلے جاتے۔ تو یقیناً ایسا ہو سکتا تھا مگر پھر اس کے لیے صاحب عقل انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ جتنے انسان ہیں ان کی جگہ اتنے ہی گدھے پیدا کر دیے جاتے؟ ان کو ہانکیں ڈال کر چلایا جاتا؟

انسان کو صاحب عقل، صاحب اختیار اور صاحب شعور پیدا کیا گیا ہے۔ پھر گاہے بگاہے اس کی ہدایت کا سامان پیدا کیا گیا ہے۔ اس عقل کے بعد آخری فیصلہ اور اختیار اسی کو دیا گیا ہے۔ اب جو فیصلہ وہ کرے گا اس کا تعلق اس کی عقل کی خرابی سے نہیں بلکہ نیت کی خرابی سے ہوگا۔

آپ قرآن میں ہدایت ڈھونڈیے قرآن آپ کے لیے موجب ہدایت بن جائے گا۔ کوئی قرآن میں خامیاں تلاش کرے۔ قرآن اپنی خوبیوں کو خامیوں کے سراب میں لپیٹ کر اس کے سامنے بھی پیش کر دے گا۔ مگر جب وہ اس کو خامی سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کرے گا تو اندازہ ہوگا کہ درحاصل اس میں ضلالت اور بھٹکانے کا سامان تھا اور کچھ نہیں۔

یہی وہ بات ہے جو میں نے تحریر کے بالکل آغاز میں دو قرآنی آیات کی صورت میں بیان کی۔ پہلی ہی آیت میں هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کی بات کی گئی کہ یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ مگر وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ کہہ کر یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ گمراہ بھی صرف فاسقوں کو کرتا ہے۔

○

انسان کے جسم میں تھوکتا ہے جو جراثیم منتقل کر جاتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک بیماری ملیریا ہے جس کے جراثیم جسم میں منتقل ہونے سے جگر تک پہنچ کر انسان کو بیمار کرنے میں صرف ہفتے لیتے ہیں۔ ایک خطرناک بیماری اسکی چھالیہ کالا ملیریا ہے جو اسی مچھر کے کاٹنے سے ہو سکتی ہے۔

اس پوری تحقیق کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جس سائنس نے اس قدیم کیڑے کے متعلق یہ سارے انکشافات کیے اسی سائنس نے اس مچھر کی پیدائش کو حادثاتی قرار دی ہے۔

کیا ان تمام خصوصیات کا ایک کیڑے میں بغیر کسی خدا کے خود بخود تخلیق ہو جانا ممکن ہے؟

○

جینز کے ملاپ سے یک خلوی جرثومہ زندہ ہو گیا اسی سائنسی اصول پر حضرت آدم علیہ السلام بھی زندہ ہو گئے۔

آگے چلیئے۔ اگلا سوال ہے۔

2۔ بی بی حوا کس سائنسی اصول یا قانون کے تحت ایک مرد یعنی حضرت آدم کے پسلی سے پیدا ہو کر دنیا میں نمودار ہوئی تھی؟

جواب۔ پچھلے جواب کی روشنی میں اس کا جواب بھی وہی ہوگا۔ اللہ نے ہر جاندار جوڑوں میں بنایا ہے۔ لہٰذا جس سائنسی اصول پر آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی سائنسی اصول پر حوا علیہ السلام بھی پیدا ہوئیں۔

اب چلتے ہیں اگلے سوال پر جس پر سب سے زیادہ بحث ہے۔

3۔ سبکو پتہ ہے کہ مردوں میں xy کروموسومز ہوتے ہیں اور خواتین میں xx سوال یہ ہے کہ کنواری بی بی مریم کو جو حمل ٹھہرا اس سے بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا یعنی ایک ایسا انسان جو کہ xy کروموسومز کے ملاپ سے وجود میں آیا۔ مجھے وہ سائنسی اصول یا قانون بتائیں جس کے تحت کسی انسانی خاتون میں بغیر کسی Y کروموسوم کے کوئی male بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟

جواب۔ ارتقاء کی تاریخ اگر ہم پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ارتقاء کا آغاز یک خلوی جرثومے سے ہوا۔ یک خلوی جرثومے کی افزائش نسل کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو تقسیم کرتا تھا۔ اسے قطعاً قطعاً قطعاً جنسی اختلاط کا علم نہیں تھا۔ نہ اس نے کبھی اسے استعمال کیا۔ پھر وہ یک خلوی جرثومہ ترقی کر کے پودہ بن گیا۔ اب اس نے افزائش نسل کا ایک نیا طریقہ سیکھا۔ یعنی جنسی تولید۔ کہاں سے سیکھا؟ سائنس کی پتہ؟ اس پودے کو بھی قطعاً قطعاً جنسی اختلاط کا علم نہیں تھا۔ نہ اس نے کبھی یہ طریقہ استعمال کیا۔ بلکہ یہ اپنے آباؤ اجداد کا تقسیم والا طریقہ بھی بھول گیا۔ پھر یہ پودا ترقی کر کے آبی جاندار میں تبدیل ہوا۔ یہاں سے جنسی اختلاط سے پہلی بار روشناس ہوا۔ یعنی نر اور مادہ میں جنسی اختلاط۔ یاد رہے پہلے آبی جاندار

سے پہلے اس کرۂ ارض پر کبھی کسی نے جنسی اختلاط نہیں کیا تھا۔

اب میرا سوال بڑا سادہ سا ہے۔

جس پہلے جاندار نے پہلی بار جنسی اختلاط کا طریقہ استعمال کیا اس کی اپنی پیدائش میں ۲ کروموزوم استعمال ہوئے یا نہیں؟

جواب بھی بڑا سادہ ہے۔

جی نہیں۔

اس کے ماں باپ پودے تھے جو جنسی اختلاط نہیں بلکہ جنسی تولید کا طریقہ استعمال کیا کرتے تھے۔

بغیر ۲ کروموزوم کے استعمال کے بغیر ایک جاندار وجود میں آچکا تھا۔ اور یہ میں نہیں کہہ رہا۔ یہ ارتقائی نظریہ کہتا ہے۔ یعنی یہ سائنس ہے کوئی معجزہ نہیں۔ تو اگر سائنس کے مطابق ارتقائی نظریے میں بغیر ۲ کروموزوم کے ایک نر جاندار وجود میں آسکتا ہے تو حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر اعتراض کیسا؟

○

ہیفلک اور ہماٹیلیٹ جینز

ہمیشہ زندہ رہنے کی لگن اصل انسان میں ازل سے ہے۔ بچپن میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں پڑھتے تھے کہ کسی نے آب حیات پی لیا اور وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ قدیم مصر میں لاشیں محفوظ کرنے کے رواج کے پیچھے بھی یہی سوچ پنہاں تھی کہ انسان کبھی نہ کبھی موت پر ضرور قابو پا لے گا۔

آج سائنس بھی اس ضمن میں تحقیق کر رہی ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی بنا پر موت واقع ہوتی ہے۔ کیا ان پر قابو پا کر موت سے فرار ممکن ہے؟ سائنس چونکہ روح کو نہیں مانتی اس لیے اس تحقیق کا سارا دارومدار ان اعضا کی تلاش پر مرکوز ہے جو موت کا سبب بنتے ہیں۔

جتنی سائنس میں نے پڑھی ہے اس کے مطابق جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس کو زندگی کا ماخذ قرار دیا جا سکے۔ جن کا دماغ صحت مند ہو وہ دل کے دورے سے بھی مر جاتے ہیں۔ جن کا دل صحت مند ہو وہ دماغ کی شریانیں پھٹنے سے مر جاتے ہیں۔ دل و دماغ دونوں صحت مند ہوں تو گردے فیل ہونے سے بھی موت واقع ہو سکتی ہے۔ پھیپھڑے خراب ہو جائیں تو سانس لینے کے عارضے ہو جاتے ہیں۔

خون کی کمی۔
جسم میں پانی کی کمی۔
اپینڈکس کا پھٹ جانا۔

شوگر کا بگڑ جانا۔

اور پھر جسم کے تمام اعضا صحت مند ہوں اور انسان کا بغیر کسی وجہ کے اچانک مر جانا۔ موت یہاں آ گئی ہے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق موت کا ایک دن مقرر ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا دن معین کر رکھا ہے۔ مائیکل جیکسن ڈیڑھ سو سال زندہ رہنا چاہتا تھا۔ مگر خدا نے اس کی زندگی پچاس سال لکھی تھی۔ سو وہ کثیر مقدار میں رقم خرچ کرنے کے باوجود مر گیا۔

ماہرین نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں پراجیکٹ بلو برین کی افادیات بیان کی گئی ہیں۔ پراجیکٹ بلو برین کیا ہے؟

ایک ایسے دماغ کی ایجاد جو انسانی دماغ کے متبادل کے طور پر کام کرے گا۔ یعنی جتنی بھی معلومات ایک انسانی دماغ میں موجود ہیں انہیں ایک سپر کمپیوٹر میں اپ لوڈ کر دیا جائے گا جیسے آپ بیک اپ کر سکتے ہیں۔

اب یہاں تک بات بالکل معمولی نوعیت کی ہے۔ کیوں کہ انسان کے پاس جو بھی علم موجود ہوتا ہے اس کو پہلے بھی کسی نہ کسی طور مرنے سے پہلے مختلف کتابیں لکھ کر یا نسل در نسل چلا کر محفوظ کیا جاتا رہا ہے۔ مگر اس پراجیکٹ میں اس بات پر بھی تحقیق کی جا رہی ہے کہ کسی طرح اس دماغ کو چلایا بھی جا سکے۔ یعنی وہ اسی طرح کام بھی کرے جس طرح اصل دماغ کام کرتا ہے۔

اس بات پر بھی تحقیق کی جا رہی ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو موت کا سبب بنتے ہیں ان کا سدباب کر کے انسان کو ہمیشگی بخشی جا سکے۔

سید امجد حسین کی تحریر کے مطابق انسان اس صدی کے آخر تک ہمیشہ زندہ رہنے کی صلاحیت حاصل کر لے گا۔ اس کی مثال انہوں نے یوں پیش کی کہ ابتدائی زمانے میں انسان کی اوسط عمر 18 سے 20 سال ہوا کرتی تھی۔ بعد میں رفتہ رفتہ بڑھ کر پہلے 35 سے 40 پھر 60 تک پہنچ گئی۔ اس دور میں انسان کی اوسط عمر 70 سال ہے۔ امید کی جا رہی ہے

اس میں جذبات اور احساسات ڈالنا۔ مزید اس بات کو بھی سمجھنا کہ انسان بوڑھا کیوں ہوتا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ انسان کے خلیات ایک مخصوص عمر گزر جانے کے بعد تباہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں؟ اگر انسان یہ معلومات حاصل کرلے تو ان عوامل کا سدباب کر کے انسان کو ہمیشہ زندہ رکھا جا سکتا ہے۔

بعض سائنسدانوں کے مطابق انسان زیادہ سے زیادہ 125 یا 135 سال تک زندہ رہ سکتا ہے اور ہیشگی کا خواب محض خواب ہی ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جنہیں ہم انٹرنیٹ پر پڑھتے ہیں۔ نیوز میں سنتے ہیں۔ اخبار میں پڑھتے ہیں کہ آج یہ کامیابی مل گئی اور بس انسان ہیشگی پانے کے قریب ہے۔ مگر حقائق وہ ہیں جو ہمارے اطراف میں نظر آتے ہیں۔ انسان کے پاس فی الحال ایسا کوئی بھی کمپیوٹر موجود نہیں جو انسان کی زندگی کے صرف پہلے سال کی تمام معلومات کو اپنے اندر سمو سکے۔ مزید یہ کہ سائنس آج تک کمپیوٹر کو سوچ فراہم نہیں کر پائی۔ جو پروگرام اس میں ڈالا جائے گا اسی پر وہ کام کرے گا۔ خود بخود سوچنا اور فیصلہ لینا یہ فی الوقت کمپیوٹر کے بس کی بات نہیں۔ پلاسٹک کے گردے پلاسٹک کے پھیپھڑے آپ نے خبروں میں سنے ہوں گے۔ مگر اس کی مکمل شکل کسی ترقی یافتہ ملک میں بھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔ آج بھی جس کے گردے خراب ہو جائیں اس کو کسی دوسرے انسان کا ایک گردہ نکال کر لگایا جاتا ہے۔ اس میں بھی گردے کے ٹشوز میچ کرنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ ستر فیصد مریض اس ٹرانسپلانٹ کے دوران جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

یہ وہ حقائق ہیں جو ایک عام آدمی کے روزمرہ مشاہدے میں ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہیشگی کے دعوے تب ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ریڈیو بنانا نہ آتا ہو اور کمپیوٹر ایجاد کرنے کی بات کرے۔ [illegible] جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ فی الحال انسان کو مرنا ہے۔ [illegible] میں [illegible] کیا جا رہا ہے اور حقیقی خدا سے منکر کر کے سائنس کو [illegible] ہے۔

سائنس ایک مچھر کا پر بنانے سے قاصر ہے مگر وہ پلاسٹک کے گردے بنا رہی
ہے تاجب معلوم نہ کر پائی مگر مردے زندہ کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ کینسر اور ایڈز کا
علاج کرنے سے قاصر ہے مگر ہمیشہ زندہ رہنے کی بات کرتی ہے۔ دماغ کا پانچ
فیصد حصہ استعمال کرنے سے قاصر ہے مگر دماغ تخلیق کرنے کی بات کرتی ہے۔

سبحان اللہ۔

○

جس پر سائنسدانوں کو وضاحتیں کرنی پڑیں کہ اس بات سے [illegible] نہیں۔ ڈولی کے بعد بھی کلوننگ کے تجربات کیے گئے۔ [illegible] سے ہونے والی کامیابی کا تناسب اسی فیصد رہا۔ آخر 2007 میں ڈولی کو "ایجاد" کرنے والی ٹیم نے تسلیم کیا کہ کلوننگ کا یہ طریقہ کار انسانوں میں شاید کبھی کامیاب نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سائنسدانوں میں شرم بھی ہوتی ہے اور حیا بھی ہوتی ہے مگر ملحد بڑے بے غیرت ہوتے ہیں۔

کچھ سائنسدان یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم سب کچھ کلون کر سکتے ہیں مگر ضرورت کیا ہے؟ جب قدرتی طریقے سے نارمل بچہ پیدا ہو سکتا ہے تو ضرور کلون کے ذریعے ایب نارمل بچہ پیدا کرنا ہے؟ سبحان اللہ۔

ان ملحدوں کی ان حرکتوں سے ان کے ملحد ہو جانے کی وجوہات کا تعین بھی باآسانی کیا جا سکتا ہے۔ جتنا دماغ ہوتا ہے اتنا ہی کام کرے گا۔

پھر ایک اور صاحب نے دعویٰ کر دیا کہ کون کہتا ہے کینسر لاعلاج ہے۔ میرے استاد تو روز کینسر کا علاج کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ ان کے استاد ضرور فیس بک ڈاکٹر ہوں گے۔ پیچھے فیس بک سائنسدان ہوتے ہیں جو مردے بھی زندہ کر لیتے ہیں۔ کینسر تو کسی کھیت کی مولی ہی نہیں ہے۔ لوگوں نے خواہ مخواہ کینسر اور ایڈز کو ہوا بنایا ہوا ہے۔ ان صاحب کو کوئی جا کر بولے تم کینسر چھوڑو اپنے قابل استاد سے اسٹیفن ہاکنگ کا علاج کروا دو۔

پھر کہتے ہیں کہ سائنس ہی تو زندگیاں بچاتی ہے ورنہ اللہ میاں کے پاس اتنی فرصت کہاں؟

یعنی سائنس کیلئے گندم اور سبزیاں ایجاد کرتی پھر رہی ہے اور ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم درختوں پر اگتے ہیں۔ امریکیوں کے گملوں کے بیچ میں دو ایٹم بم اگ گئے تھے انہوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر مار کر برابر کر دیئے۔ یہ جو مدر آف آل بم افغانستان پر مارا ہے اس کا سائنس سے کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ امریکہ کی خاتون اول نے ایجاد کیا تھا۔

پھر ایک اور ملحد نے چول ماری کہ سائنس نے کینسر کا پتہ لگایا [illegible]

ڈرون بنا ڈالا ہے جو اللہ میاں کے مچھر سے زیادہ پاورفل ہے۔ سبحان اللہ۔

اسے کہتے ہیں مرعوبیت۔ موصوف نے ساتھ اس مچھر ڈرون کی تصویر بھی دی ہے جو کم و بیش پانچ سال سے انٹرنیٹ کی زینت بنی ہوئی ہے۔ یہ تصویر محض ایک مخیلہ خواب کا ڈیزائن ہے جو کافی عرصے سے in production ہے۔ مجھے امید ہے کہ محترم کو in production اور produced کا فرق پتہ ہو گا۔ انسان یقیناً مچھر کی طرز کا ڈرون بنانا چاہتا ہے اور اس پر کام بھی جاری ہے مگر ابھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا۔

کیوں نہیں پہنچا؟

اس کی کافی تکنیکی وجوہات ہیں جن میں سے میں صرف دو کا تجزیہ یہاں کر دیتا ہوں۔

پہلی یہ کہ اس میں ان سائیڈ بیٹری کا کوئی سسٹم نہیں بن رہا۔ outer power سے وہ پانچ منٹ سے زیادہ نہیں اڑ سکتا۔

دوسری وجہ مچھر کا پر ہے۔ جی ہاں آپ نے ٹھیک پڑھا۔ مچھر کا پر۔

انسان نے جتنی بھی فلائنگ مشین آج تک ایجاد کی ہیں ان میں جو پر لگائے گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک آپ ہوائی جہاز میں دیکھتے ہیں جو ہوا کے پریشر سے اڑتا ہے۔ اور دوسرا ہیلی کاپٹر کے پر۔

اس insect drone سے انہوں نے جاسوسی کروانی ہے وہ بھی طالبان کی تو یہ انتہائی ضروری ہے کہ اس کا پورا ڈیزائن مچھر جیسا ہو۔ طالبان لاکھ پسماندہ سہی مگر اتنے بے وقوف نہیں کہ ان کے کمرے میں کوئی ایسا مچھر داخل ہو جس کی پیٹھ پر ہیلی کاپٹر کے پر گھوم رہے ہوں اور وہ سمجھیں کہ شاید ہم نے مچھر کی کوئی نئی نسل دریافت کر لی ہے۔ اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ امریکہ کا یہ مہنگا کیڑا طالبان کے اخبار کی ضرب کا نشانہ بن کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یہ ہے اصل مسئلہ۔ مچھر تیار ہے۔ بس پر بننے باقی ہیں۔ ایک سائنسدان کا دعویٰ ہے کہ اس نے مچھر جیسے پر لگا کر اس ڈرون کو اڑا دیا بھی ہے مگر ابھی بھی اس کی اڑان میں۔۔۔

پھر کی اڑان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ 4، 1993ء [illegible] سیاسی پیکھیے ا۔

ایک اور طبیب نے دعویٰ کیا ہے کہ سائنس clinically dead لوگوں کو بھی زندہ کر کے گھر بھیج دیتی ہے اور اسے موت کا سبب بھی پتہ ہے۔

کسی کو مردہ قرار دے کر اسے زندہ کرنا اور بات ہے اور حقیقی مردے کو زندہ کرنا اور بات۔ اور اگر سائنس کو موت کا سبب پتہ ہے تو ہمیں بتاتے ہوئے کیوں ڈر رہی ہے؟

اب یہاں سوال یہ ہے کہ اگر سائنس مردے زندہ کرنے کے قابل ہو گئی ہے تو کیا قباحت ہے کہ نیوٹن، آئن اسٹائن اور ابن سینا کے مردے دوبارہ زندہ کر لئے جائیں؟

جب کر لیں تو مجھے ضرور بتانا۔

○

"پھر آپ کا اعتراض یہ ہے کہ شیطان کو قربانی کا بکرا بنایا گیا حالانکہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا؟"

جواب: اس بات کو اپنے گمان سے نکال دیجئے کہ اللہ منصف مزاج نہیں۔ وہ ہر شخص کو راہ راست پر آنے کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ غیب کو جانتا ہے جسکی وجہ سے یہ غلط فہمی جنم لیتی ہے کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے مگر بات اس سے الٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقدیر میں لکھا وہ جاتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ اللہ کے پاس علم غیب ہے اور اللہ جانتا ہے جو اعمال ہم کرنے والے ہیں لہذا وہ انہیں لکھ لیتا ہے۔ اس کو خدا کیوں کر کہئے گا جسے انسان کے عمل کرنے کے بعد پتہ چلے کہ انسان نے یہ عمل کیا ہے؟ آپ کو کیا لگتا ہے آپ کی تقدیر میں ملحد ہونا لکھا تھا اس لئے آپ ملحد ہو گئیں۔ جی نہیں۔ چونکہ آپ نے ملحد ہونا تھا اس لئے آپ کی تقدیر میں ایسا لکھا گیا۔ شیطان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

انسان کی پیدائش پر فرشتوں نے بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا کہ آپ ایسے پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد و خون برپا کرے گا۔ اللہ کا جواب تھا جو میں جانتا ہوں "تم نہیں جانتے۔ کیا فرشتوں کے تحفظات غلط ثابت ہو گئے؟ جی نہیں۔ تو پھر وہ کیا علم تھا جو اللہ کو تھا فرشتوں کو نہیں؟ اس کا ایک جواب تو سیدھا ہے کہ انسان اللہ کی ایک ایسی مخلوق ہے جو اللہ کی عبادت بھی کر سکتی ہے سرکش بھی ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات علم میں افضل ہے۔ یعنی بغیر کسی مجبوری اور دباؤ کے اللہ کی عبادت کرنے والی مخلوق۔ یہاں یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ جنت کا لالچ یا جہنم سے بچنے کا دباؤ۔ آپ پر کیوں نہیں ہے دباؤ جہنم کا؟ آپ کو کیوں نہیں لالچ جنت کا؟ ہر انسان یہاں اپنی مرضی سے جیتا ہے۔ علم و ہدایت موجود ہے۔ جو چاہے استفادہ کرے جو چاہے جاہل رہے۔ اپنی اپنی مرضی ہے۔

اس کا دوسرا جواب سورہ التکویر میں موجود ہے۔

"اور جب زمین میں زندہ گاڑ دی جانے والی بچی سے پوچھا جائے گا۔ بتاؤ کہ

سے کی وجہ بھی یہی ہے۔ قرآن میں اللہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہاروت اور ماروت فرشتے تھے جنہیں "اللہ" نے بابل میں اتارا اور وہ "اللہ کے حکم سے" لوگوں کو وہ بات سکھاتے تھے جو میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دے۔ مگر وہ نہیں سکھاتے تھے جب تک بتا نہ دیں کہ "ہم محض آزمائش ہیں تو اس کفر میں نہ پڑ۔" اس میں کہاں اللہ شیطان کو یا کسی شر یا قوت کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہے؟ اللہ تو تسلیم کر رہا ہے کہ یہ آزمائشی طریقہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ جانتا تھا۔ اللہ نہیں ڈرتا کہ کوئی اس کا پیچھا کرے گا۔

صرف قابل اعتراض یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی ارادی قوت سے برائی کرے اور مورد الزام اللہ کو ٹھہرائے کہ اللہ نے مجھے اس برائی میں مبتلا کیا۔ معاذ اللہ۔ کیا ہدایت کے لئے انبیاء نہ بھیجے گئے؟ کیا کتابیں نازل نہ کی گئیں؟ کیا یہ واضح نہ کر دیا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اور جب حق و باطل واضح ہو گیا تو اب الزام اللہ پر مت دو۔ اپنے آپ کو کوسو کہ تم نے اپنی عقل ہی استعمال نہ کی کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ۔

اللہ نے انسان کو آزمانا ہے اس کے لئے اس کے اطراف میں صرف اچھائیاں پھیلا دی جاتیں تو امتحان کا ہے کا؟ وہی بات کہ پھر فرشتوں سے آگے مزید کسی مخلوق کی ضرورت ہی نہ تھی۔ باشعور انسان کو تخلیق کرنے کے بعد خالق انسان اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کو آزمائے۔

○

خدا کا عرش اور پانی

ملحدین کے کچھ سوالات ہیں۔

''ا۔سورہ ہود کی آیت نمبر 7 کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے خدا کے عرش کا پانی پہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا مخلوقات کی پیدائش سے پہلے پانی موجود تھا جس پہ خدا کا عرش تھا؟ تو کیا وہ پانی اور عرش مخلوقات میں شامل نہیں؟''

جواب۔ بدقسمتی سے جو آیت آپ نے پیش کی ہے اس میں چھ دن میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر تو ملتا ہے مگر تمام مخلوقات کا لفظ موجود نہیں۔ آپ آیت کو غور سے پڑھیں۔ لکھا ہے۔۔۔

''اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ یہاں صرف آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر فرما رہے ہیں۔ یہ نہیں فرما رہے کہ آسمان اور زمین سے پہلے اللہ نے کوئی مخلوق تخلیق ہی نہیں کی۔ قرآن اس معاملے میں بالکل واضح بات کر رہا ہے۔ پھر ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں کہ

قرآن۔سورہ الانبیاء۔آیت نمبر 30

''کیا کافروں نے خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے ہم نے انہیں کھولا۔اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی۔تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے؟''

اب اس آیت میں ہر جاندار چیز کو پانی سے تخلیق کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جب اللہ نے زمین بنانے کا ارادہ کیا تو کیا وہاں جاندار تخلیقات نہ کرنی تھیں؟ پھل پھول پیڑ پودے انسان جنات اور ہر قسم کی زندہ مخلوقات۔تو کیا یہ ضروری ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد اللہ کو معاذ اللہ فکر لاحق ہوگئی ہو کہ زمین بنالی پانی تو بنایا ہی نہیں؟ کیا اللہ نے پورے قرآن میں کسی بھی مقام پہ یہ کہا ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد اللہ نے پانی بنایا؟ یا تمام مخلوقات زمین اور آسمان کے بعد بنائیں۔اگر فرمایا ہے تو وہ آیت آپ کی دلیل بنتی ہے۔ سورہ ہود کی آیت نمبر 7 جو آپ نے پیش کی اس میں تو ایسا کچھ نہیں لکھا۔معذرت۔

''۲۔کیا زمین کی تخلیق سے پہلے پانی موجود تھا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ پانی صرف زمین پر ہی ہے تو جب زمین تخلیق ہوئی پانی بھی لامحالہ اسی وقت تخلیق ہوا ہوگا؟''

جواب۔اس کا جواب ویسے تو آپ کی دی ہوئی آیت میں بھی موجود ہے کہ ظاہر ہے اللہ خود بتا رہے ہیں کہ جب زمین تخلیق ہوئی اس وقت عرش پانی پر تھا تو لامحالہ عرش اور پانی دونوں موجود تھے مگر اس کے قرآن میں مزید دلائل بھی موجود ہیں۔

مثلاً سورہ البقرہ آیت نمبر 22

''جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا۔اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو تو اللہ کے لئے جان بوجھ کے برابر والے نہ ٹھہراؤ۔''

سورہ الانعام۔آیت 99

''اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی۔''

ان دو آیتوں کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پانی بادلوں سے برستا ہے تو

آسمان سے؟ سائنس تو کہتی ہے کہ پانی بادلوں سے برستا ہے تو کیا خالق کائنات کو پتہ نہیں کہ پانی بادلوں سے برستا ہے جب کہ آیت کہہ رہی ہے کہ پانی آسمان سے اتارا؟

اللہ کو پتہ ہے۔ اللہ کو سب کچھ پتہ ہے۔ اللہ کو یہ بھی پتہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت جب آپس میں ایک مخصوص عمل کرتے ہیں تو ایک نیا انسان پیدا ہوتا ہے یہ سائنسی طریقہ ہے۔ تو کیا اس دنیا کا پہلا انسان بھی اسی طریقے سے پیدا ہوا؟ نہیں۔ اللہ یہ بھی فرماتا ہے کہ پہلا انسان گارے والی مٹی سے تخلیق کیا گیا پھر اس کی زوجہ کو اور پھر ان کا آپس میں ملاپ کروا کر ایک سائنسی سسٹم کا آغاز کر دیا گیا۔ اب یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

یہی معاملہ پانی کے ساتھ بھی ہے کہ پہلے اللہ نے پانی تخلیق کیا۔ اور جب زمین تشکیل ہوئی تو وہاں پانی نہیں تھا۔ لہذا پہلی بار جو پانی اتارا گیا وہ آسمان سے اتارا گیا جس کا ان آیات میں ذکر ہے۔ اس کے بعد جب زمین میں ضرورت کے مطابق پانی جمع ہو گیا تو پھر اس کو ایک سائنسی دائرہ کار کے اندر لایا گیا جس کو ہم آج واٹر سائیکل کہتے ہیں جس کو اللہ کلام یوں کرتا ہے۔

سورۃ الاعراف۔ آیت نمبر 57

"اور وہی ہے ہوائیں بھیجتا جو اس کی رحمت کے آگے مژدہ سناتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے پانی اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے۔ اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے۔ تاکہ تم نصیحت مانو۔"

اس سائنسی نظام کا ذکر بھی قرآن میں کئی جگہ موجود ہے۔ مگر جب ابتدا کا ذکر آتا ہے تو بادل کی جگہ آسمان کا ذکر آتا ہے کہ ابتدا میں پانی آسمان سے اتارا گیا پھر اس پانی کو سائنسی نظام کا حصہ بنا دیا گیا۔

"...کائنات کا آغاز اربوں ڈگری درجہ حرارت سے ہوا اور سارا مادہ ایک جگہ مرتکز تھا تو پانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ درجہ گرنے کا آغاز بعد ...

نہیں ہو سکتا؟

اب سوال یہ ہے کہ عرش پانی پہ تھا پانی ہوا پہ تھا اب ہوا کہاں تھی؟

سائنس کے طالب علم کو یہ سوال پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر میں آپ سے پوچھوں کہ سائنس کی روشنی میں بتائیں کہ زمین کس چیز پر ہے تو کیا جواب ہو گا آپ کا؟ مریخ کس چیز پر رکھا ہوا ہے؟ عطارد زہرہ اور باقی سیارے اور ستارے سورج وغیرہ تو سائنس کے اہل علم کیا جواب دیں گے؟ جب آپ یہ بات جانتی ہیں کہ خلا میں کسی چیز کا معلق ہونا سائنسی اعتبار سے بھی ممکن ہے تو یہ سوال تو آپ کا بنتا ہی نہیں ہے۔

مسلم کی جو حدیث آپ نے بیان کی وہ مجھے مسلم میں نہ مل سکی۔ اس سے ملتی جلتی حدیث ملی مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں جن سے آپ کی دلیل ثابت ہو یعنی اللہ اکیلا تھا اور کچھ نہ تھا۔ مگر وہی حدیث بخاری میں بھی موجود ہے جس سے آپ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ تو اسی پر بات کر لیتے ہیں اور اگر مسلم کی حدیث پر ہی بات کرنی ہے تو اس کا حوالہ درکار ہو گا۔

صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلائق۔ حدیث نمبر 2998

"حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی اونٹنی کو دروازے پہ باندھ کر حاضر ہوا تو آپ کے پاس بنو تمیم کے کچھ لوگ آئے۔ آپ نے فرمایا بشارت قبول کر و اے بنو تمیم۔ انہوں نے دو مرتبہ کہا کہ آپ نے ہمیں بشارت تو دے دی ہے اب کچھ عطا بھی فرمائیے۔ پھر جب یمن کے لوگ آئے تو آپ نے ان کو کہا۔ تم بشارت قبول کرو اہل یمن کیوں کہ بنو تمیم نے تو اسے رد کر دیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے قبول کیا۔ ہم آپ کی خدمت میں اس امر کی دریافت میں آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہو اور کوئی چیز موجود نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اس نے ہر ہونے والی چیز کو لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا۔ اور اس نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا۔ عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ابھی میں اتنی بات ہی سن پایا تھا کہ منادی

کرنے والے نے آواز دی۔ اے ابن حصین تیری اونٹنی بھاگ گئی۔ میں اٹھ کر چلا تو وہ
بہت دور نکل گئی۔ میں نے تمنا کی کہ کاش میں اسے چھوڑ دیتا (یعنی بات پوری سن پاتا)۔
پھر ابن عمر نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کے متعلق ہمیں بتایا۔ جس
نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا۔ جو بھول گیا وہ بھول گیا۔"

اس حدیث میں دو معاملات غور طلب ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر یوں کہا جائے کہ
کمرے میں ایک شخص کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور وہ شخص صوفے پر بیٹھا تھا تو سننے والے کا خود
ہی اندازہ لگا لینا چاہئے کہ صوفے کا اقرار تو ہو گیا اس کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔ یہ تو سادہ سی
دلیل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ اور قرآن کے الفاظ میں ایک فرق یہ بھی
ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ مگر حدیث پر گواہی دینے والے
صحابہ انسان تھے جن سے کسی حد تک بھول چوک کی گنجائش موجود ہے۔ اس حدیث کے آخر
میں یہ بات خود ہی واضح ہو جاتی ہے کہ ابن حصین کی اونٹنی بھاگ گئی تو ان کا سارا دھیان اونٹنی
کی طرف چلا گیا اور باقی حدیث سننے سے رہ گئے۔ پھر ابن عمر کے یہ الفاظ کہ جس نے یاد
رکھا سو یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ ان الفاظ سے ایک اندازہ یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ نشست
کافی طویل رہی ہوگی کیوں کہ اگر الفاظ اتنے ہی ہوتے جتنے حدیث میں درج ہیں تو ان کو
یاد رکھنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

خدا کو عرش کی ضرورت کیوں ہے؟ کیا خدا کا وجود مادی ہے؟

اگر خدا کوئی کام ایسے سائنسی طریقے سے کرتا ہے تو یہ کوئی اس کی مجبوری نہیں ہے
بلکہ ہماری مجبوری ہے۔ یہ دنیا معجزاتی طرز پر بھی تخلیق کی جا سکتی تھی مگر پھر انسان کے لئے اس
کو سمجھنا محال ہو جاتا۔ اللہ جو ہے اور جو کر سکتا ہے وہ ہم اور آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔
ہمارے دماغ اس قابل نہیں تھا۔ اس کے لئے اللہ استعاروں کا سہارا لیتا ہے۔ اللہ کی
مثال ایک ایسے ٹیچر کی سی ہے جو خود ایک بہترین سائنس دان ہو مگر جن کو وہ تعلیم دینے کی
کوشش کر رہا ہے وہ ساتویں کے فرسٹ اسٹینڈرڈ کے بچے ہیں۔ لہٰذا ایسی کوئی اصطلاح جو

اور اللہ نے تو کسی بھی قسم کی تحقیق سے منع نہیں کیا صرف حدود متعین کی۔ جب دماغ کا خالق واضح کر دے کہ اس تحقیق کی صلاحیت انسان میں موجود نہیں تو ایمان والے تو رک جاتے ہیں۔ کافر کرنا چاہتے ہیں کرتے رہیں۔ مگر جس پر تحقیق کی جائے پہلے اس کے وجود کے ہونے کا اقرار بھی تو کرنا پڑے گا یا نہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے نا کہ ایک شخص کہے خدا کا کوئی وجود نہیں مگر ہم اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ خدا کھڑا ہے یا بیٹھا ہوا ہے۔

قرآن۔ سورہ رحمٰن۔ آیت 33

"اے جن و انس کے گروہو! کیا تم زمین و آسمان کی اس حدود سے بھاگ جانے کی استطاعت رکھتے ہو جو اللہ نے متعین فرما دی ہیں؟ تو بھاگ جاؤ۔ تم نہیں بھاگ سکتے مگر زور کے ساتھ۔"

اس آیت میں اللہ منع نہیں کر رہا چیلنج کر رہا ہے۔ آپ قبول کر لیں۔ کس نے روکا ہے؟

"جب مسلمانوں کا اصرار ہے کہ وہ تمام دنیا کے لوگوں کو اللہ کی کبریائی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے مسلمان کریں گے تو مسلمان بھی انسان ہیں اور جن کفار کو بات سمجھانی ہے وہ بھی انسان اور انسانی دماغ کی حیثیت اور اس کی اپروچ کی حدود آپ پہلے ہی بیان کر چکے ہیں تو پھر کون بات سمجھائے گا اور کون سمجھے گا۔۔۔۔۔۔؟"

جواب: دماغ کا ہونا اور چیز ہے دماغ کا استعمال کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔
"دماغ ہر انسان میں ایک جیسا ہے کہا یہ کہ کوئی مجہول ہو تو اس پر تو کوئی گناہ بھی نہیں۔ مگر اگر کوئی شخص کائنات کی اتنی پیچیدہ آویزش کو دیکھنے کے بعد بھی کہے کہ یہ خود بخود وجود میں آ گئی تو قصور کس کا ہے؟ دماغ تو موجود ہے صلاحیت بھی موجود تھی۔ اس انکار کے لئے سائنس "تکنیکی وضاحت ہونا ضروری ہے۔ اور جہنم ضدی لوگوں کے لئے ہی تو بنائی گئی ہے۔
ابھی تو آپ نہایت مہذب انداز میں پیش کر رہے ہیں انسان بہت سوچ کر اللہ جیسا مخلوق ہے کرسی پر ہے کہ عرش پر ہے۔۔۔ اگر اس پر کوئی اصرار کرے گا کہ نہیں میں تو

یہ تحقیق لازمی کروں گا تو آپ کا رویہ سخت ہوتا جائے گا اور اگر آپ کے پاس طاقت ہوئی تو پھر آپ دوسرے طریقوں سے بھی اسے خاموش کروانے اور اپنی بات منوانے کا اہتمام کریں گے۔۔۔اور مذاہب کے پھیلاؤ کا عمومی طریقہ یہی رہا ہے۔۔۔مذاہب شروع سے ہی یہی کہتے ہیں۔فلاں چیز کے متعلق تحقیق کرو فلاں کے متعلق نہیں کرو فلاں چیزیں انسانی عقل کے دائرہ کار میں ہیں اور فلاں معاملات انسانی عقل کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔۔۔۔ایسی باتیں قرون وسطیٰ کے دور میں اور یہاں پاکستان میں تو چل جاتی ہیں دنیا بہت آگے جا چکی ہے سر لوگ اب کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرتے؟

جواب: جی نہیں۔آپ مجھ سے مسلسل گفتگو کریں۔ان شاء اللہ آپ مجھے شائستہ مزاج ہی پائیں گے تاوقتیکہ آپ میری یا میرے عقائد کی توہین نہ کریں۔اور جو پابندی میرے رب نے نہیں لگائی وہ میں بھی نہیں لگاؤں گا۔مشورہ ضرور دوں گا کہ میرا حق ہے۔ ایک شخص کہے کہ میں چھلانگ لگا کر سورج کو چھو سکتا ہوں تو میرا مشورہ ہوگا کہ وقت کھونے کے بجائے کسی تعمیری کام میں استعمال کریں تاکہ دنیا آپ کو یاد رکھے مگر اگر کوئی مصر رہے کہ میں یہی کہوں گا کہ بارہ چھلانگیں۔بزور طاقت آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا یہ حق ہے میرا۔

○

اللہ نے عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے جس کے ساتھ ساتھ ان پر کچھ ذمہ داریاں ہیں جن پر ان کا اختیار ہے۔

اب آجایئے منطق پر۔ اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر میں پیدا نہ ہوتا تو جہنم میں نہ جاتا۔ سبحان اللہ۔

یہ اعتراض اس صورت میں قابل تسلیم ہے جب اللہ نے کہیں یہ فرمایا ہوتا کہ ہر انسان ہی جہنمی ہے۔ کیا اللہ نے کہیں یہ کہا ہے کہ ہر انسان ہی جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کئی مقامات پہ یہ فرماتے ہیں کہ انسان اگر سمندر کی جھاگ برابر گناہ کرتے ہوئے بھی توبہ کر لے تو میں نہ صرف اس کی توبہ قبول کروں گا بلکہ اس کے ان تمام جھاگ برابر گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدل دوں گا۔

اب یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لیے انسان کو کرنا کیا ہے؟

جواب: صرف اللہ کی فرماں برداری۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ فرشتے کیا کرتے ہیں؟

جواب: صرف اللہ کی فرماں برداری۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ صرف اللہ کی فرماں برداری کرنے پہ انسان کو ملے گا کیا؟

جواب: جنت

چوتھا سوال یہ ہے کہ صرف اللہ کی فرماں برداری کرنے پر فرشتوں کو کیا ملے گا؟

جواب: کچھ بھی نہیں۔

پانچواں اور آخری سوال یہ ہے کہ جب اللہ کی فرماں برداری ہی کرنی ہے تو اس کے لیے فرشتہ بننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جن کو اس فرماں برداری کا کچھ صلہ نہیں ملنے والا۔ انسان بن کر کیوں نہیں کر لیتیں کہ جو اللہ کی فرماں برداری کرے اور جنت میں ہمیشہ کی زندگی گزارے؟ اور اگر یہ سوال اس بات کا ہے کہ انسان سے خطا ہو جائے گی تو اتنی بڑی آفر موجود ہے کہ سمندر کی جھاگ کے برابر گناہ کرنے کے بعد بھی انسان اگر شرمندہ ہو جائے تو

لے تو میں نہ صرف اس کو معاف کر دوں گا بلکہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا۔
اور کیا چاہیے؟

اس سوال کا جواب اب آپ نے دینا ہے۔

میرے خیال سے یہ اعتراض تو فرشتوں کا بنتا ہے کہ جو کچھ ہم صبح شام کر رہے ہیں اس کا محض عشر عشیر کرنے پر انسانوں کو جنت مل رہی ہے جبکہ ہمیں کچھ نہیں مل رہا۔ مگر آپ انسان ہیں اس لیے اعتراض کر رہی ہیں۔ فرشتوں کے پاس تو اعتراض کا بھی اختیار نہیں۔

O

ناامیدی گناہ

تکلیف کیوں آتی ہے؟ اس کا حل کیا ہے؟ کیا تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے خودکشی کی جاسکتی ہے؟ کسی خاتون کی عزت خطرے میں ہو تو کیا وہ خودکشی کرسکتی ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات میں ہم کنفیوز ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ علم بھرا پڑا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ یہاں سے کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پینے دیتے۔

اس حدیث سے اس بات کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور کیوں یہاں گناہگاروں اور کافروں کو مال سے نوازا گیا ہے اور مومنوں کو محروم رکھا گیا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ

یہ دنیا کافر کے لئے جنت اور مومن کے لئے قید خانہ ہے۔

اس حدیث پہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اچھے عمل سب کرتے ہیں خواہ مومن خواہ کافر۔ مگر کافر کا اچھا عمل اس کے کفر کی وجہ سے جنت کا ضامن نہیں بنتا اسے اچھے عمل کے بدلے اسے دنیا میں اچھی زندگی عنایت کر دی جاتی ہے مگر مومن کا معاملہ

نہیں ہے۔ مومن کے عمل کو اللہ تعالیٰ سنبھال کر رکھتا ہے۔ اس عمل کی پرورش کی جاتی ہے اور روزِ آخرت اسے مومن کو بڑھا چڑھا کر لوٹا دیا جاتا ہے۔ جو اس کی جنت کا سامان بن جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے اس دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر۔

ہم جب بس، ٹرین یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں تو ہماری پہلی توجہ ہماری منزل پر ہوتی ہے۔ ہم جہاز یا ٹرین کی سیٹ خرید نہیں لیتے بلکہ وقتی طور پر کرائے پر لیتے ہیں۔ سفر ختم ہوتے ہی ہمارا اس سیٹ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ فرض کریں ایک شخص دبئی سے پاکستان کا سفر ہوائی جہاز کی سیٹ پر بیٹھ کر کرتا ہے۔ جب وہ پاکستان کے نزدیک پہنچتا ہے تو جہاز کی انتظامیہ اسے یاد کرا دے کہ یہ سیٹ جس پر آپ بیٹھے ہیں یہ آپ کی ملکیت ہے۔ آپ جب تک چاہیں اس پر بیٹھے رہیں مگر ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ تو پاکستان آ جانے کے بعد آپ کتنی دیر اس سیٹ پر مزید بیٹھیں گے؟ شاید ہی کوئی بے وقوف ہو جو پاکستان آ جانے کے باوجود مزید ایک منٹ بھی اس سیٹ پر بیٹھا رہے۔ کیوں کہ جو آرام گھر میں ہے وہ اس جہاز کی سیٹ میں نہیں۔ سفر لمبا ہو جائے تو جہاز ایک قید خانہ لگنے لگتا ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ یہ دنیا سفر کی جا ہے اور آخرت ہمارا گھر۔

موت کیا ہے؟

جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہاں موت کو ایک گالی سمجھا جاتا ہے۔ ہم اپنے پیاروں کے لیے موت کا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی لفظ قرآن میں انبیاء کے لیے استعمال کیا۔ مگر ہم نت نئے لفظ ڈھونڈتے ہیں جن کو موت کے متبادل کے طور پر استعمال کر سکیں۔

دینِ اسلام میں موت ایک ایسی خوشی کا نام ہے جو ایک طویل محنت بھرا دن گزارنے والے مزدور کو اس وقت ہوتی ہے جب شام کو اس کا مالک اس کی مزدوری اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہتا ہے جاؤ اب تم بہت تھک گئے ہو گے آرام کرو۔ جس کے اعمال اچھے

ہوں اس کے لیے موت ایک تکلیف دہ زندگی سے نجات کا نام ہے اور جس کے اعمال برے ہوں اس کے لیے موت ایک راحت بھری زندگی سے محرومی کا نام۔ ہر دو میں سے ایک جانتا ہے کہ اب آگے اسے کیا ملنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو واضح کرتے ہیں

سورۃ البقرہ آیت نمبر 94، 95، 96

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

"کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اور لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے لیے نہیں اور خدا کے نزدیک تمہارے ہی لیے مخصوص ہے تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو ۹۴ لیکن ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں، یہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے اور خدا ظالموں سے (خوب) واقف ہے ۹۵ بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے زندگی کے کہیں زیادہ حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی۔ ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس جیتا رہے مگر اتنی لمبی عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان کو دیکھ رہا ہے ۹۶"

مسلمان دنیا کی ساری تکلیفوں کو برداشت ہی اس لیے کرتا ہے کہ اسے جنت ملے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تھے تو معصر حاضر بھی قربانیوں کی ان مثالوں سے خالی نہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو کون نہیں جانتا جو امریکہ کی کسی جیل میں اپنی اسلام پسندی کی سزا بھگت رہی ہیں۔ اس کو دی جانے والی 80 سال قید کی سزا دنیا سے غلامی کے نظام کے خاتمے کی باتیں کرنے والوں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے۔ صرف نام بدل گیا ورنہ غلامی باقی ہے۔ کیا لگتا ہے کہ گوانتاناموبے کی جیل میں جنگی قیدیوں کو مستقل ننگا رکھنے والے ان پر بھوکے کتے چھوڑنے والے ان کے کپڑے اتار کر ان پر عورتوں کو نگران مقرر کر کے ذلیل کرنے والے امریکی بھیڑیے کیا عافیہ صدیقی کی پوجا کرتے ہوں گے؟ اس کو اب کیا کرنا چاہیے؟ خودکشی؟

جی نہیں۔ اللہ کے ہاں عزت اور ذلت کا معیار یہ نہیں۔ اللہ کے ہاں سب سے عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی خاتون کے ساتھ جنسی زیادتی کا مطلب اسلام میں یہ نہیں کہ اس کی عزت لٹ گئی۔ جی نہیں۔ ہم سے تو آج بھی کوئی پوچھے کہ پاکستان کی عزت دار خاتون کون ہے تو ہم اپنی سگی بہنوں کو چھوڑ کر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا نام لیتے ہیں۔ امریکہ کے اختیار میں نہ عزت دینا نہ عزت لوٹنا۔ نہ تو کسی کا نام میڈونا کی ننگی پیٹھ پر لکھوا کر چھاپنے سے اس کی عزت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ کسی پر مظالم کرنے سے اس کی عزت میں کمی کی جا سکتی ہے۔

ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک امیر شخص کو پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا بتا بندے دنیا میں کتنی راحتیں دیکھیں۔ وہ کہے گا۔ راحت ہی راحت تھی میں نے تو کبھی تکلیف کا منہ نہیں دیکھا۔ اللہ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس شخص کو جہنم کا پھیرا لگوا کر لاؤ۔ اس شخص کو جہنم کا پھیرا لگوا کر واپس لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ پھر پوچھیں گے۔ اب بتا کتنی راحتیں دیکھیں ہیں۔ تو وہ شخص کہے گا کیسی راحت؟ میں نے تو تکلیف کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اسی طرح ایک غریب شخص کو لایا جائے گا۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھیں گے بتا کتنی تکلیفیں سہیں دنیا میں۔ وہ کہے گا تکلیفیں ہی تکلیفیں تھی بڑی مشکل زندگی تھی۔ اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں سے کہیں گے اس کو جنت کا ایک پھیرا لگوا لاؤ۔ فرشتے اسے

جنت کا پھیرا لگوا کر واپس لائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے دوبارہ پوچھیں گے بتا کبھی تکلیف دیکھی تو وہ شخص کہے گا کیسی تکلیف؟ میں نے تو یہ بات سنی بات بھی نہیں۔

جہنم کا ایک لمحہ ساری راحتیں اور جنت کا ایک لمحہ ساری تکلیفیں بھلانے کے لئے کافی ہے۔

اپنی اپنی آزمائش کا صبر سے مقابلہ کریں اور اپنے رب سے پر امید رہیں۔ جتنی زیادہ مشکل زندگی ہوگی اتنے ہی اونچے جنت میں درجات ہوں گے مگر صبر کے ساتھ زندگی گزارنا شرط ہے۔

○

وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَك

ایک حاسد شخص اگر چاند سے حسد کرنے لگے اور روزانہ چاند کی طرف منہ کر کے تھوکنا شروع کر دے تو اس کا تھوک لوٹ کر کہاں آئے گا؟ میں نے سنا ہے طارق صبح اٹھ کر منہ نہیں دھوتے۔ بس چاند پر تھوکنا شروع کر دیتے ہیں۔ منہ خود ہی دھل جاتا ہے۔ اماں جی کہتے تھے دیوانوں سی نہ بات کرے تو اور کرے دیوانہ کیا؟ یہی اصول طارق پر فٹ ہوتا ہے۔ ان کی گفتگو کی غلاظت ان کے منہ کی اور دماغ کی غلاظت کا پتہ دیتی ہے۔

یہ ایکٹر ایک چوہدری فیس بک کے پردے کے پیچھے چھپ کر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی ہرزہ سرائی کرتے ہیں جو اگر حقیقی زندگی میں کسی کے سامنے کر دیں تو ان کی بوٹی بھی سلامت نہ بچے۔ پھر اس پر ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی زبردستی لوگوں سے عزت کروانا کھلی دہشت گردی ہے۔ سبحان اللہ۔ کسی کی عزت نہ کرنے میں اور اس کی توہین کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اس دنیا کا کوئی بھی معاشرہ آپ کو کسی عام انسان کی توہین کی اجازت بھی نہیں دیتا کجا یہ کہ آپ کسی مذہب کی مقدس ہستیوں کی توہین کرنے بیٹھ جائیں۔ اور اس پر یہ سوچیں کہ آپ کو معاشرے میں کوئی مقام مل جائے گا؟ جس دن فیس بک سے باہر نکلے اسی دن قبر کھد جائے گی ان طارق کی۔ بیٹھے رہو چھپ کر کے فیس بک کی اسی کھڈ میں جہاں گھسا رکھا ہے تمہیں ساتھیوں نے۔ خبردار باہر نکلنے کی سوچنا بھی نہ ورنہ لاشیں ہاتھوں پر اٹھانی پڑیں گی تمہاری۔

کس نبی کی توہین کی جرأت دکھائی ہے تم نے؟ کس چراغ کو اپنی پھونک سے

بھلانے لگے ہو؟ دو رکعت نماز میں ایک بار سلام اور دو مرتبہ درود بھیجا جاتا ہے جان لیں۔ ایک مسلمان دن میں کم از کم 42 رکعتیں پڑھتا ہے۔ یعنی اکیس سلام اور بیالیس درود صرف ایک مسلمان ایک دن میں بھیجتا ہے۔ اگر ایک مسلمان کی اوسط عمر پچاس سال بھی فرض کی جائے تو 18250 دن بنتے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان اپنی زندگی کی صرف نمازوں میں تین لاکھ تراسی ہزار دو سو پچاس مرتبہ سلام اور سات لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ نمازوں کے علاوہ جو درود وسلام بھیجے جاتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اور ابھی یہ صرف ایک مسلمان کا حساب ہے۔ اس وقت دنیا میں ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمان ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اگر ہم سات لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو کو ڈیڑھ ارب سے ضرب دیں تو جواب کیا آئے گا؟

ورفعنا لك ذكرك

بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ صرف ان مسلمانوں کا حساب ہے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں۔ پچھلے 1400 سو سالوں میں جو مسلمان گزر گئے ان کا حساب ابھی باقی ہے۔

مگر بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔

ان الله وملائكته يصلون على النبي. يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

"بے شک اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی کثرت سے نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔" (سورۃ الاحزاب۔ 56)

زمین پر جس مقام پر مسلمانوں کا کعبہ ہے اس کے عین اوپر آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں۔ اس بیت المعمور میں ایک وقت میں ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور جو فرشتہ ایک بار طواف کرتا ہے اس کی دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی۔

"اب ان کا حساب کون لگائے گا فرشتوں کی تعداد کا اور ان کے بھیجے ہوئے درود وسلام کی

تصور ہو گا؟ واضح رہے کہ فرشتوں کا کام ہی محض عبادت ہے۔ انسان کی عبادت فرشتوں کے مقابلے میں کسی گنتی میں ہی نہیں آتی۔

کبھی سوچا ہے اس نبی پر کی جانے والی ہرزہ سرائی ان تک پہنچتی بھی ہوگی یا نہیں؟ اس قسم کی حرکتیں صرف مسلمانوں کو اشتعال انگیز کرنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ پہل سوت کو خود دعوت دیتے ہو پھر کہتے ہو ہماری جان خطرے میں ہے۔

کیا کوئی طور مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی ایک بھی ایسے شخص کا نام بتا سکتا ہے جس کا اتنی بار دنیا میں محض تذکرہ ہی کیا جاتا ہو جتنی بار میرے پیارے نبی پر درود سلام بھیجا جاتا ہے؟

پوری تاریخ کھنگال ڈالو۔ ساری خدائی اپنے ساتھ ملا لو۔ چلو اتنا نہیں تو کوئی قریب ترین مقابل ہی بتادو۔

چیلنج کرتا ہوں میں آج تمام ملحدوں کو اور سارے عالم کفر کو۔ کوئی ایک بندہ بتا لے آؤ جس کا اتنا تذکرہ بھی ہوتا ہو؟ یا کوئی قریب ترین مقابل؟ ہے ہمت کسی میں کہ اس حساب کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر آنے والے کسی بھی شخص کے کیئے جانے والے تذکرے کا حساب پیش کر سکے؟

کوئی نہیں؟ کیوں؟

کیوں کہ

ورفعنا لك ذكرك

○

یو آر آ گڈ گرل

(You are a Good Girl)

کیا مرد اور عورت برابر ہیں؟

جی ہاں۔

کیا واقعی؟

جی ہاں برابر ہیں۔

پھر اگر ایک لڑکا ایک لڑکی کے ساتھ شادی کے وعدے پر رات گزارے اور بعد میں شادی سے انکار کر دے تو مظلوم لڑکی ہی کیوں؟

جو معاملہ دونوں کے ساتھ ہوا۔ جو کیا دونوں نے کیا۔ جو ملا دونوں کو ملا۔ فرق صرف یہ ہے کہ لڑکے نے اپنا مطلب نکالنے کے بعد شادی سے انکار کر دیا؟ تو لڑکی بدلہ لے لے۔ لڑکی بھی شادی سے انکار کر دے۔ حساب برابر۔ اس میں مسئلہ کیا ہے؟

جی نہیں۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر، کٹنا خربوزے ہی کو ہے۔ یہ ہے زندگی کی وہ حقیقت جس سے انکار کا اعلان ہے۔ آنکھیں پہاڑ دیکھ رہی ہوں، ساتھ ہی کہا جائے کہ کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ یہ سب تمہاری نظر کا قصور ہے؟ سبحان اللہ۔

فرق یہ ہے کہ لڑکی کو اب ایک ماں باپ کے بغیر بچے کی زندگی کی تکلیف سہنی پڑے گی۔ اس کی پرورش کرنی پڑے گی۔ معاشرے کی ناجائز نگاہوں کا سامنا نہ صرف لڑکی کو کرنا ہوگا بلکہ وہ بچہ بھی جو جائے گا معاشرے دار ہے گا۔ مگر اس صورت میں ہوگا جب"

ہوئے۔

"شادی؟ کیسی شادی؟ یہ تو مذاہب کے بکھیڑے ہیں۔ لڑکے نے بھی سوچ لی لڑکی نے بھی سوچ لی۔ بات ختم۔ اسی طرح موج مستی کرتے رہیے۔ باہمی رضامندی سے سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

مگر نہیں۔ معاشرہ مشرقی ہو یا مغربی۔ مذہبی ہو یا الحادی۔ اس قسم کے معاملات میں عورت کی وقعت کسی ٹشو پیپر سے زیادہ کچھ نہیں۔ جسے کوئی مرد استعمال کرے اور پھینک دے۔ چاہے تو یہ کہہ دے کہ اس لڑکی کو بُری بنا دے۔ چاہے تو "یو آر اے گڈ گرل" کہہ کر چلا جائے۔

یہ ہے زندگی گزارنے کا الحادی ماڈل۔ جدید اور سائنسی ماڈل۔ یعنی لڑکی پھنسے تو بُری۔ مفت میں مل جائے تو گڈ گرل۔

اب آتے ہیں اسلام کی طرف۔

اسلام میں بغیر شادی کے لڑکا لڑکی کی صحبت حرام ہے۔ شادی کے بعد مرد ایک عورت سے جسمانی فائدے پورے کرتا ہے تو بعد میں اسے ٹشو پیپر کی طرح پھینک نہیں سکتا۔ حق مہر اسے اس عورت کو دینا ہو گا۔ چاہے تو سونے کا پہاڑ مانگ لے۔ پھر تاحیات اسے کما کما کر کھلائے گا۔ اس کی ہر جائز خواہش کو اپنا فرض سمجھے گا۔ اس کے کھانے کا بندوبست۔ رہنے کا بندوبست۔ کپڑے وغیرہ یہ سب اس مرد کے فرائض میں شامل ہیں۔ کوئی دوسرا مرد غلط نظر سے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اس کے بچوں کو اپنا نام دیتا ہے۔ [illegible] پالتا ہے۔ جو کھاتا ہے کھلاتا ہے۔ اچھا انسان بناتا ہے۔" جسموں کے ملاپ سے شروع ہونے والا یہ بندھن ایک روحانی رشتے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ [illegible] بڑھاپے تک [illegible] ہے۔ صرف جوانی تک محدود نہیں رہتا۔ [illegible] ہے۔

[illegible]

طنزیہ جوابات

ملحدوں کے بعض اعتراضات اتنے احمقانہ اور غیر سنجیدہ ہوتے ہیں کہ ان کا جواب سنجیدگی سے دینا ممکن نہیں رہتا۔ ایسے تمام اعتراضات کا الزامی جواب طنز کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

کتاب کے اگلے حصے میں اب جو تحاریر آپ پڑھیں گے وہ ایسے ہی اعتراضات اور ان کے طنز و مزاح پر مبنی جوابات پر مشتمل ہیں۔ ان تحریروں میں ملحدوں کے نام بھی استعمال ہوئے ہیں مگر بے فکر رہیں۔ یہ تمام ملحد جعلی ناموں سے بحث کرتے ہیں۔ حقیقی زندگیوں میں ان کے نام کیا ہیں ہم نہیں جانتے۔

○

دھاریاں اس کے جسم کی کھال غائب ہو گئی ماسوائے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے جسم کے۔ اور اس سے اگلی تصویر میں وہ بچی کھچی کھال چمڑی میں تبدیل ہو گئی۔ یہ بات ممکن ہوتا ہے کہ ارتقا صرف جسمانی اعضا کا نہیں ہوا بلکہ اخلاق و حیا کا بھی ہوا۔ عین ممکن ہے کہ یہی انسان کروڑوں سالوں تک بندر کے روپ میں ننگا گھومتا رہا اس کو کبھی شرم نہیں آئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ارتقائی مراحل سے گزرتے گزرتے انسان کو اپنے ننگے پن کا احساس ہو گیا ہو اور اس نے جھٹ سے چمڑی پہن لی ہو۔

ایک صورت اور بھی ممکن ہے کہ ارتقائی مراحل کی جو تصویر ہمارے پاس ہے وہ اصلی نہ ہو۔ کیوں کہ گوگل پہ ارتقائی مراحل سے متعلق بہتات کی تصویریں موجود تھیں۔ جن میں سے کچھ میں انسان کو ننگا بھی دکھایا گیا ہے مگر ہم نے قصداً حیا کے احترام میں ایسی تصویروں کا انتخاب کیا جس میں انسان نے کم از کم چمڑی پہنی ہو۔

بہر حال اگر انسان نے اس وقت کپڑے نہ پہنے تو بعد میں پہن لیے مگر ان کے جد امجد بندر نے تو آج تک نہ پہنے اسی کھال پہ گزارا کر رہا ہے۔

○

ٹائپ ون غلطی کی صورت میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے پر ٹائپ ٹو غلطی کی صورت میں آپ ایک شکاری جانور کی خوراک بن جائیں گے نیز ڈاروِن کے "نیچرل سلیکشن" کے قانون کے مطابق ارتقا کے لئے غیر موزوں قرار دے کر سیلیکٹ نہیں ہو سکیں گے اور اپنا ڈی این اے اگلی نسلوں کو منتقل نہیں کر پائیں گے۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ ٹائپ ون غلطی کے رجحان والے انسان بڑھتے گئے اور ارتقا نے ٹائپ ون غلطی کو ہماری ڈیفالٹ پوزیشن بنا دیا۔ ہم یعنی انسانی نوع ہر منظر میں پیٹرن ڈھونڈنے لگے۔"

پھر مزید آگے لکھتی ہیں:

"یہ پیٹرن ڈھونڈنے کا کام صرف شبیہات تک محدود نہیں، ہم ہر پیٹرن میں 'ارادہ' یا 'ایجنسی' بھی ڈھونڈنے لگے، ہوا غیر ارادی ہے پر شکاری جانور ارادی جسکا مقصد ہماری زندگی پر اثر انداز ہونا (اس مثال میں ہمیں ختم کرنا) ہے۔ ایسے کیسز میں غلطی کی صورت میں (یعنی ہوا کو شکاری جانور رکھنے کی غلطی) ہمارا کوئی خاص نقصان نہیں، پر درست اندازے (یعنی سرسراہٹ کو شکاری جانور رکھنا جو کہ وہاں موجود تھا) کی صورت میں ہمیں فائدہ ہے، ہم چوکنا ہو کر موت سے بچ گئے۔"

میں پہلے تو شکریہ ادا کروں گا ان خاتون محترمہ کا جنہوں نے کسی طرح سے بھی لیکن بہرحال تسلیم تو کیا کہ اگر شروع کے لوگ مذہبی رجحانات کے حامل نہ ہوتے تو انسان کا وجود ہی مٹ جاتا۔ یعنی جیسے علامہ اقبال فرماتے تھے۔ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ اسی طرح خاتون کے مطابق وجود مذہب سے ہے انسانیت کی بقا۔ چلیں کسی طور نے تو ہماری قربانی کو تسلیم کیا چاہے ماتقا تا ہی کیا۔

شکریہ کے بعد ٹائپ ون غلطی اور ٹائپ ٹو غلطی پر میں تھوڑی بات کروں گا۔
ٹائپ ون غلطی خاتون نے یہ بتائی کہ ہوا کی سرسراہٹ کو آپ شکاری جانور سمجھیں اور وہ محض ہوا کا جھونکا نکلے۔ تو بے شک آپ کا اندازہ غلط نکلا مگر یہ غلطی نقصان دہ نہیں ہے اور خاتون کے مطابق یہی غلطی انسان کی بقا کا سبب بنی۔

ٹائپ ٹو غلطی کے مطابق خاتون کہتی ہیں کہ وہ [illegible] آپ سے کہیں [illegible]
کا ہونا سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ یہ غلطی تو یقیناً جان لیوا ہے۔

یعنی خاتون کی بات کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ احتیاط پر بھروسہ کرنے سے
زیادہ نقصان نہیں ہوتا اور بے احتیاطی چاہے معمولی ہو بعض اوقات نقصان دہ ہے۔

اگر میں یہ کہوں کہ یہ ساری کائنات ایک خدا نے خلق کی ہے، ہمیں اسی ایک خدا
کی عبادت کرنی چاہیے ورنہ وہ ہمیں جہنم کی سزا دے گا تو ملحدوں کا جواب ہوگا کہ خدا کے
ہونے کا ثبوت لاؤ۔

یہاں دو امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ یا تو اللہ ہے اور وہ ہمیں نافرمانیوں کی سزا دے گا۔

۲۔ یا اللہ نہیں ہے اور ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے بلا حساب۔

فرض کریں ہمیں ان دونوں میں سے کسی کی صداقت کا علم نہیں۔ مگر اگر ہم نمبر دو کو
سلیکٹ کریں گے تو یہ خاتون ہی کی بتائی ہوئی فکر کے مطابق ٹائپ ون غلطی ہوگی جو اگر یہ
غلطی ہوئی تو نقصان ناقابل تلافی ہوگا۔ یعنی ابدی جہنم۔ مگر اگر ہم نمبر ایک کو سلیکٹ
کریں تو یہ وہی ٹائپ ون غلطی ہوگی جو بقول خاتون کے [illegible] کی
[illegible] کا سبب بنی۔ یعنی یہ غلطی کرنے کا نقصان کوئی نہیں ہے۔ اگر [illegible]
[illegible] تو سائنس تو سزا دینے سے رہی۔

بہرحال میری طرف سے خاتون کو سائنس مبارک اور اس تحریر کو چیلنج تصور
سمجھیں۔

٥

حاصل ہوتی ہیں۔ ایک وٹامن ڈی۔ دوسری کالک۔ وٹامن ڈی تھوڑے عرصے میں خرچ ہو جاتا ہے مگر کالک برقرار رہ جاتی ہے۔ پھر مزید دھوپ تاپنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ سورج کی پیکیج ڈیل ہے۔ وٹامن ڈی کے ساتھ کالک فری ہے اور جو بندہ پہلے ہی کالا ہو اوہون کتے ہوروں منہ ہور کالا کرالوے کہ سورج کول اودے واسطے کج نئیں ہیگا۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ ویب سائٹ والوں نے برقعے کا حل تو بتادیا کہ اتاردو۔ مگر کالی چمڑی کا حل نہیں بتایا۔ مسلمان خواتین تو چلو برقعہ اتاردیں گی۔ افریقی لوگوں کی چمڑی کیسے اتروائی جائے کہ یہ تو قدرتی برقعہ ہے؟

سوال یہ ہے کہ وٹامن ڈی کی کمی سے ہوتا کیا ہے؟ کیا کوئی خطرناک بیماری لگ جاتی ہے؟ انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے؟

میں نے پورا انٹرنیٹ چھان مارا۔ مگر ہر ویب سائٹ پر صرف یہی معلومات درج ہیں کہ وٹامن ڈی کی کمی نہیں ہونی چاہئے اور اس کو ننگے بدن دھوپ تاپنے سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ مگر اگر یہ کم ہو تو کیا ہوتا ہے اس پر معلومات تسلی بخش نہیں۔ ایک ڈاکٹر کے مطابق اس بات کو ابھی تک سمجھا ہی نہیں جا سکا کہ وٹامن ڈی جسم کی صحت پر کس طرح اثرانداز ہوتا ہے۔ یعنی اس وٹامن کا فائدہ ہی نہیں پتہ اس کے نقصانات کا اندازہ لگانا تو بعد کی بات ہے۔ ننگے بدن شائد سوچ کے یہ دریچے کھلیں لہٰذا لوگوں کو ننگا کرنے کا سلسلہ پہلے شروع کر دیا گیا ہے۔ آپ اپنے کپڑے اتارنا شروع کریں۔ ہو سکتا ہے اس وقت تک سائنس اس بات کا پتہ لگالے کہ وٹامن ڈی کی کمی سے ہوتا کیا ہے۔

باوجود اس کے کہ وٹامن ڈی کے فوائد اور نقصانات دونوں پر ابھی سائنس کی تحقیق جاری ہے پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ نقصانات بتائے جاتے ہیں جو انتہائی خطرناک ہیں۔

ا۔ وٹامن ڈی کی کمی سے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔

میں نے اوپر عرض کی کہ سائنس کے مطابق مسلمان خواتین کے جسم پر جو کردہ

برقعہ ادا کرتا ہے کسی سیاہ فام کے جسم پر وہی کردار اس کی چمڑی ادا کرتی ہے۔ یعنی سورج کی
تمازت کو جسم تک پہنچنے سے روکنا۔ مسلمان خاتون کا برقع اتروایا جا سکتا ہے مگر سیاہ فام کی
چمڑی اتارنا بغیر کسی قصائی کی معاونت کے ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو تو وٹامن
ڈی کی افزائش کے لئے بے حجابی بلکہ ننگا ہونے تک کا مشورہ دے دیا گیا مگر سیاہ فاموں
کے لئے صرف صبر کا مشورہ ہے۔ ان کے آباؤ اجداد نے اپنی نسلوں کے حصے کی دھوپ بھی
تاپ لی ہوئی ہے۔ لہٰذا اگلی نسلوں کو بغیر وٹامن ڈی کے ہی گزارا کرنا ہے۔ بھلا وٹامن ڈی
کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی؟؟ ابھی تحقیق جاری ہے۔ ہو سکتا ہے گزر ہی جاتی ہو۔ مگر سوچنے
لائق یہ ہے کہ سورج کی تمازت سے اور وٹامن ڈی سے محروم یہ سیاہ فام جب مسکراتے ہیں تو
ان کے خوبصورت چمکیلے دانت ایک روشنی بکھیر دیتے ہیں۔ حالانکہ وٹامن ڈی کی کمی کی وجہ
سے دانت خراب ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی خوبصورت اور مضبوط رکھتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں۔

۲۔ دوسرا نقصان وٹامن ڈی کی کمی کا یہ ہے کہ اس سے ہڈیاں کمزور ہو جاتی
ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ویسٹ انڈیز کے سابق فاسٹ باؤلر جوئیل گارنر کی ہڈیاں کمزور
تھیں۔ جس کا بدلہ وہ پاکستانی بیٹسمینوں کی ہڈیوں سے لیتا تھا۔ پاکستانی ٹیسٹ کرکٹر شعیب محمد
کہتے ہیں کہ کرکٹ شروع ہونے پر جب امپائر جوئیل گارنر کے ہاتھ میں گیند پکڑاتا تھا تو وہ
جوئیل گارنر کے ہاتھوں میں بیر کے جتنی دکھتی تھی۔ پھر جب وہ بھاگتا ہوا امپائر کے پاس سے
گزرتا اور اپنا ہاتھ فضا میں بلند کرتا تو اس کا ہاتھ سائٹ اسکرین سے بھی [illegible]
اس پر بیر جتنی دکھتی تھی، وہ بالکل نظر آنا بند ہو جاتی۔ اس کے بعد پہلی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بڑھ جاتا ہے۔ یعنی یہ دس فیصد آسٹریلوی اور نوے فیصد افریقی بن جاتی ہیں۔ جسم کے جو مقامات گورے رہ جاتے ہیں انہیں مہذب ممالک میں صرف شوہروں یا سورج کے سامنے کھولنے کی اجازت ہے۔ جنہیں دیکھ کر ان کے شوہر بخوبی یہ تک اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی بیوی ماضی میں کتنا لباس پہنتی رہی ہے۔ بعض شوہروں کی فرمائش پر آسٹریلوی بیویوں کو قسم تک اٹھانی پڑ جاتی ہے کہ اب جو بچا ہے وہ قدرتی کھال ہے جسے مزید اتارنا ممکن نہیں۔

مسلمانوں سے قبر میں سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا اور گوروں سے وٹامن ڈی کے بارے میں۔ وٹامن ڈی پورا کرنے کے شوق میں ننگی گھومتی خواتین بے شک کسی بے غیرت کی مداخلت سے ایڈز کا شکار ہو کر مر جائیں۔ مگر پھر بھی ان کے جنازے پہ آئی خواتین قصیدے پڑھتی نظر آئیں گی کہ شکر ہے وٹامن ڈی پورا ہو گیا تھا۔

تنقید کرنے والے مومن لاکھ باتیں بنائیں کہ ننگے گھومنے کے شوق میں اہل مغرب ایڈز جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے مگر اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ دنیا میں موجود آخری سانسیں گننے والے کسی ایک بھی ایڈز کے مریض میں وٹامن ڈی کی کمی نہ تھی۔ جوان شاءاللہ مرنے کے بعد قبروں میں بھی ان کے ساتھ جائے گا۔

○

ہمیشگی

ایک خاتون محترمہ ثناء خان سے ایک بار کافی بحث ہوئی۔ انہوں نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے چار پرندوں کو زندہ کرنے والے واقعے کو نشانہ تنقید
بنایا۔

ذرا ان کی تحریر پڑھیں پھر لکھنے پر آتا ہوں۔

"ری سائیکل بن"

تحریر: ثناء خان (محترمہ)

اپنی سونے کی انگوٹھی کو سنار کے پاس لے جائیں، وہ اسکو پگھلا کر اس سے آپ
کے لئے سونے کا ہار بنا دے گا، اس میں سے موتی نکال کو ہار میں پرو دے گا اور ہیرا نکال
کے رکھ لے گا۔ اس ہار کو واپس سنار کے پاس لے جائیں تو وہ اسکو پگھلا کر کنگن بنا دے گا اور
اس میں انگوٹھی والا ہیرا جڑ دے گا۔ حالانکہ انگوٹھی، ہار اور کنگن کی اپنی انفرادی حیثیت ہے
لیکن ایک کی موت، دوسرے کی زندگی کا سبب بنی، انہی اجزاء سے نئی شکل تشکیل دے دی
گئی۔ گویا سنار کا کارخانہ اک ری سائیکل بن ہے، جہاں ایک شکل اپنا سائیکل ختم کر کے
دوسری شکل شروع کرتی ہے۔

یہ اصول ساری کائنات پر لاگو ہے۔ جدید سائنسی نظریے کے مطابق کائنات
میں موجود مادہ بگ بینگ کے ابتدائی چند سیکنڈز میں تشکیل ہو گیا تھا۔ یہ کہہ لیں کہ مادہ اپنی "
شکل لے چکا تھا جو سب اٹامک پارٹیکلز کی صورت میں تھی۔ کائنات کا یہ تکمیل ایک شکل سے

اجزاء پر مشتمل ہے۔ اور مختلف اشیاء کے اجزاء میں تبدیلی ہوگا۔ یہ جاننے کے بعد آپ ہو،
ایسی پرندوں والی مثالیں پڑھ کر میری طرح آپ بھی زیر لب مسکرائیں گے۔

پھر جناب ان کی تحریر۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ غلام رسول (طوطا) بیمار ہے۔ اور اس کی بیماری کی تحریر کے
مجھے اس کے چاہنے والے کنسٹ کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
پرندوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا جو طریقہ شاہ خان نے اپنی تحریر میں بتایا اس کے مطابق
پرندے درست کر کے کھا جاؤ تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے آپ کے اندر۔ اب مجھے کچھ نہیں
آرہی کہ غلام رسول کو زندہ رکھنے کے لیے ان کا پروگرام کیا ہے؟ کہتے ہیں آپ ہمارے 8
ہمیشہ زندہ رہو گے۔ لگتا ہے کہ پارٹی کا پروگرام ہے۔ ان کے گروپ میں پارٹی کیوں ہوتا
ہے۔ کو کے گرم کرنے رکھے ہے ہیں۔ ان کے شاہ خان۔

آج میں بھی آپ کی طرح زیر لب مسکرا رہا ہوں۔

○

موت یا تبدیلی

سمیر احمد کا پیارا دوست ایکسیڈنٹ میں وفات پا گیا ہے۔ مومنوں سے ان کا مطالبہ ہے کہ اپنے خدا سے کہہ کر ان کا دوست انہیں واپس دلوایا جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مومنوں کو اور خدا کو ایک دن کی مہلت دی ہے۔ ورنہ۔۔۔۔

ورنہ؟؟؟

ورنہ وہ پہلے ہی ملحد ہیں اور زیادہ ملحد ہو جائیں گے۔

پکے والے ملحد ہو جائیں گے۔

مومنو! کچھ کرو۔

مسئلے بچا لو۔

میں تو رات بھر فکر سے سویا نہیں۔

پھر میں نے ترکیب مسوڑی خان استعمال کی۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ ترکیب مسوڑی خان کیا ہے۔ تو آیئے پہلے ترکیب مسوڑی خان سیکھ لیں۔

ترکیب مسوڑی خان:

تین [illegible] اور [illegible] دماغ لیں۔ انہیں ایک کھرل میں ڈال کر اچھی طرح پیس لیں۔ جب ان کا پاؤڈر ہوا میں اڑنے لگے تو ایک جگ پانی لے کر اسے چولہے پر چڑھا دیں۔ پھر اس میں تھوڑا تھوڑا دماغ کا پاؤڈر ڈالتے رہیں اور چمچ چلاتے رہیں۔ جب سارا پاؤڈر پانی میں مکس ہو جائے تو چولہا بند کر دیں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔

جدا ہونے پر ایک عظیم ترین دماغ تیار ہوگا جس کا ٹیکنیکل لیول تخیل، شعور کا مجموعہ ہوگا۔ یاد رکھیں۔ جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا ہوتا ہے لہٰذا جتنے زیادہ دماغ جمع کر ان کا پاؤڈر بنایا جائے گا اتنا ہی زیادہ ٹیکنیکل مائنڈ تیار ہوگا۔

آخر آپ دیکھتے تو ہیں طوطے کتنے ذہین ہوتے ہیں۔ سارے ساتھ ای ہے نے۔

اسی ترکیب کا استعمال کرتے ہوئے میں نے تین طوطوں کے دماغ سے ایک نیا دماغ تشکیل دیا اور ان سے یہ ترکیب پوچھی۔ (پوچھی کا مطلب کھنگوائی)

جو ترکیب اس عظیم ترین دماغ نے سوچی اسے ہم ترکیب شاہ خان کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ اب آپ پوچھیں گے یہ ترکیب شاہ خان کیا بلا ہے۔ لو دوستو۔ سارا کچھ میں ای دساں۔

ترکیب شاہ خان:

مرکزی خیال: (شاہ خان کی تحریری سائیکل بن سے اقتباس)

کوئی مرتا ہی نہیں بس روپ بدل لیتا ہے۔ کائنات کا یہ عمل ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیلی کا ہے۔ ان کا مشاہدہ الیکٹران مائیکروسکوپ سے کیا جاسکتا ہے جس میں آپ کیمیائی اجزاء کو نظام ہضم میں خوراک کو ایک شکل سے دوسری میں تبدیل کرنے سے لے کر، پٹھوں میں کیمیائی توانائی کو حرکی توانائی میں تبدیل کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری زندگی کا تانا بانا ہماری زمین کے حالات سے جڑا ہے۔

طریقہ: (شاہ خان کی تحریری سائیکل بن سے اقتباس)

اب آپ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر نظر ڈالیں۔ ایک پرندے کے چار ٹکڑے کر کے چار کونوں میں رکھ دیں، اور پھر اسکو جوڑ کے دوبارہ زندہ کر دیں۔ لیکن طریقہ ہے، اسی پرندے کو درست کر کے کھالیں، اس میں شامل پروٹین آپ کے پٹھوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اب اسکو زندہ کریں، تو پرندے کے ٹکڑے آپ کے اندر سے نکل کر آجائیں گے کیوں کہ اسکا وجود اب آپ کے اندر زندہ ہے۔ آپ کا وجود انگنت اشیاء کے

اجزاء پر مشتمل ہے۔ اور اگلے سال اشیاء کے اجزاء میں تبدیل ہوگا۔ یہ جاننے کے بعد آئندہ ایسی پرندوں والی مثالیں پڑھ کر میری طرح آپ بھی زیرِ لب مسکرا ئیں گے۔

یہ ہے جناب ترکیب آپ کے دوست کو زندہ کرنے کی جو خود آپ کی ایک بچی بدھ مت خاتون نے بتا رکھی ہے۔ اب آپ کو کرنا صرف یہ ہے کہ اپنے دوست کے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے ہیں اور ان کو برداشت کر لینا ہے۔ پھر ان کو کھا لینا ہے۔ آپ کے دوست کے ٹکڑے اب آپ کے اندر سے نکل رہے ہوں گے۔ کیوں کہ وہ اب آپ کے اندر زندہ ہے۔

یعنی بڑا سادہ سا فارمولا

اپنے دوست کو پکا کر کھا جائیں اور پھر شاہ طاہر کی طرح زیرِ لب مسکرائیں۔

○

ملحد نامہ

لوگ کہتے ہیں الحاد کو نہیں پھیلنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں تھوڑا تو پھیلنا چاہیے۔ ذرا تفریح ہی رہے گی۔ آخر کو اس دنیا میں بندر بھی تو ہیں۔ ہمارے کس کام کے؟ مگر چڑیا گھر میں بندر نہ نظر آئے تو بچے منہ لٹکا کر واپس آتے ہیں۔

الحاد کو کسی حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے۔ مگر کچھ قوانین کے ساتھ۔ ملحدوں کو پبلک مقامات پہ کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سے ملحدوں کو ویسے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان کے الحاد میں شرم و حیا قلیساتی مرض سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا انہیں کپڑے پہننے کے اس مرض سے قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ پاکستانیوں کو ہوگا۔ سنا ہے پاکستانی قوم پورن دیکھنے میں نمبر 1 ہے۔ بڑا شوق ہے انہیں لوگوں کو ننگا دیکھنے کا۔ خوامخواہ گوگل پہ سرچ و ریچ مارتے پھرتے ہیں۔ پیسے کا ضیاع وقت کا ضیاع۔ اتنے پیسے انٹرنیٹ پہ خرچ ہوتے ہیں یہ بچیں گے تو اسی سے غریب کی بیٹی کی شادی ہو جائے گی۔

لوگ ایک تیر سے دو شکار کرتے ہیں۔ میں نے دیکھیں کتنے شکار کر لیے۔

۱۔ ملحدوں کو ننگا گھومنے کا شوق ہے۔ ان کا شوق پورا ہو جائے گا۔

۲۔ پاکستانیوں کو ننگے لوگ دیکھنے کا شوق ہے۔ گھر کی کھڑکی کھولی اور ملحد دیکھ لیا۔

۳۔ ملحدوں کا ورلڈ سن ڈی پورا ہو جائے گا ننگے گھومنے سے۔

۴۔ امجد حسین کو عرفان حاصل ہو جائے گا۔

۵۔ پاکستانیوں کے انٹرنیٹ کے پیسے بچیں گے تو اس سے غریب لڑکی کی بیٹی کی شادی ہو جائے گی۔

۶۔ بچوں کو بندر دکھانے چڑیا گھر نہیں لے جانا پڑے گا۔ گلی محلے میں ہی کسی لڑکے کو روک لیا اور بچے کو دکھا دیا کہ بیٹا ایسا ہی ہوتا ہے بندر۔ چڑیا گھر جانے کے پیسے بھی بچیں گے۔ اس سے غریب کی دوسری بیٹی کی بھی شادی ہو جائے گی۔

جذباتی پاکستانی کہتے ہیں ہم لڑکوں کو سڑکوں پہ ننگا گھومنے نہیں دیں گے۔

کیوں نہیں گھومنے دو گے بھئی؟ پاکستان کیا صرف تمہارے ابا کا ہے؟ لڑکوں کا بھی اس پر اتنا ہی حق ہے۔ آخر کتے، بلیاں بھی تو سڑکوں پہ ننگے ہی گھومتے ہیں۔ انہیں تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ پھر لڑکوں کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں؟ کیا تم کسی کتے بلی کو زبردستی کپڑے پہننے پر مجبور کر سکتے ہو؟ تو پھر تمہیں کس نے یہ حق دیا کہ تم لڑکوں کو زبردستی کپڑے پہننے پہ مجبور کرو؟

جس طرح انسانوں کے حقوق ہوتے ہیں۔

جانوروں کے حقوق ہوتے ہیں۔

اسی طرح لڑکوں کے بھی حقوق ہوتے ہیں۔

مجھے تو یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ عریانی و ننگ سے کیا مراد ہے؟

ہم چڑیا گھر جاتے ہیں۔ وہاں کسی بھی جانور نے کپڑے نہیں پہنے ہوتے۔ تو کیا ہم ان جانوروں کو پردہ کروا دیں؟ یا ہم انہیں دیکھ کر عریانی دیکھنے کے مرتکب ہو جاتے ہیں؟

اب یہی مناظر اگر ہم ٹی وی اسکرین پر یا کمپیوٹر اسکرین پر دیکھ لیں تو لوگ ٹھرکی باتیں بناتے ہیں۔

لڑکوں کی اصل میں سوچ بڑی گہری ہوتی ہے۔ بعض دفعہ بندہ سفر میں ہوتا ہے اور اسے ٹوائلیٹ جانے کی حاجت ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں پبلک ٹوائلیٹ (عموماً) آسان نہیں۔ جتنی دیر میں ٹوائلیٹ ملتا ہے اتنی دیر میں حاجت سے اچانک مثانہ پھٹ جاتا

ہے۔ ایسے میں جب بندہ گھبراہٹ میں اپنی شلوار کا ناڑا کھولنے لگتا ہے تو غلطی سے ناڑا لگ جاتی ہے۔ بڑی بے بسی محسوس ہوتی ہے کہ یہ کھل کیوں نہیں رہا۔ دل کرتا ہے توڑ دی جائے یہ ازار بند کی دیوار۔ پینٹ شرٹ پہننے والوں کی پینٹ کا تو پہلی ہی ایک مسئلہ ہے جتنی مرضی پریکٹس کر رکھی ہو مگر موقعے پر دھوکا دے جاتا ہے۔

طیور ان تمام جھنجھٹوں سے پاک ہوں گے۔ جب حاجت ہوئی کسی بھی سڑک کے کنارے بیٹھ گئے یا کسی کھمبے کے ساتھ کھڑے ہو کر ٹانگ اٹھا دی۔ نہ پبلک ٹوائلٹ ڈھونڈنے کا تکلف نہ شلوار یا پینٹ اتارنے کا جھنجھٹ۔ سکون ہی سکون۔

کہتے ہیں انسان اور جانور میں صرف شرم و حیا کا ہی فرق ہوتا ہے۔ انسان کپڑے پہنتے ہیں اور جانور نہیں پہنتے۔ جبکہ یہ اصول غلط ہے۔ جانور کپڑے نہیں پہنتے تو ان کے جسم پر قدرتی کھال ہوتی ہے جو انسانوں کو بہت مہنگی پڑتی ہے۔ جانور پتہ نہیں کیسے اتنی مہنگی کھال افورڈ کر لیتے ہیں۔ پتہ نہیں کون سا کاروبار کرتے ہیں۔ مگرمچھ کی کھال سے بنے والا چھوٹا سا پرس دنیا میں انتہائی مہنگا بکتا ہے۔ مگرمچھ خود اتنی مہنگی کھال پہن کر گھومتا ہے آپ دیکھیں کہ غرور بھی نہیں کرتا۔ کسی خاتون نے مگرمچھ کی کھال کا پرس پکڑا ہو تو جان بوجھ کر گھما گھما کر دکھاتی ہے کہ مگرمچھ کی کھال کا ہے اسے گول گول گھومنے کی عادت ہے۔ مگرمچھ اپنی کھال کبھی نہیں بیچتا۔ چوری کرنی پڑتی ہے۔ انسان کے جسم پر اتنی مہنگی کھال ہو تو بیچ کر آئی فون خرید لے۔

تو میں بتا رہا تھا کہ انسان اور جانور میں صرف شرم و حیا کا ہی فرق ہوتا ہے۔

انسان – شرم و حیا = جانور

اگلا فارمولا اس سے بھی دلچسپ ہے۔

جانور – رب کی شناخت = طیور

○

قدرتی قوانین اور نیچرل لاز

پہلے تو اپنے تمام بھائیوں سے تعزیت جو ہمارے مسلمان بھائی حافظ بابر علی سے قریب تھے حقیقی زندگی میں یا سوشل میڈیا پہ۔ اللہ، حافظ بابر علی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائے۔

میں حافظ بابر علی صاحب سے براہ راست واقف نہیں، بس اسی گروپ میں آ کر ان کا ذکر سنا۔ ایک بھائی نے ان کی ایک تحریر بھی تحریر کی ہے۔ اور حیرت ناک رفتار سے ملحدوں کے گروپ سے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ یقیناً حافظ بابر علی کی یہ تحریر گروپ میں پہلے بھی تحریر ہوئی ہوگی مگر عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کی تحریر کا جواب اس کے مرنے کے بعد دیا جائے۔ تاکہ جواب در جواب کا ایک سلسلہ نہ شروع ہو سکے اور آخری جواب پہ قصہ تمام ہو جائے۔

ہماری بھی تحریریں جمع کر رکھو بھائیو کہ ملحدوں کا رواج نکلا ہے۔ ہمارے مرنے پر ہماری تحریروں کے جوابات بھی آنے شروع ہو جائیں گے۔ فی الحال تو سناٹا چھایا جاتا ہے۔

حافظ بابر علی صاحب نے لکھا تھا کہ انسان کے لئے خوراک کا انتظام قدرت نے پہلے ہی کر دیا تھا جس کی لئے انہوں نے سبزیاں پھل اور میوہ جات کی مثالیں دیں۔

ایک طور مسعود ملک نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ قدرت نے جو انتظام کیا تھا وہ ناقص تھا اور خوراک کھانے کے قابل ہی نہ تھی۔ پھر انسان نے ایگریکلچرل انجینئرنگ میں ترقی کی اور اس خوراک کو قابل استعمال بنایا۔ اس کے لئے انہوں نے کیلے کی مثال دی ہے کہ ہزاروں سال پرانی بات ہے کہ کیلا کھانے کے قابل نہ تھا۔ پھر کچھ نامعلوم سائنس

کائنات کی ہانڈی

قارئین! آئیے آج ہم آپ کو کائنات بنانے کا آسان طریقہ سکھاتے ہیں۔

اجزائے ترکیبی:

کچھ نہیں آدھا کلو (ابلا ہوا)

کچھ نہیں ایک پاؤ

کچھ نہیں دو چائے کے چمچ

کچھ نہیں کا تیل ایک کپ

کچھ نہیں لہسن اور کچھ نہیں کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ

کچھ نہیں آدھی گٹھی (پسی ہوئی)

کچھ نہیں کے پھول چار عدد

کچھ نہیں کا رنگ آدھا چائے کا چمچ

کچھ نہیں آدھا چمچ (فرائی کیا ہوا)

ترکیب:

ایک پاؤ کچھ نہیں میں آدھا چمچ کچھ نہیں کا رنگ ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔
پھر اس میں آدھا کلو ابلا ہوا کچھ نہیں ڈال کر ہلکی آنچ پر آدھا گھنٹہ بھونیں۔
جب اس کا رنگ کسی طرح کے منہ جیسا ہو جائے تو اس میں ایک کھانے کا چمچ کچھ نہیں لہسن اور کچھ نہیں کا پیسٹ ملا لیں اور چمچ چلاتے رہیں۔ پھر اس میں چار عدد کچھ نہیں کے

ابلا ہوا سا دھاگہ فرائی کیا ہوا کچھ نہیں ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ لیکن ہلکی سی [illegible]
پھر دھماکے کا انتظار کریں۔ جیسے ہی دھماکہ ہو گا بہت ساری چیزیں جیسے زمین سورج چاند
ستارے پہاڑ وغیرہ وغیرہ تخلیق ہو جائیں گے اور ہر چیز اپنی اپنی جگہ بڑی ترتیب کے ساتھ فٹ
ہو جائے گی۔

ایک مزیدار اور خوشنما کائنات تیار ہے۔

کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات:

کچھ جاہل اور نادان بد مذہبوں نے سوالات پوچھے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس ہانڈی کو کس برتن میں پکانا ہے جبکہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے؟

جواب: جب آپ خود اپنے منہ سے اقرار کر رہے ہیں کہ آپ کے پاس "کچھ بھی نہیں" موجود ہے تو اسی میں پکا لیں۔

۲۔ بھونتے ابالتے اور فرائی کرنے کے لئے آگ کی ضرورت ہے۔ وہ آگ کہاں سے آئے گی؟

جواب: کسی بندر کو بھوسے کے ڈھیر پر بٹھائیں اور اسے بندر کی اولاد کہہ کر بھاگ جائیں۔ وہ آپ کے پیچھے بھاگے گا۔ اسے داغ دے کر واپس آئیں تو بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگ چکی ہو گی۔ یہ ہانڈی اسی آگ پر پکنی ہے۔ غاروں میں رہنے والے قدیم ترین انسان بھی آگ لگانے کے لیے یہی طریقہ استعمال کرتے تھے۔

۳۔ جب کچھ نہیں کو کچھ نہیں کے ساتھ پکایا جائے گا تو دھماکہ کس چیز میں ہو گا جب کہ کچھ ہے ہی نہیں؟

جواب: یہ ایک سائنسی اصول ہے کہ جب "کچھ نہیں" کو "کچھ نہیں" کے ساتھ "کسی طریقے" سے پکایا جاتا ہے تو "کچھ ایسا" ہوتا ہے کہ "کچھ" پھٹ جاتا ہے۔ یہ بہت گہری سائنس ہے جو تم بنیاد پرست مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس لئے اب میں مزید کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ سائنس اپنا وقت آنے پر ہر سوال کا

دکاندار: بیٹا! میرے پاس تو فاسلز ہی ہیں۔ انڈوں کے چھلکے۔ اور مرے
چوزے۔ جھلیاں وغیرہ۔

میں: مگر جب مرغیاں سلامت ہیں تو وہ اب انڈے کیوں نہیں دے رہیں؟

دکاندار: وہ انڈے دیتی ہیں مگر ناپید ہو جاتے ہیں۔

میں: وہ کیسے؟

دکاندار: اللہ کی مرضی بیٹا۔

دوسرا منظر

ٹیچر: چمپینزیز نے لاکھوں سال کی تبدیلیوں کے بعد ہومو اریکٹس کا روپ
دھارا اور پھر لاکھوں سالوں کی مسافت طے کر کے انسان بن گئے۔

میں: وہ ہومو اریکٹس آج کہاں ہیں سر؟

ٹیچر: وہ ناپید ہو گئے سارے کے سارے۔

میں: کیوں؟ کیا سارے چمپینزی مر گئے؟

ٹیچر: نہیں بیٹا! شٹ اپ بلو۔ چمپینزی سب بچے کھچے ہیں۔ سلامت ہیں۔

میں: پھر کیا ارتقا رک گیا؟

ٹیچر: نہیں بیٹا! ارتقا اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

میں: تو پھر ہومو اریکٹس کیسے ناپید ہو سکتے ہیں؟

ٹیچر: بیٹا! "کچھ" ایسا ہوا کہ سارے کے سارے ہومو اریکٹس ناپید ہو گئے۔
اب صرف ان کے فاسلز موجود ہیں۔ کہتے ہو تو فاسلز کے ثبوت پیش کروں؟

میں: مگر جب چمپینزیز موجود ہیں تو وہ مزید ارتقا پذیر ہو کر ہومو اریکٹس میں
تبدیل کیوں نہیں ہو رہے؟

ٹیچر: سائنس کی مرضی بیٹا۔

○

تلاش گمشدہ

(ایک مرتبہ سوفسٹ اعزازی نے چیلنج کیا تھا کہ خدا کے وجود پہ مجھ سے مکالمہ کیا جائے۔ دوران مکالمہ وہ میرے دلائل سے اتنے دلبرداشتہ ہوئے کہ مکالمہ چھوڑ کر فرار ہو گئے اور ہمیں ان کی تلاش میں جگہ جگہ اعلانات کرنے پڑے۔)

کہتے ہیں ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ مگر خدا کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بندہ خود ہی گم ہو جاتا ہے یہ پتہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ جن کی عمر پتہ نہیں کتنے سال ہے۔ اپنا نام سوفسٹ اعزازی بتاتے ہیں گم ہو چکے ہیں۔ آخری مرتبہ کینٹ سائیکلو میں دیکھے گئے تھے۔ سفید رنگ کی شرٹ اور لال نیکر پہن رکھی ہے۔ یہ بھی شکر ہے کہ داڑھی تیموری اور سید احمد حسین کی طرح وٹامن ڈی کے چکروں میں نہیں پڑے ورنہ ننگے آدمی کا تو حلیہ بتانا بڑا مشکل کام ہے۔ دماغی توازن جو ان کے تو ٹھیک ہے مگر باقی لوگوں میں اس بابت شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن صاحب کو ملیں وہ کان سے پکڑ کر مکالمے والی تحریر پہ پہنچا دیں کہ بھائی یہ جو چند ورا بکس کھولا ہے اسے بند کون کرے گا؟ خود پڑھیں تو خود ہی واپس آ جائیں۔ انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ میں سوال ہی بدل دوں گا۔ بلکہ میں سوال پوچھوں گا ہی نہیں۔ آپ خود ہی سوال پوچھتے رہنا۔ میں صرف پھکیاں ماروں گا۔ بھلا کسی سے بھی کبھی مجھ سے غلطی ہوئی کہ سوال تھوڑے سے زیادہ مشکل پوچھ لیے۔ ارتقا ثابت ہوا ہے۔ اللہ تعالی نے بھی کیڑوں کی پیداوار کو کیڑوں ہی کی مار مار دی۔ بھلا صرف ڈائنوسارز پیدا کر دیے جاتے۔ پھر تو سارے مسنگ لنکس بھی ایسے ہی تب ہو

دنیا کی کمسن ترین ملحدہ گگریز شمسی

آیئے آج ہم آپ کو دنیا کی کمسن ترین ملحدہ سے ملوائیں۔ان کا نام ہے گگریز شمسی۔
ان خاتون نے اپنے بچپن میں وہ وہ باتیں سوچیں جو ہم نے آج تک نہ سوچیں۔
1992 میں پیدا ہونے والی یہ حیرت انگیز بچی کوئی عام بچی نہیں ہے بلکہ گگریز شمسی ہے گگریز شمسی۔

جب انہوں نے پہلی بار سوشل میڈیا پر اسلام سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تو اس کے بعد سے آج تک سینکڑوں بار مومنین ان سے پوچھ چکے ہیں کہ آپ نے اسلام ترک کر کے الحاد کیوں اختیار کیا؟ پورے سوشل میڈیا کے تمام مومنین میں بے چینی کی فضا پھیل گئی۔سب کے دلوں میں ایک ہی سوال تھا کہ اب کیا ہوگا؟
اب اسلام کا کیا بنے گا جیسے گگریز شمسی ہی چھوڑ گئی؟
کیا اسلام اپنے وجود کو برقرار رکھ پائے گا؟
اپنے ترک اسلام اور قبول الحاد کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ
"بچپن میں کھیل ہی کھیل میں جب بھی کبھی بھائی مجھ پہ ہاتھ اٹھاتا اور میں امی سے اس کی شکایت کرتی تو امی بھائی کو ڈانٹنے یا سمجھانے کے بجائے الٹا مجھے سمجھانا شروع کر دیتیں اور کہتیں:
"بیٹا وہ آپکا بھائی ہے، اور بھائی سے ناراض نہیں ہونا چاہیے اور اسکی شکایتیں بھی نہیں کرنی چاہئیں"

پھر بیان کرتی ہیں کہ:

"اسی طرح اگر کبھی کھیل ہی کھیل میں، میں اپنے کسی بھی بھائی کو کاٹ لیتی یا نوچ لیتی اور وہ امی کے پاس شکایت لے کر جاتا تو جب بھی امی کے غصے کا نشانہ میں ہی بنا کرتی تھی یعنی بھائیوں کو وہ کبھی کچھ نہ کہتیں۔"

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ ملحد کیوں نہ ہوتیں؟ ان کا بھائی جو کہ ایک بنیاد پرست مسلمان تھا اور (چار پانچ سال) روایتی مرد بھی تھا ان کو ڈانٹ کر یا مار کر حقوق نسواں پر ڈاکہ ڈالتا تھا اور ان کی والدہ جو کہ ایک شدت پسند مسلمان خاتون تھیں اس معاملے میں مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتیں۔ جبکہ اس کے برخلاف جب یہ اپنے کسی بھائی کو "کاٹ لیتیں یا "نوچ" لیتیں تو شکایت پر ان کی باز پرس ہو جاتی۔

یہ سوچ کی پختگی بھی کسی کسی کو ودیعت ہوتی ہے ورنہ ایک ہم بھی تھے بیوقوف جن کی بڑی بہنیں سبق یاد نہ کرنے پر مار مار کے بھرکس نکال دیا کرتی تھیں اور ہمیں احتجاج تک کرنے کی اجازت نہ تھی۔ احتجاج کا مطلب ہوتا تھا اپنے لیے ایک اور چھترول کا راستہ ہموار کرنا۔ ہمارے لیے نہ تو ہماری ماں ہائی کورٹ تھی نہ ابا سپریم کورٹ کہ جہاں شکایت کر سکے اپنے مردانہ حقوق کی آواز اٹھائی جا سکے۔ جس پلیٹ فارم پر بھی گئے الٹا مار کھا کر واپس آئے۔ خود راقم کے دل میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ بہن بھائیوں کا نہیں بلکہ مردانہ حقوق اور زنانہ حقوق کا معاملہ ہے۔

مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ میری پیدائش پر عقیقے کے دو بکرے قربان ہوئے تھے یا ایک۔ اللہ جانے عقیقہ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ اتنی گہری سوچ اور عقل رکھنے کے لیے ملحد ہونا ضروری ہے جو کہ میں نہیں تھا۔

بہرحال فرماتی ہیں۔

اس کی وجہ انہیں دس سال کی عمر میں سمجھ آئی جب پڑوسیوں کے گھر جڑواں بچے پیدا ہوئے اور پڑوسیوں نے لڑکے کے لیے دو بکرے عقیقے کے طور پر قربان کیے جبکہ لڑکی

کے لیے صرف ایک۔ انہوں نے والدہ سے وجہ پوچھی تو والدہ نے سمجھایا کہ اللہ کے حکم پہ بحث نہیں کرتے۔ یہ بکرے چونکہ صدقے کے بکرے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔

یہ حکم چونکہ اسلام کا ہے لہٰذا انہوں نے مزید اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا اور پھر قرآن کا ترجمہ اور احادیث پڑھیں۔ جیسے جیسے یہ پڑھتی گئیں اسلام کی پول کھلتی گئی۔

اسلام مرد بچوں کے لیے دو بکروں کی قربانی کا حکم اس لیے دیتا ہوگا تاکہ لڑکے کی ساری بلائیں اتر جائیں اور لڑکی کی تھوڑی سی بلائیں باقی بچ جائیں۔

میرے خیال سے یہ صرف بکروں کی تعداد کا تنازعہ ہے۔ گوشت کا اس سے تعلق اس لیے نہیں بنتا کہ ایک تو یہ گوشت صرف مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے گھر والے خود نہیں کھاتے۔ اور اگر کھا بھی لیں تو جن بچوں کی عمریں ابھی محض سات دن ہیں ان کے نصیبوں میں یہ گوشت نہیں۔ چاہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ دانتوں کے بغیر گوشت نہیں کھایا جا سکتا۔ یعنی اس پر اعتراض بھی غریب غرباء کا بنتا ہے جن کو لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں نسبتاً کم گوشت کھانے کو ملے۔

یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ مگر ج نے چھوٹے والی حدیث خود نہیں پڑھ لی۔ کیوں کہ حدیث میں بکرے کی جگہ بکری کے الفاظ ہیں۔ ابھی حقوق نسواں کا مسئلہ حل نہیں ہوا پھر حقوق بکریاں گلے پڑ جاتا تھا کہ ایک تو لڑکے کے لیے دو جانور اوپر سے بکرے بھی نہیں بکریاں۔

پھر آگے فرماتی ہیں کہ انہوں نے قرآن کے ترجمے کا مطالعہ شروع کیا۔

"جیسے جیسے میں یہ ترجمہ پڑھتی گئی ویسے ویسے میرا ذہن الجھتا گیا کیونکہ مجھے قرآن میں جگہ جگہ ایسی باتیں نظر آئیں جو کہ کسی بھی طرح میری فطرت سے میل نہیں کھاتی تھیں اور مجھے مکمل طور پر غیر فطری محسوس ہوئیں۔"

یہاں انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کون سی باتیں تھیں جو ان کی

فطرت سے میل نہیں کھاتیں تھیں۔ بہر حال پھر فرماتی ہیں کہ ان کا دل ٹوٹ گیا کہ اللہ نے مجھے اتنا کمتر کیوں بنایا۔ ایک یونیورسٹی کے اسلامیات کے پروفیسر سے رہنمائی لینے کی کوشش کی مگر کہاں ایک یونیورسٹی کا معمولی پروفیسر اور کہاں گلریز شمسی۔ چاروں شانے چت ہو گیا بچارہ۔

پھر انہوں نے خود کشی کی کوششیں بھی کیں۔ مگر کامیاب نہ ہو سکیں اور آخرکار یہ ملحد ہو گئیں۔

کیا کہانی ختم ہو گئی؟

جی نہیں۔ کہانی تو اب شروع ہوئی ہے۔ اس کے آگے کی اب داستان مجھ سے سن۔

انہوں نے مجھے لگتا ہے الحاد پر ابھی تک ریسرچ نہیں کی۔ وہ میں کروا دیتا ہوں۔ آخر میں بھی تو یہاں کسی کام سے بیٹھا ہوں۔ ویلیاں کھانے کی مجھے عادت نہیں۔

جس الحاد کو انہوں نے اسلام ترک کر کے اپنایا وہاں سرے سے عقیقہ ہی نہیں ہوتا۔ کیا لڑکا اور کیا لڑکی۔ کیا ایک بکرا تو کیا دو بکرے۔

وہاں کے مسائل دوسرے ہیں۔

وہاں بچے کی ماں کو بچے کے پیدا ہونے پر سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کی پیدائش کا الزام کس مرد پہ ڈالنا ہے۔ الحاد میں نکاح نہیں ہوتا۔ باہمی رضامندی سے راتیں گزاری جاتی ہیں۔ ایک مرد سے مزا نہ آئے تو دوسرا مرد۔ دوسرے سے مزا نہ آئے تو تیسرا مرد۔ رات گزارنے کے اس معاہدے میں یہ شق بالکل نہیں ہوتی کہ اگر بچہ پیدا ہوا تو پالے گا کون۔ عقیقہ تو بعد کی بات ہے۔ ملحد مرد ایسی ذمے داریوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ مرد کے چند منٹ کے مزے کی قیمت وہ کسی بچے کو تاحیات پال کر بھی نہیں دیتا۔

آپ ایک بکرے اور دو بکروں کو رو رہی ہو۔ الحاد میں بچے کی پیدائش پر صرف اور صرف ماں قربان ہوتی ہے۔ یعنی بکری نہیں۔ مجسم عورت۔

مرد چند منٹ مزے لے کر کہے گا

- You are a good girl, Thank you

عورت اس کے بوئے ہوئے بیج کی نو مہینے پہلے تکلیف سہے گی۔ پھر تاحیات اس

کوتن وتنہا پالے گی۔ مرد کا دل کیا تو بھیک میں کوئی خرچہ دے سکتا ہے ورنہ الحاد کا کوئی قانون اس کو اس بات کا پابند نہیں کرتا۔

آپ نے خدا کا انکار کر ڈالا۔ الحاد کو اپنا لیا۔ ٹھیک ہے۔

مگر کیا اب مرد اور عورت برابر ہو گئے؟

مرد کے چند منٹ کے مزے عورت کی نو مہینے کی تکلیف کے برابر ہیں۔

کیا اس کو برابری کہتے ہیں؟

کس نے کیا عورت پر یہ ظلم؟

خدا کے وجود کا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اب باقی ارتقاء بچا ہے۔

ارتقاء نے مرد اور عورت کو برابر کیوں نہ بنایا؟

مرد اور عورت دونوں ایک رات خوب عیاشی کرتے پھر بجائے اس کے کہ مرد صبح ہاتھ منہ دھو کر گھر چلا جائے اور عورت نو مہینے اس کے بوئے بیج کا بوجھ اٹھا کر گھومتی پھرے کیا ایسا نہ ہو سکتا تھا کہ یہی بوجھ ساڑھے چار مہینے مرد اٹھاتا ساڑھے چار مہینے عورت؟ نو مہینے بعد دونوں مل کر بچہ پیدا کر لیتے؟ ایک جیسی تکلیف سہتے؟ کیا ڈی این اے نے اپنے ارتقاء کے وقت اتنی عقل استعمال نہ کی؟

بچہ پیدا ہونے پر پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد یہ بات تسلیم ہی نہیں کرے گا کہ اس بچے کا باپ وہ ہے۔ پھر اگر ڈی این اے ٹیسٹ سے ثابت ہو بھی گیا تو اگلا معاملہ یہ کہ کیا ہم نے ان شرائط پر رات گزاری تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا تو باپ ذمہ داری اٹھائے گا؟

ٹھیک ہے۔ ہو گئی غلطی۔ جذبات کی رو میں بہک گئے دونوں۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں مگر بچہ ساری عمر نہیں پال سکتا۔ میں نے ایک رات گزاری ہے۔ اس کی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ بس۔۔۔۔

اب آپ ایک رات کی وصول کردہ قیمت سے نتیجے کا ایک کھرا آنے کا یا وہ سوچنا آپ کا کام ہے۔

○

کچھ بھی نہیں

انسانی زندگی میں اغراض و مقاصد کی بڑی خصوصی اہمیت ہے۔

مسلمان دین کی تبلیغ کیوں کرتے ہیں؟

کیوں کہ انہیں جنت ملے گی۔

ہندو اپنے دھرم کا پرچار کیوں کرتے ہیں؟

کیوں کہ انہیں سورگ میں جانا ہے۔

عیسائی اور یہودی اپنے دین کو فروغ دیتے ہیں تا کہ انہیں ہیون Heaven ملے۔

مگر ملحد الحاد کا پرچار کیوں کرتے ہیں؟

انہیں کیا ملے گا؟

کچھ بھی نہیں۔

مجھے میرے آفس والے کہیں کہ آپ روز آفس آئیں۔ صبح سے شام تک محنت کرو۔ مگر ہم آپ کو کچھ بھی نہیں دیں گے۔ تو پھر نوکری کرتی ہے میری جوتی۔ میرا دماغ خراب ہے میں صبح سے شام تک محنت کروں مگر ملے کچھ بھی نہیں۔

مگر میں ملحدوں کی بے لوث محنت دیکھ کر حیران ہوتا ہوں۔ سید امجد حسین کی بینائی متاثر ہو چکی ہے۔ اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھ چکے ہیں۔ فیس بک پہ تقریباً روزانہ ان کی تحریر آتی ہے۔ روز پتھر کھاتے ہیں۔ کسی دن بھی چپکے سے جان نکل جائے گی۔

ملے گا کیا؟

کچھ بھی نہیں۔

اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اسلام کے خلاف سارا دن فیس بک پہ کام بھی کرتے ہیں۔ تو ان کرتے ہیں۔ پراکسی استعمال کر کے اپنی حفاظت کا کسی حد تک اہتمام کرتے ہیں۔ پھر جس دن کسی مسلمان کے ہتھے چڑھ جائیں اس دن مشال خان کی طرح جامِ شہادت نوش کر جاتے ہیں۔

اس کے بعد ملتا کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

اس دنیا میں ایک کتا بھی بھونکتا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔
مگر آپ ملحدوں سے پوچھیں کہ تمہیں اسلام کے خلاف بھونک کر ملتا کیا ہے؟

جواب ملے گا۔

کچھ بھی نہیں۔

اس " کچھ بھی نہیں" سے ملحدوں کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

آپ ان سے پوچھیں۔

کائنات بننے سے پہلے کیا تھا؟

جواب ہوگا۔

کچھ بھی نہیں۔

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

کچھ بھی نہیں۔

پیدا ہونے سے پہلے انسان کیا تھا؟

کچھ بھی نہیں۔

عالم ارواح کا تصور کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

الحاد کی تبلیغ کا فائدہ کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

توہین کرنے سے کیا ملتا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہارے پیدا ہونے کا مقصد کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہارے پیدا ہونے سے دنیا کو کیا ملا؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہارے مرنے سے دنیا کو کیا نقصان ہوگا؟

کچھ بھی نہیں۔

رات کو سوتے وقت کیا پہننا چاہیے؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہاری امی تمہارے ابو کی کیا لگتی ہیں؟

کچھ بھی نہیں۔

ملحدوں کے دماغ میں کیا ہوتا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

ان کی ہر کہانی "کچھ بھی نہیں" سے شروع ہو کر "کچھ بھی نہیں" پہ ہی ختم ہو جاتی

○

ہونا ہی تھا

ایک ملحد کی داستان عبرت

''میں اب آپ کو ایک منٹ بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ ریمو و یو ڈرٹی فیس فرام مائی سائٹ۔'' وہ انتہائی غصے میں تھی۔

''مگر میری بچی۔ کچھ تو خیال کرو۔ میں بوڑھا اس عمر میں کہاں جاؤں گا؟'' اس کے لہجے میں منت تھی۔

''یہ آپ کو اس عرفان کے ساتھ منہ کالا کروانے سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔'' اس نے غصے کے عالم میں عرفان کو گھورا تو پاس کھڑا عرفان منہ پر ہاتھ پھیر کر گویا کالک مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

''میری بچی۔ میں نے تمہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ تمہارے ناز نخرے دیکھے ہیں۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ ہے۔ مجھے اس طرح بے عزت کر کے گھر سے مت نکالو۔ یاد کرو میں تمہیں کندھے پر بٹھا کر پورا بمبئی گھماتا تھا۔'' وہ بولا۔

''خدا کا واسطہ تو آپ نہ ہی دیجیے۔ کس خدا کو مانتے ہیں آپ؟ گوگل کو؟ یا اپنے نفس کو؟'' بیٹی نے حقارت سے جواب دیا۔

''بیٹی۔ میں سارے خداؤں کو مانتا ہوں۔ وہ تو فیس بک پہ یونہی دل لگی کرتا رہتا ہوں مگر دل سے سارے خداؤں کو مانتا ہوں۔'' وہ منمنایا۔

''تو پھر مجھے خدا کا واسطہ نہ دیجیے۔ اپنے کسی خدا سے کہیے کہ آپ کے لیے کسی

ادھر سے گھر کا انتظام کر دے۔" وہ غصے سے بولی۔

اس نے ایک دستی اور تھوڑی دیر میں وہ دونوں گھر سے باہر کھڑے تھے۔ نکلتے ہوئے صرف ایک جوڑا کپڑوں کا لے پائے تھے۔ شلوار عرفان نے پہن لی تھی اور قمیص احمد حسین نے۔ وہ جانتا تھا کہ ننگے گھومنے سے عرفان حاصل ہو جاتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بندہ گھر سے بے گھر بھی ہو جاتا ہے۔

"چلو بھئی۔" آخر احمد حسین بولا۔ "رفتہ رفتہ ختم قصہ ہو گیا، ہونا ہی تھا
وہ بھی آخر میرے جیسا ہو گیا، ہونا ہی تھا۔"

"جی بالکل۔" عرفان نے جواب دیا۔ "گھر سے وہ بے گھر بالآخر ہو گیا، ہونا ہی تھا۔ بد سے بدتر حشر ہمارا ہو گیا، ہونا ہی تھا۔"

"تو تم نے کیا قسم کھائی ہوئی ہے میری شاعری کا بیڑا غرق کرنے کی؟ تم جانتے ہو جس محفل میں یہ غزل پڑھی تھی وہاں اشعر اشعر ہو گیا تھا۔" احمد حسین غصے سے بولا۔

"فی الحال تو جناب آپ کا حشر نشر ہو گیا ہے۔ اب جانا کہاں ہے یہ سوچیں۔" عرفان نے یاد دلایا کہ وہ گھر سے نکالے جا چکے ہیں۔

"اب اسلام کی قبر کھودنے جانا ہے۔ اس بے عزتی کا بدلہ میں اسلام سے لوں گا۔ شکر ہے میرے الفاظ۔ میرے نشاں ہیں گنوار۔ توبہ توبہ استغفار۔" احمد حسین نے ترنم سے کہا۔

"جناب آپ گنوار کی فکر چھوڑیں شلوار کی فکر کریں جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ گلی میں رات کو ہوائیں چلتی ہیں۔ سر سنبھالنا بھی مشکل ہو جائے گا اور میرا ارادہ کے لونڈوں کو بھی۔ اور محلے کی عورتیں الگ مذاق اڑائیں گی کہ کیسے گیا تیرا وقار رے کیسے گئی تیری شلوار۔ توبہ توبہ استغفار۔" عرفان نے حقیقت سے آگاہ کر دیا۔

"شلوار کی مجھے فکر نہیں۔ وہ میں تم سے لے لوں گا۔" احمد حسین اطمینان سے بولا۔

''تو میں کیا پہنوں گا؟ تمبو؟'' عرفان بوکھلا کر بولا۔

''تمہیں کچھ پہننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ ننگے گھومنے سے وٹامن ڈی کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔'' امجد حسین نے کہا۔

''نہیں جناب۔ مجھے میرا روڈ کے درجن بھر لونڈوں سے وٹامن ڈی کی کمی پوری کروانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں، اپنی قمیض بھی اتار کر مجھے دے دیں۔ آپ تو ویسے بھی علتِ مشائخ میں مبتلا ہیں۔'' عرفان نے گویا راز فاش کیا اور امجد حسین بوکھلا گیا۔

''خبردار جو تم نے پبلک میں میرا کوئی اور راز فاش کیا۔ مجھے صرف آنکھوں کی بیماری ہے سمجھے۔'' امجد حسین جلدی سے بولا۔

''جناب وہ غالب تھا جس کے گو ہاتھ کو جنبش نہیں تھی۔ آنکھوں میں دم تھا۔ آپ کے تو نہ ہاتھ کو جنبش نہ آنکھوں میں دم۔ اب تو جو کرے ساغر و مینا کرے آپ کے ساتھ۔ آپ کے بس میں کچھ نہیں۔'' عرفان اطمینان سے بولا۔

''تم یہ فضول بکواس بند کرو اور وہ سامنے والے شیخ صاحب کا دروازہ بجا کر کہو قبلہ اشعر نجمی صاحب بذاتِ خود پدھارے ہیں۔ دیکھنا اب میں کیسے رہائش کا بندوبست کرتا ہوں۔'' امجد حسین نے کہا۔ عرفان سامنے والے گھر کا دروازہ بجانے لگا۔ ایک خاتون باہر نکلیں۔ عرفان نے پیغام دیا تو خاتون نے پہلے ایک اچٹتی ہوئی نظر عرفان پر ڈالی۔ پھر تھوڑا منہ باہر نکال کر امجد کو سر سے پیر تک دیکھا اور عرفان کو کچھ کہہ کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔ عرفان منہ لٹکا کر واپس آ گیا۔

''کیا کہہ رہی تھیں شیخ صاحب کی بیگم؟'' امجد نے بے کلی سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہی تھیں کہ انہیں کہو کہیں اور جا کر پدھاریں۔ ہمارے ہاں پانی نہیں آ رہا۔'' عرفان نے کہا اور امجد حسین نے سر پکڑ لیا۔

''ادبی زبان بھی نہیں سمجھتے یہ لوگ۔'' امجد حسین بڑبڑایا۔

"جناب جس حلیئے میں ہم گھوم رہے ہیں ہمیں ادب کی بات کرنی ہی نہیں چاہیئے۔ ادب کی چلتی پھرتی توہین ہیں ہم۔ اگر میں آپ کا تعارف کروانے کے بجائے اللہ کے نام پر بھیک مانگ لیتا تو شائد مل جاتا۔" عرفان منہ بسورتے ہوئے بولا۔

"چلو کوئی نہیں۔ میرے پاس برے وقت کے لئے بندوبست ہے۔ آؤ چلیں۔" امجد حسین بولا اور وہ دونوں ایک سمت چل پڑے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک بک اسٹال کے پاس کھڑے تھے۔

"اب میری بات ذرا دھیان سے سنو۔ یہ جو بک اسٹال ہے یہاں میں نے اپنی کتاب بکنے کے لیے رکھوائی ہوئی ہے۔ چھ ماہ میں کچھ تو کاپیاں بک گئی ہوں گی۔ ہم دونوں کے کپڑے آجائیں گے۔" امجد حسین نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے آپ اندر جاکر پیسے لے آئیں۔" عرفان خوش ہوکر بولا۔

"مگر اس حلیئے میں جاؤں گا تو وہ مجھے بھیک بھی نہیں دے گا۔ تم تھوڑی دیر کے لئے اپنی شلوار مجھے دے دو۔ میں واپس آکر تمہیں نیا بوسکی کا جوڑا دلوادوں گا۔" امجد حسین نے کہا اور عرفان کی خوشی فوراً کافور ہوگئی۔

"نہیں جناب۔ میں ایسا رسک نہیں لے سکتا۔ آپ تو ویسے ہی بھگوڑے مشہور ہیں۔ اگر بھاگ گئے تو میں کہاں جاؤں گا؟" عرفان نے صاف جواب دیا۔

"دیکھو۔ بات کی نزاکت کو سمجھو۔ پھر میں تمہیں جنگِ بدر کا قصہ سناؤں گا وہ بھی قسط وار۔" امجد حسین نے اسے لالچ دیا۔

"مجھے جنگِ بدر میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیئے جنگِ در بدر کا وہی قصہ کافی ہے جو باپ بیٹے کے درمیان میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک ہی قسط میں قصہ تمام۔" عرفان نے صاف انکار کر دیا۔

"دیکھو۔ میری بات مان لو۔" امجد حسین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کم بخت صرف اپنے خستہ حال کی نزاکت کو دیکھ رہا تھا۔ مجبوراً امجد حسین کو اسی حلیئے میں بک

اسٹال جانا پڑا۔

خوش قسمتی سے بک اسٹال کا مالک اسے پہچان گیا اور بڑے پرتپاک انداز سے ملا۔

"شکر ہے جناب آپ نے مجھے شکل دیکھتے ہی پہچان لیا۔" امجد حسین بولا۔

"ارے چھوڑیے جناب۔ شکل تک تو نوبت ہی نہ آئی۔ میں نے تو آپ کو آپ کی ٹانگیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور امجد حسین جھینپ گیا۔

"تو کتنی کاپیاں بک گئیں ہماری کتاب کی؟" امجد حسین فوراً مطلب کی بات پر آ گیا۔

"ساری بک گئیں جناب۔" وہ بولا اور امجد حسین کی باچھیں کھل گئیں۔

"واہ اسے کہتے ہیں ادب کے سچے پرستار۔ ممبئی بھری پڑی ہے ادب کے قدر دانوں سے۔ میں خواہ مخواہ پریشان ہو رہا تھا۔" امجد حسین بولا۔

"کافی عرصے تک تو ایک بھی نہیں بکی تھی۔ میں خود پریشان ہو گیا تھا کہ ان کو کہاں سنبھالوں۔ پھر پرسوں کرموکباڑیا آ گیا۔ میں نے ساری تلوا دیں۔" اس نے بتایا۔

"تلوا دیں مطلب؟" امجد حسین چونکا۔

"تلوا دیں مطلب تلوا دیں۔ پورے تین روپے کلو کا ریٹ مل رہا تھا۔ آگے تو سنا ہے ریٹ گرنے والے ہیں ردی کے۔ پھر یہ بھاؤ بھی کہیں نہیں ملتا۔" بک اسٹال والے نے تفصیل بتائی۔

"کتنے پیسے ملے؟" امجد حسین نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"جناب۔ ایک ہزار کاپیاں تھیں۔ دو سو گرام کی ایک کاپی کے حساب سے لگا لیجیے۔ پورے چھ سو روپے بن گئے۔" اس نے حساب بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ لائیں دیجیے۔" امجد حسین نے بھاگتے چور کی لنگوٹی کو غنیمت جانا۔

"کہا ہو گیا۔ اس نے ابھی پیسے تو بھجوائے ہی نہیں۔ آج کا وعدہ ہے۔ آپ ایک کام کیوں نہیں کرتے۔ یہ کمر چہ تو کباڑ خانہ ہے اس کا۔ وہاں جا کر خود ہی وصول کر لیجئے۔ میں فون کیے دیتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے جناب۔ آپ فون کیجئے میں وہاں سے لے لیتا ہوں۔" احمد حسین نے مرجھائے ہوئے لہجے میں کہا اور بک اسٹال سے باہر آ گیا۔

"چلو بھئی۔ کرمو کباڑیے کی دکان پر چلیں۔ دشت امکاں میں یہ میرا اضطراب بھی خوب ہے۔ روزن دیوار چہرہ ہو گیا، ہونا ہی تھا۔" احمد حسین گنگنایا۔

"جناب۔ جس قسم کے آپ کے مشاغل ہیں اس شہر میں چہرے کی جگہ آپ کو پڑھا کریں۔ یعنی دشت امکاں میں یہ میرا اضطراب بھی خوب ہے۔ روزن دیوار گرتے ہو گیا، ہونا ہی تھا۔" عرفان بولا اور بولتے ہی دوڑ لگا دی کیوں کہ احمد پتھر لے کر اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ مگر پھر اسے فوراً ہی بریک مارنی پڑی۔ بھاگنے کی وجہ سے اس کا روزن زدہ کرتا ہوا میں لہرانا شروع ہو گیا تھا جو خاصی نامعقول بات تھی۔

کرمو کباڑیے نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا تھا اور حیرت سے کسی سوچ میں گم تھا۔

"میں نے تو سمجھا تھا کوئی بہت بڑی ادبی شخصیت تشریف لا رہی ہے۔ آپ کی تو تعریف ہی بار بار بے پردہ ہوئی جاتی ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہے کہ آپ دو لوگوں کا ایک شخص کے لباس پر گزارا کیسے ہوتا ہے؟" کرمو کباڑیا حیرت سے بولا۔

"جناب ہم ابھی ابھی جغرافیائی تقسیم کے ذریعے دو ہوئے ہیں ورنہ تو ہم ایک تھے۔" عرفان نے لقمہ دیا، احمد کھسیانا ہو گیا۔

"جناب آپ ان کو چھوڑیں۔ مطلب کی بات کریں۔ آپ کی طرف ہمارے سیٹھ صاحب کے پیسے واجب الادا ہیں۔ وہ ہمیں عنایت کر دیں۔" احمد حسین بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس وقت میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔ ایک ہفتے

والے سے بات چل رہی ہے۔ جیسے ہی نمٹ جائے گی پیسہ آ جائیں گے۔" کرمو بولا۔

"کیا پکوڑے والا مجھ ہونے کی سوچ رہا ہے؟ کیا اس نے میری کتاب پڑھی ہے۔" امجد حسین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"نہیں جناب۔ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ آپ کی کتاب کے ورقوں میں پکوڑے لپیٹ کر بیچے گا۔" کرمو نے صاف جواب دیا اور امجد کا چہرہ مرجھا گیا۔

"ٹھیک ہے وہ جو مرضی کرے مگر مجھے اس وقت پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ نہ میرے پاس پیسے ہیں نہ کپڑے ہیں نہ رہائش ہے۔" امجد نے اپنی مجبوریاں گنوائیں۔

"آپ کی رہائش کا تو میں بندوبست کر دیتا ہوں۔ آپ پیسوں کو چھوڑیں۔ میرے پاس پیچھے ایک کمرہ ہے جہاں میں نے کتا پالا ہوا ہے۔ میں اس کتے سے تنگ آ گیا ہوں۔ سوچ رہا ہوں اس کتے کو نکال کر وہ کمرہ آپ کو دے دوں۔ بس آپ کو رات کو گاہے بگاہے بھونکنا پڑے گا تاکہ کوئی چور یہاں نہ آئے۔" کرمو نے آفر دی۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ انہیں تو بھونکنے کی عادت ہے۔ آپ اگر نہ بھی کہتے تب بھی یہ گاہے بگاہے بھونکتے رہتے ہیں۔" عرفان نے بیچ میں ٹانگ اڑائی اور امجد اسے گھور کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے جناب۔ مجھے آپ کی آفر منظور ہے۔ مجھے کمرہ دکھا دیں۔" امجد حسین نے کہا اور کرمو انہیں کمرے میں لے گیا جہاں ایک کالا کتا پہلے سے موجود تھا۔ کرمو نے کالے کتے کو باہر نکال دیا۔

"یہ ہے جناب آپ کا کمرہ۔ آپ یہاں سکون سے رہیں۔ جو لکھتے ہیں لکھیں۔ کتا میں بجائے بک اسٹال کو بھجوانے کے براہ راست مجھے ہی دے دیجیے۔" کرمو نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔ امجد اور عرفان زمین پر ہی لیٹ گئے۔ تھکن سے برا حال تھا۔ فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

اسد کی بیٹی بازار سے کچھ لینے نکلی تھی کہ اسے ایک کالا کتا نظر آیا۔ لگتا ہے بے چارے کو کسی نے مار کر نکال دیا ہے۔ انسانیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ وہ اسے گھر لے آئی اور اسد کا کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا۔

پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

''کسی'' نے کیا خوب کہا ہے کہ

میں نے بھی پرچھائیوں کے شہر کی پھر راہ لی
اور وہ بھی اپنے گھر کا ہو گیا، ہونا ہی تھا

○

الحاد کی خوراک

(نوٹ: نفیس فطرت رکھنے والے حضرات اس تحریر کو نہ پڑھیں تو اچھا ہے۔ خواہ مخواہ دل خراب ہوگا۔ اور جو ملحد ہونے کی سوچ رہے ہیں وہ اس تحریر کو ہر کھانے سے پہلے دوائی کے طور پر ایک بار ضرور پڑھ لیا کریں۔ شکریہ)

خموش لب ہیں جھکی ہیں پلکیں، دلوں میں اُلفت نئی نئی ہے
ابھی تکلف ہے گفتگو میں، ابھی محبت نئی نئی ہے
ابھی نہ آئے گی نیند تم کو، ابھی نہ ہم کو سکوں ملے گا
ابھی تو دھڑکے گا دل زیادہ، ابھی یہ چاہت نئی نئی ہے

میں نے سنا تھا کہ شیطانی تنظیمیں اپنے نئے آنے والے ہرکاروں کو حرام جانور کا خون پیش کرتی ہیں۔ ایک پیالہ خون پیتے ہی اس کی رہی سہی مزاحمت بھی دم توڑ جاتی ہے۔

ہمارے گروپ کو گٹر گروپ کہنے والے ملحدوں نے ملحدوں کے لئے نئی ڈش متعارف کروائی ہے۔ کاکروچ کے آٹے سے بنے ہوئے کیک اور روٹی۔ حرام حلال کے چکر میں نہیں پڑنا۔

گھبرایئے نہیں۔ یہ آٹا ہمارے باورچی خانوں اور گٹر میں بسنے والے کاکروچوں سے تیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کے لئے امریکہ اور شمالی افریقہ کے کاکروچ امپورٹ کیے جائیں گے۔

اصل میں ہمارا فضلہ زیادہ غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے۔ جبکہ امریکیوں کا فضلہ امپورٹڈ ہوتا ہے۔ تو امریکیوں کے فضلے کی پاکیزہ غلاظت سے جو کاکروچ جنم لیتے ہیں ان سے جو آٹا تیار کیا جائے گا۔ ہون تے کھا لو گے نا؟

کاکروچ کا آٹا تیار کرنے والی خواتین انجینئرز کا دعویٰ ہے کہ اس آٹے میں عام گندم کے آٹے کے مقابلے میں چالیس فیصد زیادہ پروٹین شامل ہے۔ اور اسے ہر طرح کے ذائقے دار اور بہترین بریڈ کی تیاری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اب دیکھیں کتنی کشش پیدا ہو گئی آٹے میں۔ ایک تو امریکیوں کی غلاظت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کاکروچز کا آٹا (یعنی پاک صاف اور امپورٹڈ)۔ اوپر سے اسے ”خواتین انجینئرز“ تیار کر رہی ہیں (یعنی سائنٹفک آٹا)۔ پھر اس میں پروٹین بھی گندم کے آٹے سے زیادہ ہیں (یعنی صحت بخش بھی)۔

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو فیا ما جیسی ظالمہ کو بھی تحریر پڑھ کر الٹی ہو گئی ہے۔ اس کو ظہر صاحب تحریر نے حوصلہ دیا کہ ابتدائے الولا ہے روتی کیوں ہے پگلی؟

مجھے تو حقیقت میں بے چینی لگ گئی ہے کہ یہ گورے ترقیوں پہ ترقیاں کرتے جا رہے ہیں اور ہم پیچھے رہ گئے۔ پہلے چاند سے گوروں کے کمنٹس آیا کرتے تھے کہ موتنو! ابھی زمین پر ہی ہو؟ دیکھو ہم چاند پہ پہنچ گئے۔ اب وہ امریکیوں کی امپورٹڈ غلاظت سے پیدا شدہ کاکروچز کے آٹے کی روٹیاں کھائیں گے تے تسی منہ ویکھنا۔

اور تو اور گورے گدھوں اور کتوں کی بھی فارمنگ کا سوچ رہے ہیں۔ لگتا ہے ان کو بھی کھائیں گے۔ ہائے اپنے ارتقائی کزنز کے ساتھ یہ سلوک؟

میں تو اس سائنسدان کو ڈھونڈ رہا ہوں جو گوروں کو یہ مشورے دیتا ہے۔

وٹامن ڈی کی خاطر پہلے ان بیچاروں کے کپڑے اتار کے انہیں ہالی وڈ بنا کر ساحلوں پہ گھمایا۔ اب پروٹین کے چکر میں کاکروچز کا آٹا کھانے کو مل رہا ہے۔ چن چن

کے حوالے سے رہا ہے کوئی سائنسدان ان سے۔

الحاد کے عظیم دانشور اور مفکر قبلہ جناب سید احمد حسین نے فرمایا تھا کہ میں تو زندگی مادر زاد ننگا ہو کر کرتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے وہ انہی کاکروچ کے آنے سے نئی روزی کماتا ہوگا۔
ایک ٹکٹ میں دو مزے۔ وٹامن ڈی کا وٹامن ڈی اور پروٹین کے پروٹین۔ اور پہلو میں اگر عرفان بھی ہو تو وٹامن شی بالکل فری۔

○

پردے میں رہنے دو

تحریر کا موضوع آپ کو تھوڑا عجیب لگے گا۔ اصل میں معاملہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان خواتین کے پردے پہ اعتراض کرتے ہیں ان کے جب اپنے کپڑے اتریں تو تکلیف بہت ہوتی ہے۔

پہلے تو ملحد اور لبرل خواتین کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ پردے کے موضوع پہ مسلمانوں کے خلاف خود ہرزہ سرائی سے باز رہیں اور یہ کام اپنے مردوں سے کروائیں۔ کم از کم میرے سامنے تو یہ کام ہرگز نہ کیا جائے۔ کیوں کہ جو اعتراض لبرل خواتین کو مسلمان خواتین کے برقعے پہ ہے مجھے وہی اعتراض ملحد اور لبرلز خواتین کے تمام کپڑوں پر ہے۔

اسی قسم کی صورت حال کا سامنا رات کو ایک ملحد خاتون کو کرنا پڑا۔ خاتون کو پردے پر زبردست اعتراضات تھے۔ خاتون میرے شروع کے سوالوں سے ہی پریشان ہو گئیں اور سمجھ گئیں کہ مسلمانوں کے پردے پہ اعتراض کھڑا کرنا اتنا بھی آسان نہیں جتنا انہوں نے سمجھ لیا تھا۔ اپنے تن کے سارے کپڑے بھی خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔

میرا پہلا سوال یہ تھا کہ آپ کے خیال میں پردے کی شرح کیا ہونی چاہئے؟ مجھے ان کا جواب پہلے سے پتہ تھا کیوں کہ میں ملحدوں کی دماغی استطاعت سے واقف ہوں۔

انہوں نے جواب دیا کہ پردہ ہونا ہی کیوں چاہئے؟

پھر میں نے ان کو پردے کی صحیح تعریف سمجھا دی کہ پردہ انسانی جسم اور دوسرے لوگوں کی نظروں کے درمیان آڑ کو کہتے ہیں۔ جس سے وہ میرا سارا مدعا سمجھ گئیں اور فرار کا

ہیں مگر کم از کم چڈی ضرور پہنے رکھتے ہیں۔ چاہے جتنے مرضی بے شرم اور بے غیرت ہوں۔ خواتین سمندر کنارے دو کپڑے پہنتی ہیں۔ مجھے اعتراض ان کے اوپر کے سارے کپڑے اتار دینے پر نہیں ہے۔ بلکہ ان دو کپڑوں پر ہے جو اب بھی جسم پر موجود ہیں۔

اس مسئلے کا طوروں کے لئے بڑا آسان سا حل ہے کہ مسلمان خواتین کو پردے میں رہنے دو ورنہ۔۔۔(سمجھ گئے نا)

○

شرمیلے بے غیرت

پاکستان کی معاشرتی بنیادیں اس حد تک مضبوط ہیں کہ الحاد کو یہاں پہنچنے میں آنے دال کا بھاؤ پتہ چل گیا ہے۔ مجھے الحاد کی بالکل سمجھ نہیں آتی۔ عجیب اصول ہیں ان کے۔ بعض وقت لطیفے بن جاتے ہیں۔ انگریز ملحدوں کے پیچھے لگ کر پاکستانی ملحد ایک قانون کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جب ان کے خودساختہ قانون پر انہی کو رکھ کر پرکھا جائے تو چھٹے لگ جاتے ہیں۔

پھر قوانین کس کو سکھا رہے ہیں؟ مسلمانوں کو؟

کہتے ہیں انسان بندر کی اولاد ہے۔ آپ ان کے گروپ میں جا کر کسی ملحد کو بندر کی اولاد کہہ کر دیکھ لیجئے۔ اسے آگ لگ جائے گی۔ پتہ نہیں خود کو انسان بھی سمجھتے ہیں یا ابھی تک بندر ہی ہیں۔

دانیال تیموری کہتے ہیں انسان کو ننگا گھومنا چاہئے۔ میں نے ننگا کیا تو شرم آگئی۔ ایسی آگ لگی ہے کہ قابو سے باہر ہے۔ ایک نے نیکر پہن کر سونے کا اعتراف کیا دوسرا کہتا ہے میں تو نیکر بھی نہیں پہنتا۔ بالکل ننگا سوتا ہوں۔ اس کو سات ننگا محمد عرفان پسند آ گیا ہے (وٹامن شی سے بھرپور)۔ اب وہ ننگے بادشاہ کی تحریر مسلمانوں پر چسپاں کر کے ان کو ننگا ہونے کے طعنے دے رہا ہے۔ بے شرم بن گئے ہو تو پورے بنو۔ بے غیرت بنے ہو تو پورے بنو۔ یہ بار بار شرم اور غیرت کیوں آ جاتی ہے؟

دانیال تیموری صاحب کہتے ہیں غیرت اور شرم و حیا دماغی بیماریاں ہیں۔ تو جناب جب میں نے ننگا کیا تھا تو ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے۔ وہاں آپ کو شرم بھی آ گئی اور غیرت بھی۔ لگے سائنسی پتوں سے تن ڈھانکنے۔

ایک محترمہ خاتون نے تحریر لکھی ہے جو بچوں کی جنسی تربیت سے متعلق ہے۔ اس میں وہ فرماتی ہیں کہ بچوں کو سمجھائیں کہ خود لذتی حاصل کرنا کوئی بری چیز نہیں۔ مزید کہتی ہیں کہ اگر بچوں کی طرف سے پوچھے گئے جنسی سوالات کے جوابات میں انہیں ڈانٹ کر چپ کروا دیا جائے گا تو وہ باز تو نہیں آئیں گے مگر اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل کے لیے غلط طریقے اپنانے کی کوشش کریں گے۔

غلط طریقے؟ کون سے غلط طریقے؟

ہم جنس پرستی الحاد میں جائز ہے۔

بغیر نکاح جنسی اختلاط پہ الحاد کو کوئی اعتراض نہیں۔

خود لذتی اس تحریر میں جائز قرار دے دی گئی۔

پیچھے کون سا طریقہ بچ گیا جسے غلط کہا گیا؟

وہ بچہ ایسا کیا کرے گا جو الحاد میں حرام ہے؟

مجھے سمجھ نہیں آئی۔

ان اصولوں کو الحاد میں واضح کیا جانا چاہیے۔ تاکہ جو بچے نئے ملحد ہوں انہیں پتہ ہو کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

پہلے اپنا الحاد خود دیکھ لو پھر ہمیں سکھانا۔

ناتھیال تھمسن صاحب نے ایک اور تحریر لکھی ہے جس کے مطابق شادی سے پہلے دو لوگوں کو کچھ عرصہ ایک ساتھ رہنا چاہیے جیسا مغرب میں ہوتا ہے۔ پھر شادی کرنی چاہیے۔

مجھے اس کے صرف آخری حصے پہ اعتراض ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ پھر شادی کی ضرورت ہی کیوں ہے؟

پسند کیا۔ ساتھ رہے۔ ساتھ رہ کے دیکھ لیا۔ اور پھر ساتھ سو بھی گئے۔ (بقول ناتھیال تھمسن کے سونا ویسے بھی صحت کے لیے مفید ہے۔) مغرب میں تو دو دو بچے ہو جاتے ہیں اور ماں باپ ابھی تک سوچ رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں شادی کرنی چاہیے یا نہیں۔ دو بچے پیدا کر لینے کے بعد شادی کا مقصد کیا ہے یہ میری تو سمجھ سے باہر ہے۔ میرج سرٹیفکیٹ کا تعویذ بنا کر بچوں کے گلے میں لٹکانے سے بچے حلال ہو جاتے ہیں؟

اسلام میں شادی کا مقصد بالکل واضح ہے۔ جنسی تقاضے انسان کی ضرورت ہیں۔ مرد کی بھی اور عورت کی بھی۔ نکاح اس جذبے کی تکمیل کا ایک حیادار اور اخلاقی راستہ ہے جو ہمیں مذہب بتاتا ہے۔

پھر نیا ماما کی تحریر ہے۔ ارشد خان (چائے والا) کا اٹھارواں بھائی پیدا ہوا ہے اور نیا ماما کو اعتراض ہے۔ جس نے زچگی کی تکلیف سہی اس کو اعتراض ہونہ ہوان کو پتہ نہیں کیوں تکلیف ہوئی ہے۔ اس کا ڈنا من ڈی پورا ہوگا اس نے پیدا کر لئے اٹھارہ بچے۔ کہتی ہیں غریب ہے۔ بھلا تم سے آٹا مانگنے آتا ہے؟ کہتی ہیں بچے کے حقوق ہوتے ہیں۔ اس کو اچھا کھانا اچھی تعلیم دینا آپ کی ذمہ داری ہے۔

یہ اخلاقیات الحاد نے کہاں سے کاپی کیے ہیں جناب؟ جہاں بغیر نکاح کے جماع محض اس لئے کیا جارہا ہے کہ بچے کی ذمہ داری نہ اٹھانی پڑے وہاں بچوں کے حقوق کہاں سے آگئے؟ کس نے متعین کیے؟

نیا ماما کو ارشد خان کے بھائی پیدا ہونے کا غم کھایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف دانیال تیموری کے مگرمچھوں اور ڈائنوسارز نے انڈوں کی جگہ بچے دینے شروع کر دیے ہیں۔

ارتقاء ثابت ہوگیا ہے جناب۔

ڈارون مرتے وقت پیش گوئی کر کے گیا تھا کہ جس دن مگرمچھ اور ڈائنوسارز انڈوں کی جگہ بچے دینے لگیں اسی دن ارتقاء ثابت ہو جائے گا۔

سائنس دانوں کو چھ کروڑ سال پرانے ڈائنوسارز کے فوسل ملے ہیں جس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ ارتقاء کا بہترین ثبوت ہے یہ۔ ڈائنوسارز اور مگرمچھ پہلے بچے دیا کرتے تھے۔ بعد میں ترقی کر لی اور انڈے دینے شروع کر دیے۔

اسی لئے میں انسانوں کی ترقی کے سخت خلاف ہوں۔

○

فیملی سسٹم

طوروں کے گروپ میں ایک طور فائق علی شیخ نے ہمارے مشرقی فیملی سسٹم پہ تنقید کی ہے اور گوروں کے فیملی سسٹم کا دفاع کیا ہے۔

کیوں کیا ہے؟

یہ تو مجھے نہیں پتہ۔ کیوں کہ موصوف نے جو پروفائل پک لگا رکھی ہے اگر وہ ان کی اپنی ہے تو کم از کم یہ صاحب گورے تو نہیں ہیں۔ بس یوں کہیے کہ انصاف کے تقاضوں کے تحت انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ گوروں کا مقدمہ لڑنے کے لیے خود گورا ہونا ضروری نہیں۔ پھر ایک گمان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارتقائی اصولوں کے تحت جو جس طرف جھکاؤ رکھتا ہے اس کے ڈی این اے میں ویسے ہی جرثومے پیدا ہو جاتے ہوں۔ اب یہ تو کوئی سائنسدان ہی بتا سکتا ہے کہ خواہ مخواہ کسی انگریز کی طرف داری کرنے سے انسان اندازاً کتنے عرصے میں انگریز بن سکتا ہے۔ ارتقاء کی اس سلسلے میں جو پچھلی مثالیں موجود ہیں ان کے تجربات تو بہت زیادہ حوصلہ شکن ہیں۔ یعنی فائق علی شیخ کو شاید کئی لاکھ سال تک مسلسل یہ فریضہ سرانجام دینا پڑے گا پھر جا کے شاید ان کی صرف زبان گوری ہو جائے۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک۔

بہرحال فرماتے ہیں۔

"ہمارے ہاں کہ فیملی سسٹم پہ بڑا فخر کیا جاتا ہے اور یہ فخر یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ ہم بڑی۔۔۔۔۔۔چک چک کر گورے کے فیملی سسٹم پہ تنقید بلکہ لعن طعن کرتے

ہیں۔چلیں آج ان دونوں کو مختصراً کمپیئر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بیڈ پہ والدین کے درمیان place ہوجاتا ہے اور دوسرا بچہ پیدا ہونے پہ اب کا بستر علیحدہ ہوجاتا ہے۔"

جواب : ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بیڈ پہ والدین کے درمیان place ہوجاتا ہے؟

یہ بات صرف وہ کرسکتا ہے جو اول تو غیر شادی شدہ ہو۔ دوئم اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہو۔اس کو بڑے ہونے پر اس کے اکلوتے ہونے کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ بیٹا تم جو بیچ میں آ گئے تھے۔ پھر ہم نے باقی زندگی رہبانیت میں گزار دی۔

پھر اگلے ہی جملے میں اس کے الٹ بات کر رہے ہیں کہ دوسرا بچہ پیدا ہونے پے------

کون سا دوسرا بچہ جناب؟ اے کیسی سائنس لڑائی ہے؟ ماں باپ بستر کے کناروں پر ہیں۔ بیچ میں بچہ placed ہے۔تو اگلے بچے کے لئے نہ تو حالات سازگار نہ موسم خوشگوار۔لغو اور کذب کی کوئی حد ہوتی ہے۔ایک تو مسلمانوں پر الزام یہ ہے کہ بچے بہت پیدا کرتے ہیں۔ دوسرا آج لگ گیا کہ نومولود بچوں کو درمیان میں سلا لیتے ہیں۔ سبحان اللہ

خیر آگے چلتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

"اور بچے ماں کے ساتھ ایک ہی بستر میں سوتے ہیں۔کیوں کہ ہاں تب تک سوتے ہیں جب تک بالغ نہیں ہوجاتے۔کئی فیملیز میں تو شادی کے بعد ہی بچے ماں سے علیحدہ سوتے ہیں۔اس کے فوائد ونقصانات تو آپ کو پتہ ہی ہوں گے؟لیکن اتنا مجھے ضرور پتہ ہے ہمارے ہاں کہ کئی ٹین ایج بچوں کو بھی علیحدہ دوسرے کمرے میں سونے سے ڈر لگتا ہے۔اکیلا گھر میں رہنا پڑ جائے تو یار آج تو میرے گھر آ جا۔گیمز کھیلیں گے اور ادھر ہی سو جانا۔"

جواب: یعنی بات یہ بیان ہو رہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے بچے پیدا ہوتا ہے تو وہ بستر پہ ماں اور باپ کے درمیان place ہو جاتا ہے اور اس سے اگلا جو بچہ نارمل جنسی اختلاط کی جگہ جنسی تولید کے طریقے سے پیدا ہوتا ہے وہ اسے پیدا ہوتے ہی اپنے لیے پورا بستر گول کر دیتا ہے۔ پھر بستر پہ صرف ماں اور بچے بچتے ہیں (اگلے بچے پھر نارمل جراثیمی تقسیم کے طریقے پر پیدا ہوتے ہوں گے)۔ پھر بچے اس وقت تک ماں کے ساتھ ایک ہی بستر پر سوتے رہتے ہیں جب تک جوان نہیں ہو جاتے۔ پھر ان کی شادی ہو جاتی ہے اور ماں کے بستر سے سیدھا بیوی کے بستر پر ٹرانسفر ہو جاتے ہیں۔ پھر ٹھیک دو سال بعد ان کی زندگی میں بھی وہ لمحہ آ جاتا ہے جب یہ اپنی زندگی میں پہلی بار الگ کمرے میں تن تنہا سوتے ہیں۔ یعنی اپنے گھر دوسرے بچے کی پیدائش پر۔ اس کو کہتے ہیں جیسے کو تیسا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

اب یہ کس کی کہانی ہے؟ مجھے نہیں پتہ۔ یہ کون سا معاشرہ بیان ہو رہا ہے؟ مجھے تو سمجھ نہیں آئی۔ فائق علی شیخ کی اپنی ہو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مگر یہ کم از کم ہمارے معاشرے میں نہیں ہوتا۔ جو ہمارے معاشرے میں ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ بچہ جب تک سوال کرنے لائق نہیں ہو جاتا یا بولنے لائق نہیں ہو جاتا وہ اپنے ماں باپ کے بستر پر ہی سوتا ہے اور جہازی سائز کے بستر پہ بچے کو بیچ میں سلانا فرض نہیں ہے۔ وہ ماں کے ساتھ کسی کنارے پہ بھی سو سکتا ہے۔ مگر تین ساڑھے تین سال کی عمر میں جب بچہ بولنے سوچنے اور سمجھنے کی عمر کو پہنچتا ہے تب اس کا بستر اور کمرہ دونوں الگ کر دیے جاتے ہیں۔

اس کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی یہ کہ ڈھائی تین سال کی عمر سے پہلے وہ اپنے ماں باپ کے خلوت کے لمحات (اچانک جاگ جانے کی صورت میں) دیکھ کر بھی سمجھ نہیں پاتا اور ان سے متعلق سوال بھی نہیں پوچھتا۔

دوسری یہ کہ الگ کمرے میں کسی قسم کی ایمرجنسی کی صورت میں اس عمر کا بچہ کم از

کم چلا کر ماں باپ کو متوجہ کرنے لائق ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ ماں باپ کی بے اولادی کے چکر میں نو مولود بچہ بلی اٹھا کر لے جائے۔

بہرحال آگے چلتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"گورے کے ہاں عام طور پہ بچہ explan ہے۔ اس پلاننگ میں یہ بھی ہے کہ بچہ کدھر سوئے گا؟ کچھ لوگ بچے کو پہلے دن سے ہی علیحدہ اُسے اُس کے اپنے کمرے میں ہی سلاتے ہیں۔ بچے کے بیڈ کے پاس واکی ٹاکی ٹائپ کوئی ڈیوائس رکھ دیتے ہیں کہ اگر بچہ روئے تو ماں کو آواز آ جائے۔ کچھ لوگ بچے کو baby crib جسے ہمارے ہاں بے بی کاٹ بھی کہا جاتا ہے اُس میں ڈال کر اپنے بیڈ روم میں سلاتے ہیں لیکن یہ سلسلہ بھی چھ مہینے یا ایک سال سے زیادہ نہیں چلتا۔ عام طور پہ ایک سال کے بچے کو علیحدہ اُس کے کمرے میں شفٹ کر دیا جاتا ہے۔ سوچ اس کے پیچھے یہ ہے کہ علیحدہ سونے سے بچے کی والدین پہ dependency کم ہوتی جاتی ہے۔ بچے کی خود اعتمادی اور قوت فیصلہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچے کا والدین کے بیڈ پہ سونے کو وہاں ناپسند بلکہ discourage بھی کیا جاتا ہے۔"

جواب: گورے کے ہاں بچہ explan ہے؟

یقیناً یہ شادی شدہ گوروں کی بات ہو رہی ہے۔ ورنہ غیر شادی شدہ لوگوں میں تو ابھی شادی پلان نہیں ہوئی ہوتی اور بچہ دروازہ کھٹکھٹا دیتا ہے۔ اس کے پیچھے اگر کسی کا کوئی پلان ہو بھی تو اس پیدا شدہ بچے کا ہی ہو سکتا ہے۔ ماں باپ کا ذمہ دوش پوش۔ بعض ماں باپ پھر اس بچے کا پلان فیل کرنے کے لئے ڈاکٹروں کی منتیں کرتے پھرتے ہیں مگر بچہ قانونی طور پر ڈاکٹروں کو ساتھ ملا لیتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ پلاننگ میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ بچہ کدھر سوئے گا۔

میرا خیال ہے کہ بچہ پیدا کرنے کا پلان بن جانے کے بعد اگلے سارے پلان بچے پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ آخر انگریز کا بچہ ہے۔ ماں باپ اپنے بستر پر نہیں سلائیں گے تو وہ کسی اور کے بستر پہ جا کر سو جائے گا۔ تسی انگریز او تے او کیہڑا پاکستانی اے؟

جائے۔ بہت زیادہ بیمار مثلاً فالج ہو جائے۔ یادداشت جاتی رہے۔ ایسے میں دیکھیے میاں بیوی اور بچے تو صبح آٹھ بجے سے اپنے کاموں پہ چلے گئے ہیں۔ شام کو ہی واپس آئیں گے۔ آپ اس بزرگ کو کھانا، دوائی، ٹوائلٹ اور کمپنی وغیرہ کون دے گا؟ نرسنگ کیئر کون کرے گا؟ ایسی صورتحال میں اولڈ ہوم سے بہتر کوئی آپشن نہیں بچتی۔"

اور

"ادھر آپنے ماں صبح بیٹا تو چلا گیا کام پہ۔ اور پیچھے فالج زدہ ماں کی ذمہ داری ہے بہورانی پہ۔ آپ بہو کیں بے شک غصہ کھائیں لیکن اکثر کو بزرگ کی سیوا کرنا مجھتا ہے۔ کچھ دل میں کڑھتی رہتی ہیں۔ کچھ شوہر کے منہ پہ بول دیتی ہیں۔ کچھ ساس کے منہ پہ بول دیتی ہیں۔ کچھ گالم گلوچ کرتی ہیں۔ تھپڑ مار کٹائی بھی کئی جگہ ہو جاتی ہے۔ کئی جگہوں پہ طلاق تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ کچھ کو بتایا جاتا ہے مذہب میں تو بہو پہ والدین کی خدمت فرض ہی نہیں ہے جو کہ سچ بھی ہے لیکن شرح بھی پھر اپنی مرضی کی چاہتی ہے کیونکہ شرع میں تو اور بھی بہت سارے احکامات ہیں؟ خواتین کے نکتۂ نظر سے بات کروں تو وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں۔ جب اُن پہ آپ کے والدین کی خدمت فرض ہی نہیں ہے تو وہ یہ ذمہ داری کیوں اُٹھائیں؟ ماں تمہاری ہے۔ خود اس کی ذمہ داری اُٹھاؤ۔ رکھو اپنی ماں کو علیحدہ کر کے بلکہ علیحدہ گھر میں اور ایک یا دو ملازمائیں رکھو اس کی خدمت کے لئے۔ کیا یہ میرے اوپر خواہ مخواہ کی چودراہٹ بٹھا رکھی ہے۔ بڑھی ہر وقت ٹیلی حکم چلاتی رہتی ہے۔ اس کی تو ٹوکا ٹاکی، بُڈبُڈ ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ مصیبت میرے سر ڈال دی ہے۔ نہ مرتی ہے نال مغفرت ہی ہی اسے۔

آپ بتائیے ایسی صورتحال میں اولڈ ہوم کیونکر بری آپشن ہے؟"

جواب: یہ تو بہت نازک صورتحال ہے۔ میاں بیوی نے صبح آٹھ بجے اٹھ کر جاب پہ جانا ہے۔ پیچھے بڑھا اکیلا ہے۔ پھر اس پر فالج کا اثر بھی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ کیا اولڈ ہوم برا آپشن ہے؟

کھٹی میٹھی خبریں

ایک تحریر سمیر احمد صاحب نے لکھی ہے۔ ان کا مسئلہ بھی بڑا قابلِ غور ہے۔ یہ مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے تھے پیچھے سے ان کی چپل چوری ہو جاتی تھی۔ نتیجتاً یہ طرح ہو گئے۔ جان چھوٹی جھگڑا مکا۔ اب نہ یہ مسجد نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ نہ ان کی چپل چوری ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو کیا ان کی چپل کی حفاظت پر قادر نہیں؟ ذرا سوچیے اور طرح ہو جائیے۔ یہ دنیا کی اکلوتی سوچنے سمجھنے والی مخلوق ہے۔ اصولاً ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر مسلمان کی چپل کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہوتا۔ کم از کم بندہ خشوع و خضوع سے نماز تو پڑھتا۔ سر سجدے میں ہوتا ہے اور دماغ جوتی میں اٹکا ہوتا ہے۔ پی کے فلم میں عامر خان نے طریقہ بھی بتایا تھا جوتی کو لاک کرنے کا۔ مگر دیر کر دی۔ اس وقت تک موصوف کئی جوتیوں کا نقصان برداشت کرنے کے بعد طرح ہو چکے تھے۔ یہ دیکھیے بے زیادتی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کائنات بنائی۔ انسان بنایا۔ اس کے اندر اتنی پیچیدہ مشینری فٹ کر دی۔ پھول بنائے۔ خوشبو بنائی۔ جہنم بنائی جنت کے باغات بنائے۔ چار فرشتے اور بنا دیتے جو بوقت نماز سمیر احمد کی چپل کے چاروں طرف حصار بنا کر کھڑے رہتے تو اسلام سمیر احمد جیسے عظیم ترین مسلمان سے محروم نہ ہوتا۔

مگر خیر۔ اب پچھتاوے کیا ہووت۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اللہ پوچھے گا تمہیں چپل چورو۔

پھر سمیر احمد صاحب نے ایک نئی سائنس بھی بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے

جب میں خدا کی عبادت کرنے مسجد جایا کرتا تھا تو میری چپل چوری ہو جاتی تھی۔ مگر آج جب میں نئے جوتے پہن کر مسجد گیا تو یاد آیا کہ جب میں خدا کی عبادت کے لئے مسجد جاتا تھا تو چپل چوری ہو جاتی تھی مگر اب نہیں ہوتی۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جب خدا کی عبادت ہی نہیں کرنی تو پھر مسجد گئے ہی کیوں؟

یہ پورے دار طہرین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ پانچ وقت کی نماز سے سستی برتی جا سکتی ہے۔ جمعے کا بھی ناغہ کیا جا سکتا ہے مگر عید نماز سے فرار ممکن نہیں۔ یہ نماز مسلمانوں کے لئے تو سنت ہے مگر طہروں پر فرض ہے۔ یہ اس نے فرض کی ہے۔ اسی صبح صبح چھ بجے جہاں اپنے سوتے بچوں کو جگاتی ہیں وہاں طہر بچوں کو بھی اٹھنا پڑتا ہے۔ دستہ اسی جوتی سے تواضع ہوتی ہے جس کی قسمت میں مسجد جا کر چوری ہونا لکھا ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ اب جب کہ میں خدا کی عبادت کی نیت کے بغیر مسجد جاتا ہوں تو چپل چوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا خدا ایک ہمبگ ہے (معاذ اللہ)۔

یہ بڑا سائنٹیفک سا مکینزم ہے جو مسلمانوں کی ہر مسجد میں فٹ ہے۔ جیسے ہی کوئی ایسا شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے جو صرف دنیا دکھاوے کے لئے مسجد میں آیا ہو اور اس کی نیت خدا کی عبادت نہ ہو تو اس کی ریڑھ کی ہڈی کے بالکل اوپری کنارے کی غیر فطری حرکات کو مساجد کے گیٹ پر لگے ہوئے سنسرز نوٹ کر لیتے ہیں اور زمین میں بچھے تاروں کے جال کے ذریعے امام مسجد تک پہنچا دیتے ہیں۔ امام مسجد جب خطبہ شروع کرتا ہے تو اس کی آواز کی لہریں اس شخص پر پڑ کر گہری نیلگوں روشنی کا حصار اس شخص کے گرد قائم کر دیتی ہیں۔ مگر یہ حصار صرف امام مسجد کو نظر آتا ہے کیوں کہ اس نے اس ڈیٹکشن کے لئے خصوصی سائنٹفک لینسز لگائے ہوتے ہیں۔ پھر وہ امام مسجد غیر محسوس طریقے سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے عصا کو ایک مخصوص طریقے سے ہلاتا ہے تو مسجد میں موجود سارے چور ایجنٹ انگیج ہو جاتے ہیں۔ وہ سب اپنے ہاتھوں میں موجود ڈیٹکشن جیمرز کو آن کر لیتے ہیں

جن کا براہ راست رابطہ مسجد کے گیٹ پر لگے سنسرز سے ہوتا ہے۔ وہ سنسرز اس شخص کی طرف چوروں کی رہنمائی کر دیتے ہیں۔ پھر وہ چور اس شخص کے پیچھے سے گزرتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے جدید ترین کیمروں کے ذریعے اس شخص کے پیروں کا عکس اپنی ہارڈ ڈسک میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ پھر یہ چور جوتیوں والے ڈبے کی طرف جاتے ہیں اور جوتیوں کے ڈبے پر ایک کیمیکل اسپرے کر دیتے ہیں۔ پھر ان کیمروں کا ریڈار موڈ آن کر لیتے ہیں۔ پھر وہ ریڈار اس شخص کی جوتی کی نشاندہی کر دیتا ہے جس کے پیروں کے پرنٹس اس کی ہارڈ ڈسک میں محفوظ ہوتے ہیں۔ پھر یہ اپنے پاس موجود سافٹ کاپی سسٹم کے ذریعے اس جوتی کا ہوبہو تھری ڈی عکس تیار کرتے ہیں اور اس کو آن ایئر کر دیتے ہیں۔ سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے آن کی آن میں وہ عکس دنیا کے تمام چوروں کے پاس موجود ڈیوائسز میں منتقل ہو جاتا ہے اور انہیں یہ پیغام منتقل ہو جاتا ہے کہ

"یہ ایک ملحد کی چار سو روپے والی چپل ہے اسے چوری نہیں کرنا۔"

اور اس طرح ایک مسلمانوں کی مسجد میں ایک ملحد کی چپل چوری ہونے سے محفوظ رکھی جاتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ خدا نہیں ہے۔ جو کہ سارا مولوی کرم ہے۔ دنیا میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ داڑھی والے ٹوپی پہننے والے اور شلواریں اونچی رکھنے والے مولوی اندر خانے اتنی ترقی کر چکے ہیں۔

سیر احمد اس سے پہلے بھی ایسی ایک تحریر کر چکے ہیں جس میں یہ مساجد کے چندہ باکسز میں ملحدوں کے سوال ڈالنے کی تحریک چلانے والے تھے۔ اس سے ایک بہت بڑا انقلاب آ سکتا تھا مگر مسجد میں لگے کیمروں اور سوالوں والے کاغذ پر چھپنے والے اپنے فنگر پرنٹس سے ڈر گئے اور دنیا تاریخ کے عظیم ترین انقلاب سے محروم ہو گئی۔

O

میڈیائی فتنہ

حقیقی خبر: حادثے میں ایک شخص دوسرے شخص کی گاڑی کے نیچے آ کر ہلاک۔

میڈیائی فتنہ: ایک سنی مسلمان نے ایک شیعہ مسلمان کو مذہبی تنازعے پر اپنی گاڑی کے نیچے بہیمانہ انداز میں کچل کر ہلاک کر دیا۔ ہمارے ساتھ لائن پر موجود ہیں علامہ فلاں نقوی صاحب اور علامہ فلاں قادری صاحب۔

خاتون اینکر: جی علامہ نقوی صاحب! بڑی افسوسناک خبر ہے۔ آپ کا ایک بندہ شہید کر دیا گیا ہے۔ اب آپ کا اگلا لائحہ عمل کیا ہوگا؟

علامہ نقوی: جی ہم نے شیعہ علماء کانفرنس بٹھا دی ہے۔ آج شام تک ہم اپنے لائحہ عمل کا اعلان کر دیں گے۔

خاتون اینکر: جی علامہ قادری صاحب! آپ کی طرف آتی ہوں۔ کیا آپ اس قتل پہ اظہار افسوس کرنا چاہیں گے؟

علامہ قادری: جی بالکل! ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے۔ مگر میری معلومات کے مطابق یہ ایک معمولی حادثہ ہے جسے قتل نہیں کہا جا سکتا۔

خاتون اینکر: کیا آپ ایک شیعہ کی جان کو معمولی قرار دے رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک ایک انسانی جان اور ایک شیعہ کی جان میں فرق ہوتا ہے؟

علامہ قادری: میں نے قطعاً یہ نہیں کہا بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ابھی تفتیش ہونے دیں۔ یہ محض ایک حادثہ ہے جس کا شیعہ سنی تنازعے سے کوئی تعلق نہیں۔

خاتون اینکر: مگر جناب! ہماری تحقیق کے مطابق جس گاڑی سے حادثہ ہوا اس کے آئینے پر نعلین مبارک کی شبیہ لٹک رہی تھی اور جس شخص کو بہیمانہ انداز میں کچلا گیا اس نے

کالے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مجلس سے آ رہا تھا۔

علامہ قادری: اصل میں یہ حادثہ رات کے وقت پیش آیا۔ عین ممکن ہے کہ رات کے اندھیرے میں کالے لباس میں ملبوس شخص ڈرائیور کو نظر ہی نہ آیا ہو۔

خاتون اینکر: یعنی آپ کے نزدیک حادثے کی وجہ کالا لباس ہے۔ ٹھیک ہے آپ کا موقف آ گیا۔ جی علامہ نقوی صاحب۔ کالے کپڑے پہننا جرم بن گیا۔ کیا کہیں گے؟ کیا یہ آپ کی محافل کے تقدس پہ حملہ نہیں؟ ہم تو بچپن سے یہی دیکھتے آئے ہیں کہ مجالس میں شریک شیعہ حضرات کالے کپڑے ہی پہنتے چلے آئے ہیں اور یہ ان کا حق ہے۔ کیا آپ سنیوں کے شر سے بچنے کے لیے کالے لباس سے دستبردار ہو سکتے ہیں؟

علامہ نقوی: محترمہ بھابھے کٹی صاحبہ! جیسا کہ آپ نے خود ہی بتا دیا کہ یہ شیعہ حضرات کی بڑی پرانی رسم ہے کہ ماتم کے لیے کالا لباس ہی استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس پہ کسی سنی عالم کی طرف سے اعتراض انتہائی قابل افسوس ہے۔ ہمیں ان سے قطعاً یہ امید نہیں تھی۔ ہم نے ہمیشہ کالے کپڑے پہنے ہیں اور کالے کپڑے ہی پہنیں گے۔ چاہے ہمیں کالے کپڑے پہننے کے جرم میں شہید کر دیا جائے۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

خاتون اینکر: جی قادری صاحب! نقوی صاحب کا موقف ہے کہ جان دے دیں گے مگر کالے کپڑے پہننا نہیں چھوڑیں گے۔ اب کالے کپڑوں کے خلاف آپ کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟

(ٹوٹ ٹوں ٹوٹ)

قادری صاحب؟

ارے او قادری صاحب؟

لگتا ہے قادری صاحب نے غصے میں آ کر فون ہی بند کر دیا ہے؟

ہم نقوی صاحب کی طرف واپس چلتے ہیں۔ جی نقوی صاحب! قادری صاحب تو کالے کپڑوں کے سوال پہ غصے میں آ کر فون ہی بند کر گئے۔ اب آپ اپنے لائحہ عمل کا اعلان کریں۔

علامہ نقوی: جی بالکل! ہماری علماء کونسل نے تین روزہ سوگ اور احتجاج کا اعلان کیا ہے۔

خاتون اینکر: ٹھیک ہے نقوی صاحب! بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے ہمیں وقت دیا۔

جی ناظرین جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔

رضوان سے پوچھیں کوئی خبر ہے؟

میں بور ہو رہی ہوں بیٹھی ہوئی۔ کوئی بریکنگ نیوز ہی دے دیں۔

پروڈیوسر: رضوان آج نہیں آیا۔ اس کی ماں نے اس کی پھینٹی لگائی ہے۔

خاتون اینکر: کیوں؟

پروڈیوسر: گھر سے ماں نے دہی لینے بھیجا تھا۔ راستے میں ایک حادثے کی موبائل سے ویڈیو بنانی شروع کر دی۔ گھر لیٹ پہنچا تو ماں نے مار مار کے بھرکس نکال دیا۔

خاتون اینکر: یہ تو خود ایک بریکنگ نیوز ہے۔

ایکشن کیمرہ ایکشن

خاتون اینکر: ناظرین ایک بریکنگ نیوز پیش کر رہے ہیں۔ حرنگ کے علاقے میں ایک عورت نے مار مار کے ایک مرد کا بھرکس بنا دیا۔ اسے دہی لینے بھیجا گیا تھا اور وہ باہر جا کر دوسروں کی ویڈیو بنا رہا تھا۔

ہمارے ساتھ موجود ہیں فلاں باری صاحبہ جو عورتوں کے حقوق کی چیمپئن ہیں اور مفتی فلاں صاحب جو مردوں کے حقوق کی بات کریں گے۔

جی فلاں باری صاحبہ! کیا کہیں گی آپ۔ کیا آج کی عورت واقعی بے وقعت اور بے حیثیت ہو گئی ہے کہ وہ مرد کو دہی لینے بھیجے اور مرد باہر جا کر [illegible]؟

چلو بس یار بند کرو خبریں۔

انسان تجسس کا مارا کبھی سمندر کی تہوں میں قدرت کی فنکاری کے نمونے دیکھتا ہے کبھی خلاؤں میں۔ ایک چیل کو اڑتا دیکھ کر جہاز ایجاد کرتا ہے۔ وہیل مچھلی کو دیکھ کر آبدوز بنا لیتا ہے۔ ایک چیل کو اڑتا دیکھ کر جہاز ایجاد کرتا ہے۔ وہیل مچھلی کو دیکھ کر آبدوز بنا لیتا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز کی نقل بنانے پر کوشاں ہے اور اللہ کی بنائی کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ دیگر مخلوقات میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ انسانی عقل محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتی کہ یہ کیا ہے کیسے ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو بھی کھوجتی ہے کہ یہ کیوں ہے؟ اور جب انسان "کیوں" کے جواب کو کھوجنے نکلتا ہے تو اس کی تلاش اس کے خالق پہ ختم ہوتی ہے۔ ہدایت اسی کو کہتے ہیں۔

الفرقان پبلشرز
84-مین بازار چوبرجی لاہور